طلعت

طلعت

(ناول)

شاہدہ خاتون

زبیدہ خاتون

پروین بکڈپو، رامپور

بار اوّل نومبر ۶۸ سنہ ۶

قیمت سات روپے

Rs 7=00

مطبوعہ

اعلیٰ پریس، بلیماران دہلی

انتساب

بیگم محمد سعید احمد چیف انجینئر
بی اینڈ آر
کوئٹہ کے نام

(۱)

زندگی کیا ہے عناصر میں ظہورِ ترتیب
موت کیا ہے انہیں اجزا کا پریشاں ہونا

آج صبح سے بدر کمال کی حالت بہت خراب تھی رہ رہ کر سینے میں درد اٹھ رہا تھا۔ فرزانہ بیگم اپنے عزیز شوہر کی یہ حالت دیکھ دیکھ کر دیوانی سی ہوئی جا رہی تھیں۔ ان کی سمجھ میں کچھ آ ہی نہیں رہا تھا کہ یہ سب کچھ کیا ہے۔ کتنی بار سجدہ میں گر گرا اپنے پروردگار کے حضور گڑگڑا چکی تھیں۔

"اے رب العالمین، اے بے کسوں کے والی تو میرے شوہر کو نئی زندگی عطا کر دے، تو رحیم ہے، تو کریم ہے، تیری شان بہت بڑی ہے۔ تیری قدرت بڑی انوکھی ہے، تو مردے میں جان ڈال سکتا ہے۔ تیرے قبضۂ قدرت میں دنیا کا نظام ہے مجھ بدنصیب پر رحم کر اور میرے گھر کو نہ برباد کر میری مانگ نہ اجاڑ۔ آہ میں کس کے سہارے زندگی گذاروں گی۔ میرے مالک

یہ ننھے ننھے بچے بغیر باپ کے کیونکر زندہ رہ سکیں گے۔ خدایا رحم کر دے..... میرے مالک رحم کر۔

مگر فرزانہ بیگم کی دعائیں بھی رحمتِ خداوندی کو جوش میں نہ لا سکیں۔ دوپہر کے بعد بدر کمال نے آنکھیں کھولیں فرزانہ بیگم سرہانے بیٹھی حسرت سے شوہر کا منہ تک رہی تھیں۔ آنکھیں کھلی دیکھ کر پوچھنے لگیں۔

"کیسی طبیعت ہے۔"

"فرزانہ پیاری اب چند گھڑیوں کا مہمان ہوں" بدر کمال نے کہا۔ "نخر کو بلاؤ ـــ" سانس پھول گئی تو بدر کمال خاموش ہو گئے۔

فرزانہ بیگم بے قرار ہو کر رونے لگیں تو بدر کمال نے پھر ایک حسرت بھری نظر عزیز بیوی پر ڈالی اور اٹک اٹک کر پھولی سانسوں کے درمیان کہنے لگے۔

"فرزانہ تم میری ہمدرد، مونس اور غمگسار رہ چکی ہو، موت مجھے نظر آ رہی ہے۔ ان پانچ سالوں کی رفاقت کا ساتھ چھوٹنے پر مجھے قلق ہے۔ مگر خدا کی مرضی، تم رنج نہ کرو ـــ میری پیاری خدا کیلئے آنسو نہ بہاؤ کہ میری روح تڑپ اٹھے ـــ آج مجھے ہنسی خوشی رخصت کر دو ـــ ورنہ کہیں تمہارے آنسو مجھے قبر میں ہرگز چین نہیں لینے دیں گے۔ تمہیں ابھی زندہ رہنا ہے، ابھی نگار سلطانہ اور جمال کے واسطے جن کو میں تمہارے سپرد کرتا ہوں ـــ" وہ اٹک اٹک کر کہنے لگے "ان کی تعلیم و تربیت میں کوتاہی نہ ہونے پائے۔" اتنی گفتگو کے بعد ان کا سانس پھول گیا اور وہ "پانی" کہہ کر خاموش ہو گئے۔

فرزانہ بیگم نے گلاس اٹھا کر چند قطرے حلق میں ٹپکائے۔ کچھ دیر کے بعد انہوں نے پھر آنکھیں کھول کر چاروں طرف نگاہ دوڑائی جیسے کسی کی تلاش ہو۔۔ اور پھر فخر اور بچوں کو بلانے کی ہدایت کر کے آنکھیں بند کر لیں۔

فخر ڈاکٹر کو لینے گئے ہوئے تھے۔ فرزانہ تینوں بچوں کو لائیں بدر کمال نے ایک حسرت بھری نظر ڈال کر سب کو خدا کی حفاظت میں دے دیا ۔۔۔۔

اسی وقت ڈاکٹر کے آنے کی اطلاع ملی اور فخر کمال جو بھائی کی حالت دیکھ کر پریشان تھے، کمرے میں داخل ہو گئے۔ ڈاکٹر نے آکر آلہ سے معائنہ کیا اور پھر انجکشن لگا کر کہنے لگے۔ "ان کو بات قطعی نہیں کرنی چاہیئے ۔۔" مگر بدر کمال نے نحیف آواز میں کہا ۔" ڈاکٹر! اب ساری عمر کو خاموش ہی ہوا چاہتا ہوں (رک رک کر) فخر سنو۔" اور فخر کمال بیتابی سے بھائی کی پٹی پر جھک گئے۔ "بھائی صاحب۔" فخر کمال نے پکارا۔ بدر کمال نے بمشکل آنکھیں کھولیں اور بھائی پر نظر پڑتے ہی پھیکی سی مسکراہٹ لبوں پر بکھر گئی۔

"تمہاری بھابی کہاں ہیں ۔" انہوں نے بہ مشکل کہا۔

"یہ کھڑی ہیں بھابی جان تو آپ کے قریب ہی۔" فخر نے رندھے گلے سے جواب دیا۔

"اچھا۔" بدر کمال رندھے گلے اور بے حد کمزور آواز میں کہنے لگے۔۔

"میں آج تم سب کو خدا کے سپرد کرتا ہوں اور پھر ایک دوسرے سے خدا کے لئے آپس میں کبھی نہ جھگڑنا۔" اشارے سے ۔" یہ کنجی ہے سیف کی اور باقی تمہیں وصیت نامے سے پتہ چل جائیگا ۔!"

"خدا کیلئے بھائی صاحب ایسی باتیں نہ کیجئے جو ہمارا دل توڑ دیں، مایوس نہ ہوئیے۔" فخر کمال نے بے اختیار رو کر کہا۔ "آپ اچھے ہو جائیں گے میں اپنی جان دے کر بھی آپ کو بچا دوں گا۔"

"نادان نہ بنو فخر! موت آ کر پھرا نہیں کرتی۔" بدر کمال نے کمزور آواز سے کہا۔ "تم ہمت نہ ہار جانا۔ یہ تینوں بچے تمہاری سپردگی میں ہیں۔ اور اپنی بھابی کو کبھی کوئی تکلیف نہ دینا۔"

"آہ! میرے خدا رحم کر دے اور ان کے بدلے میری زندگی ...." فرزانہ نے بے قرار ہو کر کہا۔ اور جملہ ادھورا ہی چھوڑ دیا اور رونے لگیں۔

"ایسی باتیں نہ کرو، صبر کرنا کتنا ثواب ہے۔ کیا تم نہیں جانتیں۔!" بدر کمال نے بمشکل کہا۔ "فرزانہ تم وعدہ کرو کہ بچوں کی زندگی سنوارنے میں تم میرا غم بھلا دو گی اور صبر کرو گی۔"

مگر بے قرار فرزانہ کو قرار کہاں تھا۔ آج اس کا عزیز ترین شوہر سدا کیلئے جدا ہوا جا رہا تھا۔ اس کا سہاگ لٹ رہا تھا، گھر اجڑ رہا تھا۔ مانگ کی افشاں چھٹی جا رہی تھی —— پھر صبر کرتی تو کس طرح۔ دل اس کا شدت غم سے پھٹا جا رہا تھا۔ غفور نے چند لوگوں کے آنے کی اطلاع دی اور بدر کمال کے دوست عتیق صاحب مع ڈاکٹر جمیل کے اندر آ گئے۔ دونوں ڈاکٹروں نے مل کر ایک بار پھر غور سے معائنہ کیا اور مایوسی سے سر ہلا دیا۔ بدر کمال بہت تکلیف محسوس کر رہے تھے۔ ڈاکٹر اٹھ کر باہر آئے تو فخر کمال بھی ساتھ ساتھ اٹھ آئے۔

"کیا بات معلوم ہوتی ہے ڈاکٹر صاحب ۔۔" فخر کمال نے رندھے ہوئے گلے سے پوچھا۔" بھائی صاحب اچھے ہو جائیں گے۔۔؟"

"مجھے تم پر اور تمہاری نوجوان بھاوج پر ترس آتا ہے فخر ۔۔" ڈاکٹر نے بہت مایوسی سے سر ہلاتے ہوئے کہا ۔۔" مگر چند منٹ بعد جو کچھ پیش آنے والا ہے۔ بہتر ہے کہ میں تمہیں اس سے آگاہ کر دوں ۔ ان کے پھیپھڑے پر کینسر تھا جو آج پھوٹ گیا۔ زہر آہستہ آہستہ دل کی جانب بڑھ رہا ہے۔ اب اس کا کوئی علاج نہیں کاش ہم انہیں اچھا کر سکتے مگر افسوس، خدا کی جو مرضی ہو وہ چند منٹ کے اور مہمان ہیں ۔۔ مگر میں تمہیں صبر کی تلقین کرتا ہوں فخر ۔۔" ڈاکٹر کا ہاتھ فخر کے کاندھے پر تھا۔

"آہ ڈاکٹر! خدا کے لئے انہیں بچا لیجئے ۔" فخر کی چیخ نکل گئی۔ "آپ جانتے ہیں کہ میں ان کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتا ۔ آپ ڈاکٹر ہیں، کوئی ترکیب کیجئے خدا کیلئے خواہ میری جان لے لیجئے۔ ساری دولت میں آپ کو دے دوں گا، مگر بھائی کو مجھے واپس دے دیجئے ۔"

"مجھے افسوس ہے فخر کاش میں انہیں بچا سکتا ۔" ڈاکٹر نے متاسف ہو کر ہمدردانہ فخر کو دلاسہ دیتے ہوئے کہا ۔۔" مگر اب وقت گذر چکا دولت سے موت نہیں بھگائی جا سکتی۔ اگر ایسا ہوتا تو دنیا کا ہر دولتمند آج موت کے منہ میں ہرگز نہیں جاتا، مگر یہ نظام قدرت ہے جو اٹل ہے، ہم خدا کے بندے ہیں اور اس پر اعتقاد رکھتے ہیں۔ صبر کرنا مرد مومن کا شیوہ ہے ۔ تم صبر کرو ورنہ تمہاری بھابی بے موت مر جائیں گی۔ ننھے ننھے

بچے ہیں۔ ان کا خیال کرو اور اندر جاؤ۔"

"آہ! کاش میں بھائی کو بچا سکتا۔" فخر نے سر تھام کر دل گرفتہ آواز میں کہا۔ "مگر بھابی ۔۔۔ آہ بھابی جان کو کیا کہہ کر صبر کی تلقین کروں۔ ان کا تو سب کچھ لٹا جا رہا ہے ڈاکٹر۔" اور پھر وہ بے قرار ہو کر کمرے میں چلا گیا۔ مگر وہ منظر، وہ ہولناک منظر اس کی نظروں کے سامنے تھا جس کے تصور سے اس کا دم گھٹا جا رہا تھا۔

بدر کمال آخری ہچکیاں لے رہے تھے۔ ان کے دوست عتیق صاحب سرہانے کرسی پر بیٹھے یٰسین شریف پڑھ رہے تھے اور فرزانہ صبر و سکون کے ساتھ دھڑکتے دل اور لرزتے ہاتھوں سے ان کے حلق میں آبِ زمزم کے قطرے ٹپکا رہی تھیں، وہ بالکل خاموش تھیں اور بیحد پر سکون۔ بدر کمال کی زبان بند ہو چکی تھی مگر آنکھیں ابھی اپنا کام کر رہی تھیں اور وہ حسرت سے ایک ایک کی جانب تک رہے تھے۔ فخر کمال بھی پٹی پر جھک کر کلمہ پڑھنے لگے۔ بدر نے ایک بار بھائی پر نظر ڈالی اور پھر بیوی کو دیکھا۔ فرزانہ نے آخری چمچہ حلق میں ڈالا تھا کہ بدر کمال کو بے اختیار قے ہو گئی، سرخ سرخ اور نیلی نیلی، جسے دیکھ کر فرزانہ کی چیخ نکل گئی۔ مگر جب وہ دوبارہ شوہر پہ جھکی تو وہ ساکت ہو چکے تھے۔ ان کی روح قفسِ عنصری سے پرواز کر کے دار البقاء کی جانب روانہ ہو چکی تھی ۔ انا للہ۔۔۔۔۔۔

فرزانہ اپنا لٹا ہوا سہاگ دیکھ کر بے ہوش ہو گئیں۔ اور فخر کمال بھی ایک دل دوز آہ کے ساتھ کرسی پر بیٹھ گئے۔ عتیق صاحب نے اٹھ کر میت پر

ایک چادر سر سے پیر تک ڈھانپ دی۔ تھوڑی دیر بعد فخر کمال آنسو بہاتی آنکھیں بھائی پر ڈال کر باہر آئے اور غفور کو دوستوں کی اطلاعات کے لئے روانہ کر کے اندر آ کر بھاوج کو دیکھنے لگے جو ابھی تک بے ہوش صوفہ پر پڑی تھیں۔ بچے الگ رو رہے تھے۔ آیا آ کر تینوں کو لے جانے لگی مگر جمال نے وہاں سے نہ جانے کی قسم کھائی تھی وہ باپ کی پٹی سے لگا بیٹھا رہا اور حسرت سے باپ کی جانب تکتا رہا۔ یتیم بچہ! آہ!! حسرت اس کی صورت سے آشکار تھی۔

چند عزیز اور چند دوست اطلاع پا کر مع بیگمات کے آگئے۔ عتیق صاحب کی بیگم ثمینہ بھی آگئیں اور پھر سب نے مل کر فرزانہ کو ہوش میں لانے کی ترکیب کی۔ محلہ پڑوس کی کافی عورتیں جمع تھیں تھوڑی دیر بعد جب فرزانہ کو ہوش آیا تو وہ ایک ایک کی صورت تکے جا رہی تھیں۔ ویران نگاہیں۔ بدحواسی طاری، آنسو خشک ہو چکے تھے۔ ڈاکٹر نے انجکشن لگایا اور ہدایت کی کہ یہ خوب کھل کر رو لیں ورنہ دماغ پر اثر ہونے کا اندیشہ ہے۔ ثمینہ بیگم ہر ترکیب آزما چکی تھیں مگر فرزانہ ٹس سے مس نہ ہوئیں۔

فخر کمال نے جلدی جلدی دور کے دو ایک عزیزوں کو تار دلوائے اور ایک آدمی فرزانہ کے بھائی کے یہاں بھیجدیا جو چند میل دور ایک قصبہ میں رہتے تھے۔ مگر جنازہ عزیزوں کے انتظار میں روکا نہیں جا سکتا تھا۔ کیونکہ لاش خراب ہونے کا ڈر تھا۔ بارہ بجتے بجتے بدر کمال کو آخری غسل دیکر سفید کفن میں لِٹا دیا گیا۔ ابھی جنازہ تیار ہی ہو رہا تھا کہ فرزانہ بیگم کے بھائی

اور بھاوج جو اس کی عزیز ترین سہیلی بھی تھیں اطلاع پاتے ہی کار سے چل پڑی تھیں، آ گئیں اور فرزانہ کی زرد شکل دیکھ کر بے اختیار چیخ مار کر فرزانہ سے لپٹ گئیں فرزانہ کے بھائی مسرور احمد بھی پردہ کروا کے بہن کے پاس چلے آئے، اب فرزانہ بیگم اپنے بھائی اور بھاوج کو دیکھ کر پھوٹ پڑیں۔ اور "میری عذرا" کہہ کر بھاوج سے لپٹ گئیں۔ اور بھائی کے گلے لگ کر تو اتنا روئیں کہ جسکی انتہا نہ رہی، ہر وہ شخص جو موجود تھا، رو رہا تھا۔ گھر میں قیامت بپا تھی۔ مسرور احمد نے بہن کو تسلی دی اور آنسو پونچھ کر باہر آ گئے۔

عذرا کے آنسو رکنے کا نام ہی نہ لیتے تھے۔ ثمینہ بیگم کے سمجھانے پر عذرا کو ہوش آیا اور وہ اپنے آپ کو سنبھال کر فرزانہ کو لپٹا کر کہنے لگی۔

"میری فرزانہ، میری پیاری سہیلی تم پر جو یہ ناگہانی غم کا پہاڑ پھٹ پڑا ہے وہ بہت بڑا ہے، مگر صبر کرو، فرزانہ خدا صبر کرنے والوں سے خوش ہوتا ہے۔ اس میں شک نہیں بدر بھائی کی موت نے تمہیں زندہ درگور کر دیا ہے مگر خدا کی مرضی یونہی تھی۔ اس قدر رنج نہ کرو ورنہ جمال اور سلطانہ د نگار کس کے ہو کر رہیں گے۔ انکا تمہارے سوا اب کون ہے۔"

"آہ! عذرا میرا دل گھٹا جا رہا ہے۔ میرے سینے میں جیسے بھٹی سلگ رہی ہے۔ بچے کہاں ہیں۔" فرزانہ نے بیقرار ہو کر پوچھا۔

ایک عورت تینوں بچوں کو لائی جن کی صورتیں یتیمی کے اثر سے پژمردہ تھیں۔ فرزانہ نے بیقرار ہو کر تینوں کو اپنی آغوش میں بھر لیا اور رونے لگی

"میرے بچو! آہ!! آج تم یتیم ہو گئے — آج تمہارا باپ اس دنیا سے اٹھ گیا، اُف اب کیا ہوگا۔؟"

"فرزانہ خدا کے لئے ایسی باتیں نہ کرو صبر کرو۔" عذرا نے تڑپ کر کہا، "ان بچوں کے واسطے جینے کی تمنا پیدا کرو، گو میں تمہیں صبر کی تلقین کر رہی ہوں مگر میرا دل خود شدّتِ غم سے پھٹا جا رہا ہے — ہم مجبورِ محض ہیں اور صبر کے سوا کچھ نہیں کر سکتے۔"

فرزانہ کی روتے روتے ہچکی بندھ گئی تھی۔ اتنے میں اطلاع ملی کہ جنازہ تیار ہو چکا ہے، پردہ کروا دیا گیا ہے باہر آ کر آخری دیدار کر لیں۔ فرزانہ بیگم سے چلا نہیں جا رہا تھا۔ عذرا اور ثمینہ پکڑ کر لائیں اور ایکبار پھر انہیں چکر آ گیا اور وہ بے قرار ہو کر جنازے پر جھک کر کہنے لگیں "بدر.... آہ! بدر آپ نے تو زندگی بھر ساتھ رہنے کا وعدہ کیا تھا، پھر یہ وعدہ خلافی کیوں ہے۔ آہ! آپ بولتے کیوں نہیں میرے سرتاج ...... دیکھئے میں وہی فرزانہ تو ہوں جس کی ذرا سی تکلیف پر آپ بے قرار ہو اٹھا کرتے تھے۔ مگر اب میں کتنی بیتاب ہوں اور آپ کو خبر نہیں.... آپ ہی نے تو ایک بار کہا تھا" فرزانہ ہم شاہراہِ حیات پر سدا ساتھ چلیں گے۔ مگر آپ نے...... آہ آپ نے تو اتنی جلدی منہ موڑ لیا۔ آخر مجھ سے کیوں خفا ہیں — خدا کے لئے بولئے ایک بار صرف ایک بار میرے سرتاج —

اور فرزانہ کو پھر غش آ گیا۔ مگر سب کی کوششوں سے چند منٹ بعد ہی ہوش میں آ کر پھٹی پھٹی آنکھوں سے سب کو دیکھنے لگیں۔ عذرا بیگم فرزانہ بیگم کی

باتوں پر بے قرار ہو کر رو رہی تھیں۔ آخر ہمت کر کے آگے بڑھیں اور کہنے لگیں۔ "فرزانہ اب اپنی حالت پر رحم کرو، بے قرار نہ ہو، لاؤ تمہاری یہ چوڑیاں اس ہستی پر نثار کر دوں جو تمہاری سہاگ کی نشانی تھی، آج اس سے تمہارا ساتھ چھوٹ گیا ہے ــــ یہ بھرے بھرے ہاتھ ننگے دیکھ کر گو میرا دل پھٹ جائے گا۔ مگر صبر کرو فرزانہ۔"

فرزانہ نے بڑی حسرت سے ہاتھوں کی طرف دیکھا جن میں چند چوڑیاں کھنک رہی تھیں اور پھر عذرا کا سہارا لیکر جنازہ کے قریب آکر چند لمحے بغیر پلک جھپکائے اپنے شوہر کو تکتی رہیں اور پھر آہستہ سے کانپتے ہوئے ہاتھ اٹھا کر کہنے لگیں۔ "لو عذرا آج سے پانچ سال قبل تم نے ہی یہ سہاگ کی چوڑیاں مجھے پہنائی تھیں مگر اب مجھے ان کی ضرورت نہیں۔ لو تم ہی ان کے ٹکڑے کر دو ــ جلدی کرو عذرا۔"

عذرا نے دھڑکتے دل اور کانپتے ہاتھوں سے ایک ایک کر کے سب چوڑیاں توڑ دیں اور فرزانہ نے پھر اسی سکون کے ساتھ بدر کی جانب دیکھ کر کہا۔ "میرے سرتاج پانچ سال قبل آپ نے جو چوڑیاں مجھے پہنائی تھیں آج میں نے انہیں آپ ہی پر نثار کر دیا ہے۔ مگر خدا کیلئے حورانِ بہشتی میں مل کر مجھ غم نصیب کو بھلا نہ دیجئے گا۔ آپ ہمیشہ کے لئے جا رہے ہیں مگر میں ابھی جیوں گی ــــ کیونکہ آپ کے جمال اور سلطانہ و نگار کو میری ضرورت ہے ــــ اچھا خدا حافظ میرے سرتاج ہمیشہ کیلئے خدا حافظ ــ!"

اور پھر انہوں نے آہستہ سے جھک کر بدر کمال کی زرد پیشانی چوم لی ــــ

عذرا نے انہیں سہارا دیکر اٹھایا اور پھر یہ سب اندر چلی گئیں اور سہائیوں میں سے جنازہ جاتے بڑے پرسکون انداز میں دیکھتی رہیں اور پھر ایک آہ سرد کے ساتھ اسی کمرہ میں چلی گئیں جہاں بدر کمال نے انہیں الوداع کہا تھا۔

لوگ قبرستان سے واپس آئے تو فرزانہ نے فخر کو بلایا۔ گو وہ بھاوج کا سامنا کرتے نہ جانے کیوں ڈر رہے تھے۔ مگر انہوں نے خود بلوایا تھا لہٰذا لڑکھڑاتے قدموں سے اندر آئے اور بھاوج کو ننگے ہاتھ اور سفید دوپٹہ اوڑھے دیکھ کر ان کی چیخ نکل گئی۔

"آہ! یہ کیا ہو گیا بھابی جان۔" فخر کی اس چیخ نے پھر ایک بار فرزانہ کو جھنجھوڑ کر رکھ دیا۔ اور وہ اپنے چہیتے دیور کو روتا دیکھ کر تڑپ اٹھیں اور فخر کو سینے سے لگا کر کہنے لگیں۔

"صبر کرو بھیا۔ میرے بھائی صبر کرو دیکھو میں نے بھی صبر کیا ہے گو میرا دل جل رہا ہے، میری روح سلگ رہی ہے میری آنکھیں کھٹک رہی ہیں مگر میں صبر کر رہی ہوں کیوں ..... کیونکہ مجھے تمہارے بھائی کے ان بچوں کیلئے زندہ رہنا ہے، جنہیں وہ مجھے سونپ گئے ہیں۔ تم بھی ان کے واسطے زندہ رہو ــــ میرا سہاگ لٹ گیا، میری مانگ اجڑ گئی مگر میں زندہ ہوں ــــ جاؤ باہر جا کر دیکھ بھال کرو۔ آج سے تم ہی بڑے ہو اس گھر کے۔"

وقت کے ساتھ ساتھ فرزانہ بھی پرسکون ہوتی جا رہی تھیں گو اب بھی اکثر وہ بے قرار ہو اٹھتی تھیں مگر پھر بھی کافی سکون تھا گم سم رہتی تھیں، فخر بھی

ہر ممکن دلجوئی میں لگے رہتے، عذرا بدستور اس کی شریکِ غم تھیں ۔ ثمینہ بیگم بھی دوسرے تیسرے دن آجاتیں۔ گو کئی بار عذرا بیگم نے جانیکا ارادہ کیا۔ مگر دل تو چاہتا ہی نہ تھا اور نہ فرزانہ ہی اجازت دیتی تھیں۔

فرزانہ کی بھاوج عذرا گو عمر میں نند سے چھوٹی تھیں، مگر رشتہ بڑا تھا۔ لیکن فرزانہ بیگم ہمیشہ ان کا نام ہی لیتی تھیں۔ وہ اپنے دونوں بچوں کو گھر پر چھوڑ آئی تھیں کیونکہ ان کا امتحان ہونے والا تھا۔ مسرور احمد کو اپنی بہن کی سوگوار اور اجڑی شکل دیکھ کر بہت صدمہ ہوتا تھا مگر کر ہی کیا سکتے تھے۔ بمشکل دس روز کی رخصت مل سکی تھی بیوی کو فرزانہ کے پاس چھوڑ کر وہ واپس بارہ بنکی چلے گئے۔ عذرا بیگم فرزانہ کا بیحد خیال رکھتیں ہر دم دلجوئی میں مصروف رہتیں۔ اور فرزانہ بظاہر بہلی رہتیں مگر دل کا غم گھن کی طرح انہیں چاٹے رہتا تھا۔ کسی کام سے دلچسپی نہیں تھی۔ آخر ایک دن عذرا بیگم کہنے لگیں۔

"بہنا فرزانہ برا نہ مانو تو ایک بات کہوں۔"

"کہو عذرا تم کیا کہنا چاہتی ہو۔" فرزانہ نے سرد آہ کے ساتھ کہا۔ "بھلا تمہاری بات کا برا مانوں گی، یہ بھی کوئی بات ہے۔"

"کیا تمہیں جمال، سلطانہ و نگار سے محبت نہیں ہے کیا وہ تمہارے مرحوم بدر کی نشانی نہیں ہیں" عذرا بیگم نے رنجیدہ لہجہ میں کہا۔ "آخر وہ تمہیں یاد بھی ہیں یا نہیں۔"

"کیوں انھیں کیا ہوا عذرا۔" فرزانہ بیگم تڑپ کر بولیں۔

"یہی ہوا کہ وہ یتیم ہیں مگر تم ان کا ذرا بھی خیال نہیں کرتیں۔ آخر وہ

تمہاری اولاد ہیں تمہارے شوہر کی امانت ہیں پھر یہ لاپرواہی کیوں۔ عذرا بیگم نے پھر ایک تیر چھوڑا۔

"آہ! عذرا میرا زخم نہ کریدو، نمک پاشی نہ کرو، میں بھلا ان تینوں کو کیسے بھول سکتی ہوں وہی تو میری زندگی ہیں، میرا سب کچھ ہیں ورنہ اب مجھے جینے کی آرزو نہیں۔" نرزانہ بیگم نے بے قراری سے کہا۔

"پھر تم ان کی طرف سے اتنی لاپرواہ کیوں ہوتی جا رہی ہو۔" عذرا بیگم نے ایک تیز نشتر اور لگایا۔ "اگر تم ان کو اپنے شوہر کی یادگار سمجھتی ہو تو انہیں سنوارنے کے واسطے اپنا غم بھلا دو، ان کی تعلیم تربیت میں لگو۔ ان کی دیکھ بھال کرو ان کیلئے جینے کی آرزو پیدا کرو۔ تم جانتی ہو کہ بدر بھائی کی جمال کے بارے میں کیا خواہش تھی۔ مگر تم نے لاپرواہی کی حد کر دی ہے۔"

"عذرا — آہ! عذرا خدا کیلئے خاموش ہو جاؤ میرا دل نہ دکھاؤ۔ آہ ان کی آخری خواہش، ان کے آخری الفاظ آج بھی میرے کانوں میں گونج رہے ہیں۔ میں ان کی آخری خواہش سب کچھ لٹا کر بھی پوری کروں گی۔ میں جمال کو ڈاکٹر بنا کر ہی رہوں گی، نگار اور سلطانہ کو اچھی سے اچھی تعلیم دلواؤں گی تاکہ بدر کی روح سکون پا سکے۔ آہ عذرا کہاں ہیں میرے بچے انہیں بلا"

عذرا بیگم کا تیر نشانے پر بیٹھا تھا۔ وہ لپک کر گئیں اور تینوں بچوں کو پکڑ لائیں۔ بچوں کو آج صبح سے انہوں نے گندہ ہی رکھ چھوڑا تھا، آیا کو ہدایت کر دی تھی کہ نہ وہ انہیں نہلائے نہ کپڑے بدلوائے۔ جمال تو خیر

ذرا سمجھدار تھا مگر لڑکیاں تو بہت ہی بچہ تھیں۔

فرزانہ انہیں اس حال میں دیکھ کر تڑپ اٹھیں۔ "اف خدا" فرزانہ نے بے قرار ہو کر کہا۔ "میں کتنی احمق ہوں۔ آہ میری لاپروائی نے آپا کو بھی کام چور بنا دیا۔۔۔ عذرا آپا کہاں ہے ۔۔۔ میں اسے ڈانٹوں گی کہ اس نے انہیں نہلایا کیوں نہیں۔"

"آپا کو ڈانٹنے سے کیا فائدہ یہ تو تمہاری غفلت کا نتیجہ ہے۔" عذرا نے جواب دیا۔

"ہاں سچ تو یہ ہے فرزانہ۔" ثمینہ بیگم نے کہا جو اب تک خاموشی بیٹھی تماشہ دیکھ رہی تھیں

"اچھا میری بہن۔" فرزانہ نے آہ سرد بھری، آج سے میں خود انکی دیکھ بھال کروں گی۔ آؤ چلو میں خود نہلاؤں جمال اور پھر وہ باری باری تینوں کو غسل خانے میں لیجا کر نہلانے اور تیار کرنے لگیں۔ عذرا اور ثمینہ بیگم خوش تھیں کہ ان کی تدبیر کارگر ہو گئی۔ اب فرزانہ کا معمول ہو گیا تھا کہ وہ اپنے ہاتھوں اپنے بچوں کو سنوارتیں۔ اور رفتہ رفتہ حالات معمول پر آنے لگے اکثر پاس پڑوس کی عورتیں آجاتیں اور گھڑی دو گھڑی بیٹھ کر چلی جاتیں۔ عدت ختم ہوئی تو مہر داحمد آئے اور بیوی کو مع بہن کے لے گئے مگر فرزانہ بیگم فخر کے باعث جانا نہیں چاہتی تھیں۔ مگر بھائی اور بھاوج کا کہا بھی نہیں ٹال سکتی تھیں۔ اور پھر ایک ماہ بھائی کے گھر رہ کر پھر واپس آ گئیں جہاں ان کا گھر تھا ان کے بچے تھے اور مرحوم شوہر کی یاد تھی۔ اور زندگی یونہی بچوں میں مصروف گذرنے لگی

(۲)

بدر کمال کے انتقال کو رفتہ رفتہ پانچ سال بیت گئے۔ فرزانہ کو شوہر کی یاد کو بھلا نہیں سکی تھیں مگر اب وہ شدت بھی نہیں رہی تھی۔ جمال مقامی کالج میں تعلیم پا رہا تھا۔ اور اس سال ایف۔ ایس۔ سی کا امتحان دینے والا تھا۔ نگار ہائی اسکول میں تھی، سلطانہ ابھی صرف چھ سال کی تھی اور وہ گھر پر ہی پڑھتی تھی اور فرزانہ کا دل بھی اس کی بدولت بہلا رہتا تھا۔ فخر کمال انجینئری کا کورس مکمل کرنے جرمن گئے ہوئے تھے۔ گو وہ جانا نہیں چاہتے تھے۔ مگر بھاوج کے اصرار پر راضی ہو گئے اور اب وہ خدا کے فضل سے کامیاب و بامراد واپس آرہے تھے۔

بچے چچا جان کی آمد پر پھولے نہیں سماتے تھے ہر طرف شادمانی ہی شادمانی نظر آرہی تھی۔ تینوں بچے اپنے ماموں مسرور احمد کے ساتھ بمبئی گئے تھے۔ چلتے وقت فرزانہ بہت اداس تھیں، گو بچوں کا اصرار تھا کہ آپ بھی

چلئے مگر وہ گھر بھی تنہا نہیں چھوڑ سکتی تھیں لہٰذا انہوں نے عذر کر دیا۔
ادھر فخر کو تین سال بعد اپنے وطن آنے اور سب سے ملنے کی خوشی بے چین کئے ہوئے تھی۔ جہاز کے لنگر انداز ہونے میں چوبیس گھنٹے باقی تھے اور وہ اسی تصور میں غرق خاموشی سے سر جھکائے بیٹھے تھے کہ انہیں کسی کی آواز نے چونکا دیا۔
"کل ہم کس وقت ساحل بمبئی پر پہنچیں گے فخر صاحب۔" نشاط سلیمان نے قریب آکر پوچھا جو ان کی ہمسفر تھیں اور انگلینڈ سے ڈاکٹری کر کے واپس ہندوستان جا رہی تھیں۔
فخر کمال جو انتہائی غرق تھے ایکدم چونک پڑے۔ "جی آپ نے مجھ سے کچھ فرمایا تھا کیا۔؟"
"اوہ! انجینئر صاحب کسی خاص خیال میں غرق تھے غالباً۔ میں خواہ مخواہ مخل ہوئی۔" نشاط بے ساختہ ہنس پڑی اور اس کے موتیوں جیسے سفید دانت چمکنے لگے۔ "کیا سوچ رہے تھے آپ ہمیں بھی بتلائیے۔!"
جرمن سے دونوں ساتھ تھے اور ہموطن ہونے کی وجہ سے کافی حد تک بے تکلف بھی ہو گئے تھے۔ نشاط ڈاکٹر سلیمان کی چھوٹی اور چہیتی بیٹی تھی، باپ کی طرح اسے بھی خدمت خلق کا جذبہ عطا ہوا تھا اور ڈاکٹری سے عشق تھا لہٰذا اپنے شوق کی تکمیل کیلئے وہ انگلینڈ گئی تھی اور پانچ سال کے بعد واپسی پر اتفاق سے اس کی ملاقات فخر سے ہو گئی۔ دونوں نے ایک دوسرے کو دل سے پسند کیا تھا۔ مگر اس کا اظہار کبھی نہیں

ہونے دیا۔ ڈیڑھ ماہ کے ساتھ نے بے تکلفی بڑھا دی تھی اور اسی باعث اس وقت نشاط کی شوخی عود کر آئی تھی۔

"کچھ بھی نہیں ڈاکٹر صاحبہ۔" فخر کمال نے اس کی جانب دیکھ کر مسکراتے ہوئے کہا۔ "میں سوچ رہا تھا کہ آپ سے ملاقات کی زندگی کتنی مختصر ہے۔ اب ہمارا ساتھ کل چھوٹ جائیگا۔ کیونکہ جہاز ٹھیک ڈھائی بجے بمبئی بندرگاہ پر لنگر انداز ہو جائے گا اور پھر ہم انشاء اللہ اپنے پیارے ملک کی سر زمین پر ہوں گے۔ اس ماحول کو، اس فضا کو دیکھ سکیں گے جو ہمارا اپنا ہے اور اب تین سال کا طویل عرصہ اور چوبیس گھنٹے برابر لگ رہے ہیں۔"

"مگر اس میں اس قدر سوچ کی کیا ضرورت ہے۔" نشاط نے قریب پڑی ہوئی تپائی پر بیٹھ کر کہا۔

"مگر میں اداس بھی ہوں نشاط۔" فخر نے کہا۔

"کیا میں پوچھ سکتی ہوں فخر صاحب کہ آپ وطن جاتے ہوئے بجائے خوش ہونے کے اداس کیوں ہیں۔؟" نہ جانے آج نشاط کو فخر کیوں بڑے جذباتی نظر آ رہے تھے۔ اور اس نے بھی سوال کر ہی لیا۔

فخر نے اپنے آپ کو سنبھال کر اور مسکراتے ہوئے کہا۔ "معاف کیجئے گا نشاط صاحبہ! آج نہ جانے کیوں یہ گستاخی ہو گئی کہ بجائے نشاط صاحبہ کے صرف نشاط ہی کہہ گذرا۔ آپ کو ناگوار تو نہیں ۔۔۔!"

"فخر صاحب یہ نہ بھولیے کہ ہم آپس میں مخلص اور بے تکلف دوست ہیں اور انتہائی پر خلوص ساتھی بھی۔ آپ شوق سے میرا نام لے

سکتے ہیں۔" نشاط نے مسکرا کر فخر کی جانب دیکھتے ہوئے کہا۔
"شکریہ۔" فخر نے اظہار ممنونیت کیا۔
"مگر آپ نے یہ تو بتایا ہی نہیں کہ اداسی کا باعث کیا ہے۔۔۔
اگر آپ مجھے اس قابل سمجھتے ہیں اور مضائقہ نہ ہو تو فرما دیجئے کہ کیا باعث ہے۔" نشاط نے پھر اصرار کیا۔
"نشاط مجھے بڑی خوشی ہے کہ آپ نے میری دوستی کو شرفِ قبولیت عطا فرمایا۔ مجھے آپ اور آپ کی دوستی پر فخر ہے، ناز ہے، مسرت ہے۔ میں یہ سفر بڑا مبارک تصور کر رہا ہوں، اور خوشی محسوس کر رہا ہوں کہ آپ سے ملاقات ہوگئی۔ اداسی کی کوئی خاص وجہ نہیں۔" فخر نے افسردگی سے کہا "صرف یہ خیال ستا رہا ہے کہ کاش آج بھائی صاحب بھی حیات ہوتے جو مجھے کامیاب و بامراد دیکھ کر خوشی سے پھولے نہ سماتے، مگر افسوس کہ وہ ہم سے ہمیشہ کے لئے جدا ہو گئے ہیں۔ اب صرف ان کے تین بچے اور بھابی جان ہیں۔ نہ جانے بمبئی کوئی آ بھی سکا ہو گا یا نہیں۔ بھائی اور بھابی دونوں کو مجھ سے جو محبت ہے بتا نہیں سکتا۔ مگر افسوس میرے جرمن جانے سے دو سال قبل ان کا انتقال ہو گیا تھا۔ گو میں جرمن جانا نہیں چاہتا تھا مگر بھابی کے اصرار نے مجبور کر دیا وہ بھی مجھ سے بے پناہ محبت کرتی ہیں۔ میں آج تک بھی یہ محسوس نہیں کر سکا کہ میری ماں یا بہن نہیں ہے ـــــ انہوں نے ماں کی مامتا اور بہن کا پیار دیا مجھے۔ سب کچھ بھلا دیا مگر بھائی صاحب کے انتقال کے بعد سے وہ بھی بہت سوگوار رہنے لگی ہیں، اور ہمارا تو وہ قصہ

ہے۔ ع

وہ شاخ ہی نہ رہی جس پہ آشیانہ تھا۔

گو بھابی اب بھی اسی طرح لاڈو پیار کرتی ہیں۔ اسی طرح چاہتی ہیں۔ مگر بھائی کی موت نے میری زندگی کا ہر کیف لوٹ لیا ہے۔ شاید جمال میاں اور نگار آئی ہوں۔ میں آپ کو ضرور ملاؤں گا۔ آپ ان سے ملکر یقیناً خوش ہوں گی۔"

نشاط نے متاثر ہو کر کہا۔" فخر صاحب دنیا اسی کا نام ہے۔ ایسے دلگداز واقعات روزانہ ہی رونما ہوتے رہتے ہیں۔ آپ مرد ہیں۔ قابل ہیں، انجینئر بن چکے ہیں اور مجھے بحیثیت ہموطن، ہمسفر اور دوست ہونے کے آپ سے دلی ہمدردی ہے اور میں اظہار کرتی ہوں۔ یہ دنیا فانی ہے یہاں کسی کو بقاء نہیں خدا آپ کے عزائم بلند سے بلند تر کرے اور کامیابی آپ کے قدم چومے، اور پھر قابلِ احترام ہستی آپ کی بھابی موجود ہیں۔ ان کو دیکھ کر صبر پیدا کیجئے۔ وہ ایک عورت ہو کر سب کچھ لٹ جانے پر بھی زندہ ہیں۔ اگر آپ سوگوار شکل لے کر ان کے پاس گئے تو ان کا دل کیا کہے گا اور آپ کے ننھے منے بھتیجی بھتیجا ضرور آئے ہوں گے۔"

فخر مسکرا کر کہنے لگے۔" اوہ آپ تو اچھی خاصی تقریر کر لیتی ہیں، پھر آپ نے بجائے ڈاکٹری کے بیرسٹری کیوں پسند نہیں کی۔!"

" رجحان اور دلچسپی ہے اپنی اپنی فخر صاحب، میں نے کوئی بات غلط تو نہیں کی سب حقیقت بیان کر دی ہے۔" نشاط نے مسکرا کر کہا۔

فخر بھی مسکرانے لگے۔" یہ سب ٹھیک ہی تھا نشاط صاحبہ میں جانتا ہوں

کہ میری ماں سے زیادہ چاہنے والی بھابی فرزانہ میرے انتظار میں چشم براہ ہوں گی، جمال وغیرہ بھی ضرور آئے ہوں گے مگر یہ خیال بھی ستائے بغیر نہ رہ سکا کہ کاش آج بھائی صاحب بھی بقیدِ حیات ہوتے تاکہ مجھے بمبئی لینے آتے، میری کامیابی پر خوش ہوتے۔ مگر اب تو بچوں کے علاوہ اور نہ جانے کون آیا ہوگا۔ خدا ہی بہتر جانے۔ مگر نشاط صاحبہ میں آپ کی مختصر سی تقریر سے کافی متاثر ہوا ہوں۔"

نشاط مسکرا پڑی۔ "انجینئر صاحب یہ تو آپ کی ذرہ نوازی ہے۔ یا میرے بارے میں حد سے بڑھا ہوا حسنِ ظن ورنہ حقیقت تو یہ ہے کہ میں کسی قابل نہیں۔۔!"

فخر نے مسکرا کر اس کی جانب دیکھتے ہوئے کہا۔ "یہ قابلیت کی بھی ایک ہی رہی۔ ڈاکٹر صاحبہ اتنی عظیم ڈگری لیکر آ رہی ہیں۔ اتنا بلند جذبہ آپ کے دل میں موجزن ہے اور پھر فرماتی ہیں کہ میں کسی قابل نہیں۔۔ یہ آپ کی انتہائی سادگی اور خاکساری ہے نشاط صاحبہ۔!"

"اچھا بس۔۔ اب اس بنانے کو رہنے بھی دیجئے ابھی ہمیں سامان بھی درست کرنا ہے۔ کافی وقت گزر چکا انشاء اللہ کل ملاقات ہوگی۔۔ خدا حافظ۔۔" نشاط نے کہا اور اٹھ کر کھڑی ہو گئی۔ فخر بھی احتراماً اٹھ کھڑے ہوئے اور ہاتھ ملا کر انہوں نے بھی بڑی خندہ پیشانی سے خدا حافظ کہہ دیا۔

نشاط اپنے کمرے میں آ کر بکھرا ہوا سامان سمیٹ کر بکس میں بند کرنے لگی جہاز ہچکولے کھاتا منزلِ مقصود کی جانب بڑھ رہا تھا۔ اور نہ جانے

کیوں وہ آپ ہی آپ گنگنانے لگی ؎

جاتے ہیں خدا حافظ پر اتنی گذارش ہے
جب یاد میری آئے ملنے کی دعا کرنا

سب کاموں سے فراغت پاکر گیارہ بجے وہ پلنگ پر لیٹ گئی۔ آج نہ جانے کیوں وہ بے حد خوش تھی۔ جس مقصد کو لیکر وہ انگلستان، اپنا عزیز وطن چھوڑ کر گئی تھی۔ آج وہ اس مقصد کو پورا کر کے بامراد واپس آرہی تھی۔ وہ سوچ رہی تھی کہ بندرگاہ پر ابّا میاں، امی جان، شبانہ باجی۔ سب ہی آئے ہوں گے اور پھر اسے اپنی ماموں زاد بہن اور عزیز سہیلی غزالہ کا خیال آگیا جس کے متعلق سنا تھا کہ وہ سخت علیل ہے۔ نہ جانے وہ اچھی ہو سکی ہو گی یا نہیں ...... اور پھر اس کے خیالات بھٹک کر فخر کے مجسمے سے جا ٹکرائے "فخر" اس نے زیر لب کہا اور نہ جانے کیوں خود ہی خود مسکرا پڑی ـــــ کتنے بلند کردار کے انسان ہیں۔ لیکن بیچارے بھائی کی موت سے کتنے اداس ہیں ـــ بڑی ٹریجڈی ہے اس نوعمر انجینئر کی زندگی میں۔ ماں باپ نہیں، چاہنے والا بھائی بھی جدا ہو گیا۔ مگر چاہنے والی بھاوج تو ہیں۔ کیا نام بتایا تھا ان کا (وہ ذہن پر زور دیکر سوچنے لگی) ہاں ـــ فرزانہ ـــ ... ٹھیک، فرزانہ ... کتنی عظیم عورت ہے وہ جس نے اپنے شوہر کے بھائی کو اس محبت سے پروان چڑھایا کہ وہ ماں کو بھول گیا ہے ـــ مگر مجھ سے کتنی جلدی بے تکلف ہو گئے جیسے برسوں سے جانتے ہوں، آج انہوں نے کتنی بے ساختگی سے کہہ دیا تھا "نشاط" اور انکی یہ سادگی

کتنی اچھی لگی۔ مگر ہونہہ ۔۔۔ میں یہ سب کیوں سوچ رہی ہوں آخر، ایک غیر نوجوان کے بارے میں سوچنے کا مجھے حق ہی کیا ہے ۔۔۔۔ مگر ۔۔۔۔ ہیں بڑے شائستہ اور مہذب انسان ۔ کیسی دل میں اتر جانے والی باتیں کرتے ہیں ۔ دل چاہتا ہے کہ ہر دم بیٹھی بس ان کی باتیں سنا کروں ۔ مگر کیا خبر ان کی منزل کہاں ہے ۔ کیا پتہ وہ کسے چاہتے ہوں ۔ مجھے ان کا اس شدت سے تصور نہیں کرنا چاہیئے ۔ ہم دونوں کا مقصد جدا ہے، پیشہ جدا ہے، راہیں جدا ہیں، ہم دونوں مخلص دوست ضرور ہیں مگر جہاز کا سفر ختم ہوا تو دوستی بھی ختم ہو جائیگی ۔ شاید جہاز تک ہی ہمارا ساتھ محدود ہے ۔ کون جانے آئندہ وہ بھول جائیں (سر جھٹک کر) آخر مجھے کیا ہو گیا ہے ۔ میں یہ سب کیوں سوچ رہی ہوں ۔ مجھے کیا وہ یاد رکھیں یا بھول جائیں ـــ میرا مقصد بلند ہے میں اپنی بجیہ کے پاس علی گڈھ چلی جاؤں گی وہیں اپنا ہسپتال کھولوں گی ۔۔۔۔ مگر ۔۔۔ پھر ۔۔۔ فخر اوہ! ۔۔۔ فخر کا خیال کیوں بار بار ذہن سے ٹکراتا ہے ۔ وہ کہاں اور میں کہاں ۔ اور پھر آخر اسی ادھیڑ بن میں نہ جانے کب اسے نیند کی دیوی نے آ دبایا ۔ آنکھ کھلی تو سورج چڑھ آیا تھا ۔ وہ بہت شرمندہ سی ہوئی ۔ جلدی سے اٹھی اور ضروریات سے فارغ ہو کر باہر نکل آئی ۔ سامنے ڈک پر فخر کو چہل قدمی کرتا دیکھ کر وہ آپ ہی آپ مسکرا دی ۔ اور ان کے قریب پہنچ کر کہنے لگی ۔

"صبح بخیر فخر صاحب ۔ !"

"صبح بخیر ۔" فخر نے ہاتھ ملاتے ہوئے جواب دیا اور پوچھا "مگر

آج آپ بڑی دیر سے بیدار ہوئیں۔"

"جی ہاں! رات دیر سے سوئی اسی باعث صبح آنکھ نہ کھل سکی۔"
نشاط نے شرمندگی سے کہا۔

"کیا دیر سے سونے کا سبب معلوم کرسکتا ہوں۔؟" فخر نے قدرے
بے چینی سے کہا۔

"کوئی خاص بات نہیں۔" نشاط بولی۔ "سامان بند کرنے میں ذرا
دیر ہوگئی اور پھر گھر جانے کی مسرت کے باعث بھی نیند نہ آسکی۔"

"اچھا۔ آیئے ناشتہ کرلیں۔" فخر نے دعوت دی۔

"کیا آپ نے ابھی تک ناشتہ نہیں کیا، فخر صاحب۔" نشاط نے
چلتے ہوئے پوچھا۔

"نہیں! آج میں نے سوچا کہ ہم اکھٹے ہی ناشتہ کریں گے۔ اور
پھر اکھٹے ہی کھانا کھائیں گے۔ آج آخری دن بھی ہے۔" فخر نے قدرے
اداسی سے کہا۔

"اچھا آیئے۔!" نشاط نے نہ جانے کیا سوچ کر اس کی دعوت
قبول کرلی اور پھر دونوں چلتے ہوئے کھانے کے کمرے میں ایک میز کے
گرد جا بیٹھے۔ بیرے کو ناشتہ کا آرڈر دیکر فخر نے پھر کہا۔ "ہاں اب
بتایئے کہ آپ ٹھیک تو ہیں۔"

"جی ہاں بالکل ٹھیک ۔ مگر آپ کو شک کیوں ہے۔" نشاط
نے مسکراتی ہوئی آنکھیں اس کے چہرے پر مرکوز کرتے ہوئے سوال کیا۔

"آپ کے گھر سے کون کون آیا ہوگا بھئی!" فخر نے بات پلٹتے ہوئے کہا۔

"امّی، ابا جان، باجی اور کمال بھائی۔" نشاط نے فہرست گنائی۔

"ڈاکٹر سلیمان صاحب سے میں خوب متعارف ہوں نشاط صاحبہ" فخر بولے۔

"اچھا، یہ تو بڑی اچھی خبر سنائی آپ نے وہ آج بھی آپ سے مل کر بہت خوش ہوں گے۔!" نشاط نے چائے کی پیالی بڑھاتے ہوئے جواب دیا۔

"یہ کمال صاحب کون ہیں!" فخر نے دل کی الجھن ظاہر کر دی۔

"جی یہ میرے ماموں زاد بھائی ہونے کے علاوہ میری شہانہ باجی کے شوہر بھی ہیں، یہ شادی میرے انگلستان جانے سے ایک ماہ قبل ہوئی تھی۔ اب تو ایک منّی سی بچی بھی ہے ثریا۔" نشاط نے جواب دیا۔

"اچھا۔ بڑی خوشی کی بات ہے۔" فخر نے پرسکون لہجہ میں جواب دیا۔

"میں ان سب سے آپ کو ضرور ملاؤں گی۔" نشاط کیک کا ٹکڑا منہ میں رکھتے ہوئے بولی۔

"ضرور ضرور میں خود مل کر بہت خوشی محسوس کروں گا۔" فخر نے چائے کی چسکی لیتے ہوئے کہا۔

"شکر ٹھیک ہے فخر صاحب۔" نشاط نے پوچھا۔

"جی ہاں! بھلا آپ کی ڈالی ہوئی شکر کم کیونکر ہو سکتی ہے۔" فخر نے مسکرا کر کہا۔

"شکریہ۔!" نشاط شرما گئی تھی۔

خدا خدا کر کے جہاز بمبئی کی بندرگاہ پر لنگر انداز ہوا ادھر نشاط اور فخر کے لینے والے بے چینی سے جہاز کو آتا دیکھ رہے تھے۔ اور بھی بہت سے لوگ اپنے عزیزوں کو لینے آئے ہوئے تھے۔ نشاط کی بڑی بہن شبہانہ بار بار سر اٹھا کر دیکھ لیتی تھی اور پھر کمال احمد سے باتیں کرنے لگتی۔ جہاز کی آخری سیٹی نے سب کو چوکنا کر دیا۔ سب لوگ بڑے اشتیاق سے بڑھے۔ نشاط تیزی سے سیڑھی پر اتری اور پھر دوڑ کر ماں سے لپٹ گئی۔ سلیمان صاحب مسرت بھری نظروں سے یہ منظر دیکھ رہے تھے۔ ان کی آنکھوں میں بھی خوشی کے آنسو چھلک آئے تھے — رضیہ بیگم نے بیٹی کو خوب پیار کیا اور پھر وہ باپ کے سینے سے جا لگی اور پھر شبہانہ باجی کے گلے جا لگی۔ "بجیہ! اللہ آپ تو کتنی دبلی ہو گئیں۔" ادھر ادھر دیکھ کر۔ "اور غزالہ و ثریا کہاں ہیں۔؟"

"بھئی غزالہ بیمار ہے اور اس نے ثریا کو بھی روک لیا ہے۔"

اور اب کمال احمد ضبط نہ کر سکے۔ "بھئی ہم سوتیلوں سے بھی تو مل لو، ورنہ سب سگوں سے تو ملاقات ہو چکی۔ ڈاکٹر نشاط صاحبہ!"

نشاط اچھل پڑی۔ "ارے کمال بھائی میں پوچھنے ہی والی تھی آپکو اور آپ بھی تو چھپ کر کھڑے ہو گئے تھے۔ اور پھر اس نے بڑھ کر کمال احمد

سے بڑھ کر ہاتھ ملایا اور وہ پھر غزالہ کی بابت پوچھنے لگی۔ سب سے ملنے کے بعد جو پلٹی تو کچھ ہی دور پر فخر کو کھڑے پایا جو شاید اسی کے انتظار میں تھے۔ دو لڑکیاں ان کے دائیں بائیں تھیں اور ایک سترہ اٹھارہ سال لڑکا قریب کھڑا ان سے باتیں کر رہا تھا۔ نشاط نے بہن سے کہا۔ "آیئے آپ کو فخر صاحب سے ملاؤں جو تمام راستہ میرے ہمسفر اور دوست رہے ہیں۔ آپ بھی آیئے کمال بھائی آپ کا تعارف بھی کراؤں۔ غالباً وہ میرے ہی انتظار میں کھڑے ہیں، بہت اچھے اور شائستہ آدمی ہیں۔ آپ لوگ مل کر ضرور خوش ہوں گے۔" سلیمان صاحب مسرور احمد سے باتیں کرنے لگے جن سے ابھی ابھی اتفاقیہ ملاقات ہو گئی تھی — کبھی وہ دونوں کلاس فیلو رہ چکے تھے اور پھر نشاط بہن و بہنوئی کو لیکر فخر کے پاس جا پہنچی۔

"معاف کیجئے فخر صاحب یہاں آکر کچھ ہوش ہی نہیں رہا۔" نشاط نے مسکرا کر معافی مانگتے ہوئے کہا۔

"کوئی بات نہیں، میں منتظر ہی تھا۔" فخر نے جواب دیا۔

"مجھے افسوس ہے۔" نشاط نے اظہارِ افسوس کیا۔

"نہیں نہیں، بس یہ تینوں آپ سے ملنا چاہتے تھے۔" فخر نے کہا۔ نشاط نے باری باری تینوں بچوں سے ہاتھ ملایا اور جمال سے باتیں کرنے لگی — فخر یہ تماشہ دیکھ کر خوش ہوتے رہے اور

آخر پھر انہیں بولنا ہی پڑا۔ "نشاط صاحبہ ان صاحبان سے میرا تعارف تو کرانا نہ بھولئے۔" فخر نے شہانہ کی جانب اشارہ کرتے ہوئے یاد دہانی کرائی۔

"ارے! معاف کیجئے جناب ــ آپ سے ملئے۔ یہ میرے بہنوئی کمال احمد صاحب ہیں جن کے قبضۂ قدرت میں میری پیاری بجیہ ہیں ــ اور یہ میری بڑی بہن اور پیاری بجیہ شہانہ کمال ہیں جو کمال بھائی کے قبضہ میں بہت خوش ہیں۔" نشاط کو شرارت سوجھی اور وہ مسکرانے لگی۔

فخر اور جمال نے باری باری کمال احمد سے ہاتھ ملایا۔ نگار اور سلطانہ نے بھی مصافحہ کیا اور فخر کہنے لگے۔ "بڑی خوشی ہوئی آپ سے مل کر۔"

"ہمیں بھی مسرت ہوئی فخر صاحب آپ کا نیاز حاصل کر کے۔" کمال نے شرارت سے نشاط کی جانب دیکھتے ہوئے کہا۔

"آیئے۔ امی اور ابا میاں سے بھی ملاؤں۔" نشاط نے کمال کے انداز پر جھینپ کر کہا۔

اور پھر یہ سب لوگ وہاں جا پہنچے جہاں مسرور احمد ان سے باتیں کر رہے تھے۔ فخر کمال کی ملاقات سے ڈاکٹر سلیمان بہت خوش ہوئے۔

تین چار دن خوب گھوم پھر کر یہ قافلہ لکھنؤ کی جانب روانہ ہو گیا

سلیمان صاحب بارہ بنکی جا رہے تھے۔

فخر کمال نشاط کا حسین تصور لئے گھر پہنچے۔ بھاوج نے دعائیں دیکر گلے لگا لیا اور پھر ہفتہ بھر تک ملنے والوں کا تانتا بندھا رہا۔ اپنے پرائے سب ہی آ رہے تھے۔ اس ہفتہ میں فخر کو سر اٹھانے کی فرصت نہیں ملی اور پھر رفتہ رفتہ حالات معمول پر آنے لگے۔ فرزانہ خوش تھیں کہ انہوں نے اپنا فرض بہ حسن و خوبی ادا کر دیا، ان کے عزیز مرحوم شوہر کا بھائی آج ایک کامیاب انسان بن کر آگیا ہے اور فخر بھی مسرور تھے۔ فرزانہ بیگم نے نگار سے نشاط کا ذکر سنا تھا اور نگار نے بھی خوب ہی تعریف کی تو اب وہ اس فکر میں رہنے لگیں کہ فخر کی شادی کے فرض سے بھی سبکدوش ہو جائیں۔ مگر فخر نے یہ کہہ دیا کہ وہ چھ سات ماہ جب تک تنخواہ حاصل نہ کر لے اس وقت تک اس کا تذکرہ عبث ہے۔ فرزانہ بھی خاموش ہو گئیں اور فخر اپنی ملازمت پر آگرے چلے گئے۔ جہاں انہیں پہنچکر فوراً چارج لینا تھا۔

---
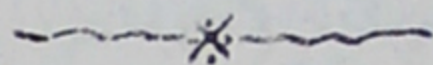
(۳)

انگلینڈ سے بارہ بنکی آتے نشاط کو ایک ماہ ہو رہا تھا۔ آجکل اس کی عزیز دوست غزالہ جو اب صحت یاب ہو چکی تھی، آئی ہوئی تھی۔ دونوں ہر دم بیٹھی باتیں کرتی رہتیں۔ مگر نشاط نے غزالہ سے ابھی تک فخر کا کوئی ذکر نہیں کیا تھا۔ نہ جانے کیوں وہ جان بوجھ کر اس قصہ کو پی گئی تھی۔ حالانکہ اسے فخر ہر دم تصور میں مسکراتے نظر آیا کرتے تھے۔ غزالہ نشاط کی ماموں زاد بہن اور شہانہ کی نند تھی۔ اس کے والدین کا عرصہ ہوا انتقال ہو چکا تھا۔ بس یہ کمال احمد اور غزالہ ان کی دو ہی اولادیں تھیں جن کو رضیہ بیگم نے بھائی کی یادگار سمجھ کر بڑی جانفشانی سے پروان چڑھایا تھا، کمال احمد پھوپی اور پھوپا کے زیر سایہ پروان چڑھ کر ایک کامیاب وکیل بن گئے تھے اور پھر انہیں شہانہ سے بڑی محبت تھی اور جب وہ ہر طرح ایک

کامیاب انسان بن گئے تو انعام میں رضیہ بیگم نے انہیں اپنی نور نظر شہانہ عطا فرما دی۔ اور کمال احمد قدرت کی اس فیاضی پر پھولے نہ سمائے۔ جب سے ان کی شادی ہوئی تھی وہ مع بیوی اور بہن کے علی گڑھ میں رہنے لگے جہاں ان کا موروثی مکان تھا، مگر جب سے نشاط واپس آئی تھی غزالہ سب کچھ بھول کر بس اسی کی ہو رہی۔

نشاط اور غزالہ اول تو ہم عمر تھیں اور پھر بچپن سے ساتھ رہیں ساتھ پلیں، ساتھ بڑھیں۔ لہٰذا وہ ایک جان دو قالب تھیں۔ غزالہ کو بغیر نشاط کے چین نہیں ملتا تھا اور نشاط کو بغیر غزالہ کے قرار نہیں آتا تھا۔ وہ دو ایسی سہیلیاں تھیں جو جدا ہونا جانتی ہی نہیں تھیں۔ لیکن اب جدائی ہوئی تو پانچ سال بیت گئے۔ پانچ سال کی باتیں ایک دوسرے کو سنانی تھیں پھر بھلا وہ اس قدر جلد کیونکر جدا ہو سکتی تھیں۔ اکثر رضیہ بیگم اکتا کر کہہ اٹھتیں۔

"توبہ ہے لڑکیو! آخر کب تک باتیں کرو گی کتنی باتیں ہیں جو ختم ہی ہونے میں نہیں آتیں۔ اب سو جاؤ بس کافی رات ہو چکی۔"

مگر یہاں کسی کے کان پر جوں تک نہ رینگتی۔ ایک دن غزالہ کہنے لگی

"اے ہے نشاط تیرا دل غیر ملک اور غیر انسانوں میں اتنے دن کیسے لگا ہو گا۔ خدا کی پناہ پانچ سال۔ تیری جگہ اگر میں ہوتی تو دیوانی ہو جاتی۔ میں اکثر سوچا کرتی تھی کہ نہ جانے تم کب تک آؤ گی۔"

"میری پگلی غزالہ" نشاط نے مسکرا کر کہا۔ "تعلیم کی تکمیل کے لئے جہاں بھی رہنا ہو وہیں رہنا پڑتا ہے، گو میرا دل وہاں ایک منٹ کو بھی نہیں لگتا تھا، سب یاد آتے تھے اور سب سے زیادہ تجھ ہی پگلی کی یاد ستاتی تھی۔ مگر پھر میں اپنے بلند مقصد کو سامنے رکھ کر کتابوں میں گم ہو کر سب کچھ فراموش کر دیا کرتی تھی اور پھر فرصت بھی کم ہی ملتی تھی۔ شکر ہے کہ زمانہ جلد بیت گیا۔"

"سچ تم مجھے بھی سب سے زیادہ یاد آتی تھیں نشاط ــ!"

غزالہ کی آنکھوں میں آنسو چھلک آئے۔

اور نشاط اس کی محبت سے متاثر ہو کر اس کا سر تھپتھپا کر کہنے لگی ــ "پگلی! تو اب اس میں رونے کی کیا بات ہے۔ میں تو زندہ سلامت اپنے مقصد میں بامراد واپس آئی ہوں کیا تمہیں میری کامیابی پر مسرت نہیں؟ کیا تم میرے بلند ارادوں کی قدرداں نہیں؟ پھر یہ آنسو کیسے ــ یہ رونا کیوں میری بہنو!"

"نشاط تم بہت سنگدل ہو، سچ کہتی ہوں تمہارے بغیر ایک ــ ایک منٹ مجھے پہاڑ لگتا تھا، تمہاری جدائی مجھے بڑی گراں تھی میں بہت اداس رہنے لگی تھی۔ تمہاری یاد اکثر مجھے بے قرار رکھتی تھی۔ شہانہ بھابی اگر میری اسقدر دلجوئی نہ کرتیں تو میں دیوانی ہو جاتی اور پھر اب ننھی ثریا نے مجھے بہلائے رکھا تھا۔" غزالہ نے افسردگی سے کہا۔ "مگر پھر بھی میں اکثر ان سب سے اکتا کر چمن میں

چلی جاتی اور گھنٹوں تمہارے تصور سے باتیں کیا کرتی۔ یا اکثر یہ شعر پڑھ کر دل کو فریب دیا کرتی تھی۔ سنو کتنا حسبِ حال ہے ؎

یوں تو سب کچھ ہے مگر ایک نہ ہونے سے تیرے
کتنا ویران نظر آتا ہے گلشن اپنا۔"

نشاط نے غزالہ کی اس محبت بھری بات سے بے خود ہو کر اس کی نازک سی گردن میں اپنی مرمریں باہیں حمائل کر دیں "پگلی نشاط سے اتنا پیار نہ کر اگر وہ پھر جدا ہو گئی تو کیا ہو گا۔؟"

غزالہ نے گردن چھڑاتے ہوئے بڑے درد سے کہا۔

"ایسا نہ کہو نشاط! میں اب تم کو ہرگز بھی جدا نہ ہونے دونگی سچ میں تمہیں دیکھ کر جیتی ہوں خدا نہ کرے جو اب ہم کبھی بھی جدا ہوں۔"

"ہاں غزالہ خدا کرے کہ ہم ہمیشہ ساتھ رہ سکیں۔ اچھا ہاں ان کا حال تو سناؤ اپنے اختر صاحب کا، میں تو بھول ہی گئی تھی۔" نشاط نے مسکرا کر کہا۔

اختر کے نام پر غزالہ بے چین ہو گئی، مگر پھر اپنے آپ کو سنبھال کر کہنے لگی "میں کیا جانوں نشاط، کالج چھوٹا تو پڑھنا لکھنا اور سارے ساتھی چھوٹ گئے۔ تم انگلینڈ چلی گئیں تو میں ہنسنا ہنسانا سب بھول گئی اور پھر مجھے نہ اختر یاد رہے نہ وختر۔!"

نشاط بے اختیار ہنس پڑی۔ "یہ وختر کیا تک تھی میری بنّو اختر کے ساتھ۔!"

"رہنے بھی دو نشاط اب اس زخم کو نہ کریدو جو ناسور بن چکا ہے۔" غزالہ نے انتہائی کرب سے کہا۔

"کیوں؟ کیا اس بے مروت کی یاد زیادہ ستاتی ہے میری جان کو؟" نشاط نے شرارت سے کہا۔

"نشاط خدا کے لئے۔ کیوں نمک پاشی کرتی ہو اس زخم پر جو میرے دل پر لگا ہے ..... آہ میں سب کچھ بھول جانا چاہتی ہوں نشاط اور پھر ایسے بے وفا کو یاد کرنے سے فائدہ بھی کیا۔" غزالہ نے درد بھرے لہجہ میں کہا۔

نشاط نے محسوس کیا غزالہ اس حادثہ سے بہت متاثر ہے تو اس نے بات کا رخ پلٹتے ہوئے کہا۔ "تم نے اپنی تعلیم کو کیوں خیرباد کہہ دیا غزالہ، کم از کم ایم۔ اے تو کر ہی لیا ہوتا۔"

"بہت پڑھ ڈالا نشاط ۔۔۔ اب کتابوں میں دل لگتا ہی نہیں گو بھیّا اور بھابی نے بہت کوشش کی مگر میں نے ہی گول کر دیا۔" غزالہ بولی۔

"آخر کیوں ۔۔؟" نشاط نے کہا۔

"بس، اب تو یہ دل میں ٹھانی ہے کہ تم ہسپتال کھول لو تو ہم بطور نرس خدمت انجام دیں اور تمہاری غلامی میں باقی ماندہ عمر گذار دیں۔" غزالہ نے پھیکی مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔

"کیوں خیر تو ہے۔ اور اس اختر کا کیا بنے گا جو تمہارا دیوانہ تھا" نشاط نے پھر زخم کریدا۔

"نشاط تم بار بار اسی پہلو کو کریدتی ہو جس سے میں گریز کر رہی ہوں۔ تم بار بار اسی ماضی کو یاد دلاتی ہو جس کو میں سطحِ ذہن سے حرفِ غلط کی طرح مٹا دینا چاہتی ہوں۔ تم اس موضوع پر بات لے آتی ہو جس سے میں کتراتی ہوں۔ مگر پھر سوچتی ہوں کہ تمہارے علاوہ میرا ہمدرد و غمگسار اور کون ہے۔ اگر تم سے بھی یہ داستانِ غم پوشیدہ رکھوں تو پھر کسے سناؤں۔ میں نے تین سال سلگ سلگ کر گزارے ہیں نشاط۔ اختر نے میرا دل توڑ دیا۔ میرے ارمان مٹا دیئے اب اس دل میں مزید چرکے کھانے کی سکت نہیں رہی۔" غزالہ بیقرار ہوگئی اور پھر رونے لگی۔

"تم بھی اسے بھلا دو غزالہ، یہی اس کی سزا ہے۔ جسنے تمہیں بھلا دیا۔" نشاط نے مشورہ دیا۔

"کاش میں بھی بھول سکتی۔ کاش میں اس کا تصور اپنے سطحِ ذہن سے نوچ کر پھینک سکتی۔ مگر ؎

عشق پر زور نہیں، ہے یہ وہ آتش غالبؔ
کہ لگائے نہ لگے اور بجھائے نہ بنے

نشاط پیاری! میں اسے بھول جانا چاہتی ہوں۔ مگر نہیں بھول پاتی۔ میں اس کی یاد کا ہر نقشِ حسیں مٹا دینا چاہتی ہوں مگر نہیں مٹتا۔

اس کی یاد اس کا تصور ایک لمحہ کے لئے بھی میرا ساتھ نہیں چھوڑتا۔ میں کیا کروں، تم ہی بتاؤ نشاط۔" غزالہ نے آنسو خشک کرتے ہوئے بے بسی سے کہا۔

"آخر وہ کب سے تمہیں بھول بیٹھے۔" نشاط نے بھی متاثر ہوتے ہوئے پوچھا۔

"عرصہ ہوا کہ وہ مجھے فراموش کر چکے۔" غزالہ نے کہا۔

"کیا جب سے کالج چھوٹا تب ہی سے اختر نے بھی منہ موڑ لیا میری غزالہ سے۔!" نشاط نے کہا۔

"نہیں نشاط!" غزالہ نے اداس نظریں اس کے چہرے پر مرکوز کرتے ہوئے کہا۔ "بہت عرصہ تک گھر آتے رہے۔ بھائی و بھابی بھی بڑی خندہ پیشانی سے پیش آتے تھے۔ کبھی ان کے آنے پر اعتراض نہیں کیا۔ سب گھنٹوں ملکر ساتھ رہتے تھے۔ مگر نہ جانے کیوں پھر یکایک آنا جانا بند کر دیا۔ میں آج تک بھی وجہ نہیں جان سکی۔"

"کوئی وجہ تو ہوگی آخر۔ ورنہ کوئی خواہ مخواہ تو ایسی حرکت کر نہیں سکتا۔" نشاط نے کہا۔

"بس ایک دن ایسا ہوا تھا نشاط کہ بھیا اور بھابی بازار گئے ہوئے تھے۔ میں تنہا لان میں بیٹھی تھی اور ثریا میری گود میں کھیل رہی تھی اختر کا انتظار بھی تھا کہ اتنے میں بھیا کے ایک

دوست جمیل صاحب آگئے۔ اور میرے یہ بتانے پر کہ بھیا گھر پر نہیں ہیں بلکہ بازار گئے ہوئے ہیں اور اب آتے ہی ہوں گے تو وہ وہیں کرسی پر بیٹھ کر باتیں کرنے لگے۔ ننھی ثریا کی شرارتوں پر ہم دونوں ہنستے رہے۔ مگر اس دن اختر نہیں آئے۔ میں سخت پریشان ہو اٹھی اور پھر اس دن سے وہ آج تک بھی نہیں آئے۔ بھیا نے ان کے گھر جا کر معلوم کیا تو پتہ چلا کہ وہ آگرہ چلے گئے ہیں اور پھر آج تک بھی پتہ نہیں کہ وہ کہاں گئے؟ کیوں گئے؟ ایسی صورت میں تم ہی بتاؤ کہ صرف اندر ہی اندر سلگتے کے سوا میں کر ہی کیا سکتی تھی۔

"اوہ! وہ کسی غلط فہمی میں مبتلا ہو گئے ہیں غزالہ" نشاط نے رائے ظاہر کرتے ہوئے کہا۔

"کاش وہ مجھ سے ایک بار مل کر اس غلط فہمی کو دور کر سکتے تو میری یہ زندگی جہنم زار تو نہ بنتی نشاط!" غزالہ نے انتہائی درد کے ساتھ کہا۔

"مگر سمجھ میں نہیں آتا غزالہ کہ صرف اتنی سی بات پر بگڑ جانا کونسی عقلمندی ہے، اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ وہ انتہائی "شکی" طبیعت کا انسان ہے جس کو کسی پر اعتبار ہی نہیں۔ اگر مجھ ہی کو کہیں مل جائیں تو سبب معلوم کرنے کی کوشش کروں۔" نشاط نے بھی متاثر ہو کر کہا۔

"اب یہ قصہ ختم بھی کرو نشاط!۔ اب تو میں نے اپنے دل کو

تسکین دے لی ہے کہ میں تھی ہی اس قابل۔ اگر وہ اسی طرح خوش ہیں۔ تو خدا انہیں سدا خوش ہی رکھے۔ میری قسمت میں جو لکھا ہے کبھی نہیں مٹ سکتا۔ تم کہاں تک ساتھ دوگی۔" غزالہ نے پھر چھلکتے ہوئے آنسو صاف کرتے ہوئے کہا۔

"یہ نہیں ہو سکتا میری دوست۔ اب تو جب تک میں اختر کو، تمہارے قدموں میں نہ دیکھ لوں قرار نہیں آسکتا۔ تم اسقدر بزدل نہ بنو۔ ہمت سے کام لو۔ اختر تمہارا ہے اور اسے تمہارے پاس آنا ہی پڑے گا، جبتک تمہاری نشاط زندہ ہے تمہیں اس بات کا ہرگز غم نہیں کرنا چاہیئے۔" نشاط نے اسے سمجھاتے ہوئے کہا۔

"ارے نشاط! بس اب ختم بھی کرو یہ داستان میرا دم گھٹتا ہے۔!" غزالہ نے بےبس ہو کر کہا۔

"یہی تو نہیں ہو سکتا میری غزالہ کہ تیرا دل روتا رہے اور میں سکون سے زندگی گزاروں..... نہیں... نہیں میں زمین آسمان ایک کردوں گی۔ میں اختر کا پتہ ضرور لگاؤں گی خواہ کچھ بھی ہو۔ اگر ہفتہ بھر میں پتہ نہ چل جائے تو میرا نام بدل دینا۔ بس ذرا امی سے آگرہ تک چلنے کی اجازت حاصل کردوں اور تم کو بھی میرے ساتھ چلنا پڑے گا غزالہ۔!" نشاط نے اسے جھنجھوڑ ڈالا۔

"میں تو ہرگز بھی نہیں جاؤں گی نشاط، اور تم کو بھی جانے کا مشورہ نہیں دوں گی۔" غزالہ نے ضد کی۔

"نہیں! میں بھی جاؤں گی اور تم بھی چلو گی۔ تمہارا مشورہ سنتا ہی کون ہے۔ اور یہ سفر کل ہی ظہور میں آئے گا۔ آگیا عقل شریف میں۔" نشاط نے کہا۔

"اچھا بابا جیسی تمہاری مرضی۔ میں تو تمہاری تابعدار ہوں۔" غزالہ نے نشاط کی ضد کے سامنے ہتھیار ڈالتے ہوئے کہا۔

"اچھا اچھا بس اب بنو نہیں چلو امی سے اجازت حاصل کریں اور پھر تیاری بھی تو کرنی ہے۔ امید ہے کہ وہ انکار نہیں کریں گی، بس اٹھو۔!" نشاط نے بھی اٹھتے ہوئے کہا۔

"جاؤ خدا تمہاری مدد کرے۔" غزالہ کے دل سے بے اختیار دعا نکلی۔ اور نشاط اٹھ کر امی کے پاس چلی گئی۔ نشاط کے کہنے سننے پر دونوں کو آگرہ جانے کی اجازت مل گئی۔ غزالہ نہ جانے کیوں گھبرا رہی تھی اور نشاط کامیابی کے خواب دیکھ دیکھ کر مسکرا رہی تھی۔ بہانہ تاج محل کی سیر کا تھا۔ خوشی خوشی سامان باندھا۔ رضیہ بیگم نے اپنے قدیم ملازم رحیم داد کو ساتھ کر دیا، کہ لڑکیوں کو راہ میں کسی قسم کی پریشانی نہ اٹھانی پڑے۔

گو نشاط نے بہت منع کیا۔ مگر رضیہ بیگم کے سامنے ایک نہ چلی۔ اور پھر یہ دونوں امیدوں کے چراغ جلائے دوسرے دن آگرے جانے کے واسطے تیار ہو گئیں۔

---

(۴)

فخر کمال آجکل بھاوج کی طلبی پر ہفتہ بھر کی چھٹی لیکر
گھر آئے ہوئے تھے۔ وہ حیران بھی تھے کہ آخر بھابی نے
کیوں بلایا ہے۔ فرزانہ بیگم کسی مناسب موقع کی تلاش
میں تھیں۔ تاکہ دیور سے نشاط کے متعلق رائے معلوم کر کے
شادی کیلئے سلسلہ جنبانی کر سکیں۔ اور فخر اپنے خیالات
میں غلطاں سوچ رہے تھے۔ "نہ جانے بھابی نے کیوں یاد
کیا ہے کیا پھر شادی وغیرہ کا چکر ہے۔ اب انہیں کیا کہہ کر ٹال سکتا
ہوں، نہ جانے وہ کس لڑکی کو پسند کر چکی ہوں۔ مگر...... ہاں
میں اپنی پیاری بھابی کی خوشی پر اپنی ہر مسرت قربان کر دوں گا
ان کا دل ہرگز نہیں توڑوں گا۔ مگر پھر...... اف....
پھر اس رنگین محل کا کیا ہوگا جو نشاط سے ملنے کے بعد آج تک

بناتا آرہا ہوں... نشاط... ہاں نشاط جو میری رگ رگ میں سما گئی ہے جو میرے من مندر کی دیوی ہے۔ جس کی یاد آج بھی میرے نگارخانۂ دل میں شمع کی طرح روشن ہے۔ کیا اسے بھول جانا پڑے گا مگر کیوں۔ آخر کیوں۔ آہ اسے کیونکر بھلا سکتا ہوں جو اب میری زندگی بن چکی ہے۔ جہاز کا سفر کتنا حیات آفریں تھا۔ کاش ماضی پھر پلٹ آئے۔ ایک بار پھر نشاط میری ہمسفر بن جائے۔ مگر وہ... ہاں وہ تو ایسی بے مروّت نکلی کہ بھول کر بھی یاد نہیں کیا۔ حالانکہ میرا پتہ اس کے پاس ہے۔ اوہ! میں بھی کتنا بیوقوف ہوں، کیا خبر کہ اس کے دل کی دنیا کا شہنشاہ کون ہے۔ کیا پتہ وہ کسکو چاہتی ہے؟ وعدہ تو کیا تھا خط لکھنے کا، مگر اب تو دو ماہ ہو چکے اور آج تک خیریت بھی نہیں ملی۔ جب وہی مجھے بھول گئی تو میں کیوں اسے یاد کر رہا ہوں مگر ؎

بلائیں لے رہا ہوں اس زمیں کے ذرّے ذرّے کی
لٹا تھا جس جگہ راہِ وفا میں کارواں اپنا

کیا پتہ اسے میں یاد بھی ہوں یا حرفِ غلط کی طرح صفحۂ دل سے مٹا دیا گیا۔ وہ بالکل خاموش خیال میں غرق مسہری پر لیٹے تھے کہ فرزانہ کی آواز نے چونکا دیا۔ "اجی میں نے کہا فلسفی صاحب، ذرا ہم سے بھی بات کر لیجئے" فرزانہ نے مسکرا کر فخر کو

چھیڑتے ہوئے کہا۔

"آیئے آیئے بھابی!" فخر اٹھ کر بیٹھ گئے۔ "فرمایئے میں تو خود ہی اس فکر میں غلطاں ہوں کہ آپ نے مجھے کیوں طلب کیا ہے۔"

"لیٹے رہو فخر! مگر میری بات بہت اہم ہے اور تمہیں فوراً فیصلہ بھی کرنا ہے۔" فرزانہ نے مسکرا کر قریب پڑی ہوئی کرسی پر بیٹھتے ہوئے کہا۔

"آپ فرمایئے، میں ہمہ تن گوش ہوں بھابی۔" فخر نے کچھ کھوئے کھوئے سے انداز میں جواب دیا۔

"جب تم قبرص سے واپس آئے تھے تو میں نے شادی کا ذکر کیا تھا۔ مگر تم چار چھ ماہ کا کہہ کر ٹال گئے تھے۔ مگر اب ہم سے ضبط نہیں ہوتا نہ ہی اچھی لڑکی نظر میں ہے۔ اگر تمہاری مرضی معلوم ہو جائے تو پھر میں سلسلہ شروع کروں۔" فرزانہ نے دانستہ نام سے احتراز کرتے ہوئے کہا۔

"مگر... مگر بھابی وہ کون ہے؟ کیا ہے، مجھے بھی تو بتا دیجئے۔" فخر نے خواہ مخواہ پیشانی رگڑتے ہوئے کہا۔

"اب اس سے تمہیں کیا بحث، میں آخر تمہاری دشمن تو نہیں کہ خراب سی دلہن لاؤں۔ بس نا ہے چندے آفتاب چندے ماہتاب ہے۔" فرزانہ نے مسکرا کر لطف اندوز ہوتے ہوئے کہا۔

"جیسی آپ کی مرضی۔۔۔!" فخر نے مری سی آواز میں کہا۔

"تم بھی تو کچھ بولو۔" فرزانہ نے کہا۔

"میں کیا بول سکتا ہوں، ظاہر ہے کہ اچھی ہی ہوگی، جو ہماری بھابی محترمہ کو بھا گئی۔" فخر نے اداس لہجے میں کہا۔

"اچھا میں نے سنا ہے کہ تمہارے جرمن کے سفر میں کوئی، مس بھی تمہاری ہمسفر تھیں اور غالباً "نشاط" نام تھا، جمال اور نگار نے مجھے بتایا تھا ان دونوں کو تو وہ بیحد پسند آگئی، اور ان کا اصرار بھی ہے کہ ان کو ہم اپنے گھر لے آئیں، گذشتہ بار جب میں نے شادی کا تذکرہ کیا تھا تو تم نے کہا تھا کہ چھ سات ماہ بعد بات کیجئے، مگر ہم اتنا طویل انتظار کرنے کو تیار نہیں، ادھر تو جمال کے انگلینڈ جانے کا وقت قریب آرہا ہے۔ اور وہ بضد ہے کہ چچی اس کے سامنے ہی آجائیں، اور پھر میرا بھی دل چاہتا ہے کہ تمہارا گھر آباد ہو جائے، لہٰذا اتنی اگر تم پسند کرو تو پھر کیوں نہ ان کی خوشی پوری کردوں، اور نشاط کو اپنے یہاں لے آؤں، گو میں نے انھیں دیکھا نہیں مگر نگار نے تعریف کر کے نادیدہ مشتاق ضرور بنا دیا ہے۔"

فرزانہ نے لمبی چوڑی سی تقریر کرتے ہوئے فخر کی جانب دیکھا۔

"بھابی جان، ابھی تو میری ملازمت کو صرف چھ ماہ کا عرصہ ہی ہوا ہے، پھر اتنی جلدی شادی کیونکر ہو سکتی ہے، آپ ہی سوچئے۔"

فخر کا دل مسرت سے اچھل کر حلق میں آیا جا رہا تھا۔

"تمہیں اس کی فکر کیوں ہے فخر۔ جبتک تمہاری بھابی زندہ ہے

تمہیں کسی بات کا غم نہیں کرنا چاہیئے۔ بس تم اجازت دے دو تو پھر میں بھائی مسرور احمد کو بارہ بنکی لکھوں کہ وہ سلیمان صاحب سے مل کر بات کر دیں۔ ایک ماہ اس میں بھی لگ جائیں گے پھر شادی ہو جائیگی۔ فرزانہ نے سمجھاتے ہوئے جواب دیا۔

"فخر نے بڑی سعادت مندی سے پہلو بدلا، اور پھر دل کی بات زبان پر آ ہی گئی۔

"جیسی آپ کی مرضی — میں تو ہر حال میں خوش ہوں، اور پھر آپ ہی کا تو ہوں۔

" فرزانہ نے خوش ہو کر جواب دیا۔

"خدا تمہیں سدا خوش و خرم اور زندہ و سلامت رکھے۔ یہ تمہاری سعادت مندی ہے جو ایسا خیال کرتے ہو، ورنہ آجکل کون کسی کو پوچھتا ہے حد ہے کہ بیٹا ماں، باپ کا نہیں ہوتا۔

دیور کی اجازت پاکر فرزانہ بیگم نے اپنے بھائی کو خط لکھا کہ ڈاکٹر سلیمان صاحب کی صاحبزادی نشاط سے فخر کے واسطے بات چیت کریں۔ میں شادی بہت سادہ طریقہ پر کرنا چاہتی ہوں.... اور ذرا جلدی بھی۔ کیونکہ جمال کے انگلستان جانے کا وقت قریب آرہا ہے، اور اس کی دلی خواہش ہے کہ چچا کی شادی اس کے سامنے ہی ہو جائے۔ میں خود ہی آتی مگر اول تو گھر کی تنہائی مانع آرہی ہے، اور پھر میں اور آپ کوئی غیر تو ہیں نہیں

لہٰذا بہ احسن خوبی یہ کام آپ کو اور بھابی عذرا کو انجام دینا ہے۔

بہن کا خط پاکر مسرور احمد بھی کافی خوش ہوئے اور اپنی بیوی عذرا سے ذکر کیا تو انھوں نے بھی خوشی کا اظہار کیا، اور پھر ایک دن یہ لوگ سلیمان صاحب کے یہاں جا دھمکے سلیمان صاحب سے چونکہ پرانی دوستی تھی، لہٰذا خوب آؤ بھگت ہوئی، شام تک یہ لوگ وہیں رہے، اور پھر موقع دیکھ کر مسرور احمد نے ذکر چھیڑ ہی دیا۔

"بات دراصل یہ ہے سلیمان صاحب کہ ہم آج ایک غرض لے کر حاضر ہوئے ہیں، اگر آپ کو ناگوار خاطر نہ ہو تو عرض کروں، اور پھر جواب بھی اُمید افزا چاہتا ہوں۔

"ارے صاحب کیسی باتیں کرتے ہیں آپ" ڈاکٹر سلیمان بولے۔ بھلا آپ نے آج تک ایسی کون سی بات کہی ہے جو مجھے ناگوار گذری ہے آپ کہہ کر تو دیکھیے۔" سلیمان صاحب مجسّم سوالیہ نظر آرہے تھے:

اس کو آپ پہچانتے ہیں"

مسرور احمد نے تصویر پیش کرتے ہوئے کہا۔

"واہ واہ بھلا یہ بھی کوئی بھولنے کی چیز ہے۔ بڑا سعادت مند اور ہونہار بچہ ہے۔ یہ تمہارے مرحوم بہنوئی کا بھائی فخر کمال ہی کا فوٹو تو ہے جو نشاط کے ہمراہ جرمنی سے ہندوستان تک

آیا تھا۔ اور ہم سے اس کی ملاقات بندرگاہ پر ہوئی تھی"۔
سلیمان صاحب نے فوٹو کو بغور دیکھتے ہوئے رائے ظاہر کی۔

"مسرور احمد نے پھر بات چھیڑی۔
"تو اس کے متعلق آپ کا کیا خیال ہے؟

"خیال ــ ارے آپ خیال پوچھتے ہیں صاحب یہ تو بڑا ہی سعادت مند، بہت نیک اور بہت اچھا لڑکا ہے، ترقی کی سینکڑوں راہیں اس کے واسطے آغوش کھولے کھڑی ہیں۔

سلیمان صاحب کے منہ میں جیسے پانی آ گیا ہو۔

"تو پھر کیا جرأت کروں کہ میں اپنا اصل مدّعا بیان کر سکوں"؟
مسرور احمد بولے۔

"کیوں نہیں، کیوں نہیں ــ"
سلیمان صاحب نے اجازت دے دی۔

"تو پھر یہ ہماری اور بہن فرزانہ کی عین خواہش ہے کہ آپ اسے اپنی فرزندی میں قبول کر کے ہمیں مشکور ہونے کا موقع دیجئے"۔
مسرور صاحب اصل مدعا پر آ گئے۔"

"ارے بھئی مسرور یہ لڑکی کا معاملہ ہے اور ساری عمر کا سودا، کوئی گڑیا گڈے کا کھیل تو نہیں، اور پھر زمانہ ترقی کر گیا ہے۔ لڑکی کی رائے لینا بھی ضروری ہے، وہ آج کل بغرضِ سیاحت آگرہ گئی ہوئی ہے دو ہفتہ بعد کچھ جواب دے سکوں گا۔

سلیمان صاحب کو گویا منہ مانگی مراد ملی تھی۔

"کوئی بات نہیں ۔ کوئی بات نہیں ۔ مگر ہم لوگ ذرا جلدی چاہتے ہیں ۔ کیونکہ بہن فرزانہ کا بھی اصرار ہے کہ ان کا بچہ جالی دو تین ماہ بعد انگلستان جانے والا ہے، وہ چاہتی ہیں کہ اس کے سامنے ہی شادی ہو جائے، اور پھر ماشاء اللہ دونوں شادی کے قابل ہیں، لہذا جہاں تک جلد ممکن ہو یہ کار خیر انجام پا جائے تو اچھا ہے۔"

مسرور احمد نے صاف گوئی سے کام لیتے ہوئے عرض کیا۔

"بیشک، بیشک میں زیادہ دیر نہیں کروں گا، انشاءاللہ جلد جواب دے دوں گا" سلیمان صاحب نے پر اعتماد لہجہ میں جواب دیا۔

"شکریہ۔"

مسرور احمد بولے۔

سلیمان صاحب پوچھنے لگے، ان کا بچہ کس تعلیم کے سلسلہ میں انگلینڈ جا رہا ہے۔ وہ ڈاکٹری کی اعلیٰ تعلیم کی غرض سے جا رہا ہے، کیونکہ برادر مرحوم کی بھی یہی خواہش تھی کہ ان کا لڑکا ڈاکٹر بنے۔"

مسرور احمد نے افسردگی سے کہا۔

خدا اس کو اس کے مقاصد میں کامیابی عطا فرمائے، بندرگاہ پر دیکھا تھا، بڑا نیک اور ہونہار بچہ ہے، خیر میں جلد اس معاملہ پر غور کر کے فیصلہ سے آپ کو مطلع کر دوں گا۔" سلیمان صاحب نے مزید اطمینان دلاتے ہوئے کہا۔

فرزانہ بہن خود آپ کے پاس آتیں، مگر گھر کی مجبوریوں نے اجازت نہیں دی کہ سفر اختیار کریں اسی باعث انھوں نے یہ کام میرے سپرد کیا تھا" مسرور احمد نے بہن کی جانب سے معذرت پیش کرتے ہوئے کہا۔

کوئی بات نہیں جناب آپ اور آپ کی بہن کوئی جدا جدا تو نہیں، سلیمان صاحب نے فرمایا۔

"یہ تو آپ کی محبت اور خلوص ہے کہ ایسا سمجھتے ہیں، خدا کرے کہ آپ کو میری اس پیشکش سے بھی کوئی اجتناب نہ ہو۔ اچھا اب اجازت مرحمت فرمائیے، پھر کبھی آئیں گے ۔"

مسرور احمد نے اٹھتے ہوئے کہا۔

"ارے یار بیٹھو بھی کبھی کبھی تو دن آتا ہے کہ ذرا فراغت نصیب ہو۔" سلیمان صاحب نے پھر انھیں بٹھاتے ہوئے جواب دیا۔"

عذرا بھی اندر بڑی خوش خلقی سے ملیں اور رضیہ بیگم نے بڑی خاطر تواضع کی، مگر انھیں لوگوں کی آمد کا مقصد نہیں معلوم ہو سکا، کیونکہ مسرور احمد نے خود ہی بات کرنے کی ٹھانی تھی، تین گھنٹے خوب ہنسی خوشی گذرے، اور پھر یہ لوگ واپس اپنے گھر آ گئے۔

دوسرے دن انھوں نے بہن کو خط لکھدیا کہ سلیمان صاحب تو تیار معلوم ہوتے ہیں، مگر وہ نشاط کی رائے ہر حالت میں مقدّم سمجھتے ہیں اور وہ آجکل بغرض تفریح آگرہ گئی ہوئی ہے، دو ہفتہ بعد انشاء اللہ جواب مل جائے گا، جس کا مجھے یقین ہے کہ تمہارے حق میں ہوگا۔

فرزانہ بھائی کا خط پاکر بہت خوش ہوئیں، اور پھر انھوں نے فخر کو بھی سنا دیا۔ یہ اطلاع کہ نشاط آگرہ گئی ہوئی ہے فخر کے لئے بڑی دل خوش کن تھی، لہٰذا وہ یہ بہانہ بنا کر کہ اب اس کے رُکنے کی ضرورت نہیں ہے یہ چھٹیاں یوں کیوں برباد کی جائیں بلکہ جب بات طے ہو جائے گی تو ایک ماہ کی رخصت لے کر آ جاؤں گا۔ وہ پھر آگرہ کی سمت روانہ ہو گئے۔ اس ہستی کی تمنا دل میں لئے وہ منزل مقصود کی جانب جا رہے تھے، جو ان کی رگ رگ میں سمائی ہوئی تھی۔

اُن کے جانے کے بعد فرزانہ نے بھی تیاری شروع کر دی اور رفتہ رفتہ کپڑے زیور، وغیرہ تیار کرانے لگیں، آخر وہی تو فخر کی ماں بہن اور بھاوج سب ہی کچھ تو تھیں، پھر اور کون یہ انتظام کرتا۔

نگار جو اب بارہ ۱۲ تیرہ ۱۳ سال کی نو عمر الھڑ لڑکی تھی، چچا کی شادی کی خبر پر پھولی نہیں سما رہی تھی، سلطان بھی اپنی خوشی کا اظہار تالیاں بجا بجا کر کرتی رہتی، چھ سال کی ننھی جان اور کر بھی کیا سکتی تھی، فرزانہ کو رہ رہ کر بدر مرحوم کی یاد ستانے لگی۔ کاش وہ بھی حیات ہوتے تو اس شادی پر کتنے خوش ہوتے، فخر سے انھیں دلی لگاؤ تھا، بے اندازہ محبت تھی، مگر اب ان کو جدا ہوئے چھ سال کا زمانہ بیت چکا تھا، نگار اور جمال کو نشاط بے حد پسند آئی تھی، اور دونوں طرح طرح سے اپنی پسند کا اظہار کرتے رہتے۔

نگار کہتی۔ "ہماری چچی بڑی ہی حسین ہیں، بس ان کے آتے

ای ہمارے گھر میں بہار آجائے گی، اور پھر چھوٹے چھوٹے کاموں میں لگ جاتی۔ فرزانہ اس کی اس معصوم سی بات پر مسکرا کر خاموش ہو جاتیں انہیں یاد کہا کرتیں انہیں تنگ نہ کیا کرنا نگار وہ تمہاری چچی ہوں گی۔

"امّی میں تو چچی کے پاس آگرہ ہی میں رہنے نکل گی" نگار ٹھنک کر کہتی۔

"ہاں ہاں، چلی جانا، مگر شادی تو ہو جائے پہلے"

فرزانہ محبت سے جواب دیتی۔

"میری اچھی امّی" نگار ننھی منّی باہیں ماں کی گردن میں حمائل کر کے جھول جاتی اور فرزانہ اس کی پیشانی چوم کر اسے الگ کر دیتی، اور پھر اپنے کاموں میں مصروف ہو جاتی۔

~~~~~~~~~~
~~~~~~~~~~
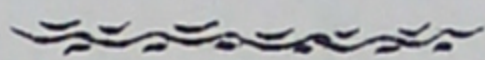
(۵)

آج پھوپھا میاں کا خط آیا ہے' نشاط۔" غزالہ نے اسے گدگداتے ہوئے کہا۔

" ہاں غزالہ ہمیں گھر سے آئے ہفتہ بھر ہو گیا' اور ہماری نالائقی دیکھو صرف ایک خط لکھا۔ لاؤ دکھاؤ کہاں ہے وہ خط میں بھی دیکھ لوں۔"

نشاط نے خط مانگا''

" نہیں میری جان وہ تمہیں اس طرح کیونکر مل سکتا ہے' اس میں تو بڑی مزیدار خبر ہے۔"

غزالہ نے نشاط کو چھیڑا۔

دیوانی نہ بنو غزالہ خط لے دو آخر ابا میاں نے کیا لکھا ہے" نشاط نے پریشانی سے کہا' بس میرے نام ہے اور لکھا ہے کہ تمہیں بار بار کر ایک بات کا اقرار کرا کر انھیں جلد جواب لکھوں کیونکہ ان صاحب کو ذرا جلدی ہے' غزالہ نے

شرارت سے مسکرا کر جواب دیا۔"

"کون صاحب — کیسے صاحب — کیا ہے ؟ آخر تم کو مجھے پریشان کرنے میں کیا مزہ ملتا ہے، لاؤ دے دو خط" نشاط نے نڈر سے الجھ کر کہا۔

"نہیں دیتے — تمہارا کیا ٹھیکہ ہے؟"

غزالہ تنک کر بولی۔

"نہ دو، بس اب میں ایک زور کا دھپ جمانے والی ہوں۔"

نشاط بولی۔

"ایسے نہیں، بات سنو، تم خواہ مخواہ دھپ جماؤ یا گھونسہ مگر بندی اس طرح تو دکھانے سے رہی، بات مٹھائی والی ہے، لہٰذا پہلے مٹھائی کھلاؤ بہت عمدہ قسم کی، اور تمہیں پریشان کرنے میں جو مزہ ملتا ہے، نہ تو بس میں ہی جانتی ہوں۔" غزالہ نے مزہ لے کر کہا۔

"اف ری مکار لڑکی تونے میرا دماغ خراب کر دیا ہے، غزالہ کی بچی، دیتی ہے خط یا نہیں، میری بہن دیدو نہ۔"

نشاط نے دیسے بات نہ بنتے دیکھ کر خوشامدانہ کہا۔

"بھئی بات یہ ہے کہ تمہاری شادی کا پیغام آیا ہے، اور جو صاحب امیدوار بن کر آئے ہیں، وہ چاہتے ہیں کہ اسی ماہ میں تم ان کے حوالے کر دی جاؤ، لہٰذا اسی کے بارے میں پھوپھا جان نے لکھا ہے کہ تم لوگ نہ معلوم کب تک آؤ۔ لہٰذا میں تم سے بات کر کے انھیں فوراً مطلع کر دوں تاکہ وہ

ان لوگوں کو جواب دے سکیں۔ اب بولو کیا خیال ہے ـــ"

غزالہ نے سنجیدگی سے کہا۔

"اف توبہ! لاحول ولاقوۃ میں بھی تو کہوں، کہ کیا بات ہے ناہید میں بھی کوئی سمائے یا بھینس ہوں جو ان کے حوالے کردی جاؤں"!

نشاط کی پیشانی پر شکنیں اُبھر آئیں۔

"میری بنّو غصّہ نہ کرو، یہ دن تو آنا ہی ہے، ٹھنڈے دل سے غور کرکے فیصلہ کرو، لو یہ تصویر بھی ساتھ ہے" اب جو تم کہوگی وہی لکھدوں گی، دیکھنے میں تو یہ صاحب بڑے طرحدار معلوم ہوتے ہیں، انجینئر ہیں جرمنی سے تین ماہ ہوتے واپس آئے ہیں، گیارہ سو روپئے، بنگلہ، کار وغیرہ سب ہے آگرہ ہی میں ہیں، تو اب اور تمہیں کیا چاہیئے نشاط" غزالہ نے نشاط کے چٹکی بھری جو فوٹو دیکھنے میں بری طرح محو تھی۔

"ارے نظر نہ لگا دینا بچارے کو ـــ کیا ندیدوں کی طرح گھور رہی ہے لڑکی جیسے کھا ہی جائے گی شرم تو ساری انگلینڈ میں بیچ کھائی"

غزالہ نے پھر چٹکی لیتے ہوئے کہا۔

"توبہ ری غزالہ کتنی زور سے چٹکی لی ہے ظالم تم نے، تم بہت خراب ہو جاؤ ہم نہیں بولیں گے اب" نشاط نے فوٹو کو اس کی جانب پھینکتے ہوئے کہا۔

"اور خواہ مخواہ لڈو پھوٹ رہے ہوں تمہارے نہ بولو روٹھ کر کیا اپنا ہی کھوؤ گی ـــ میرا کیا بگاڑ لوگی" رانی روٹھے گی، اپنا سہاگ کھوئے گی" میں بھی لکھدوں گی کہ نشاط کو یہ رشتہ منظور نہیں۔

غزالہ نے پھر چھیڑا۔

"نہیں — نہیں — ابھی کچھ نہ لکھو غزالہ مجھے سوچنے دو اور دو ایک روز بعد ہم خود ہی واپس چلیں گے —"

نشاط نے اظہار خیال کیا۔"

"ہاں — ہاں - خوب سوچ لو -" مگر جس کام کے لئے آئی تھیں اس کا کیا بنے گا؟"

غزالہ نے یاد دہانی کرائی"۔

"اے تم سمجھتی ہو کہ میں نے اسے کھلا دیا ہے' نہیں مجھے یاد ہے۔ اور آج ہم چار بجے سے رات تک تلاش جاری رکھیں گے' اور آج پھر تاج محل بھی چلیں گے ' بس اب تھوڑی دیر آرام کرلیں' دھوپ تیز ہے ایک بج چکا ہے"۔

نشاط خیالات میں غرق اپنی مسہری پر جا لیٹی' اور غزالہ نے بھی اسے اچھی طرح سوچنے کا موقع دیکر' کروٹ لے کر لیٹ جانے کا موقعہ دینا مناسب سمجھا تاکہ نشاط سکون کے ساتھ خوب سوچ سمجھ کر جواب دے سکے'... زندگی بھر کا سودا کرنا آسان نہیں ہوتا۔ مگر اسے کیا خبر تھی کہ اس کی یہ سہیلی پہلے ہی اس نوجوان پر مرمٹی ہے' اور چھ ماہ میں اس کے خواب دیکھتی چلی آرہی ہے۔ نشاط نے ابھی تک غزالہ سے فخر کا ذکر نہیں کیا تھا۔

اور ادھر فخر جب نشاط سے ملاقات کی تمنا اور دید کی حسرت لئے آگرہ

پہنچا تو اس کا عزیز دوست اختر اسے اپنے بنگلہ پر ہی ملا، دونوں دوست بڑی گرمجوشی سے ملے اور پھر فخر سے اتنا عرصہ غائب رہنے کی شکایت کرنے لگے۔

اختر نے معذرت پیش کرتے ہوئے جواب دیا۔

"بھئی اب میں تمہیں مبارک باد دینے ہی تو آیا! چلو — دراصل مجھے پتہ ہی نہیں چل سکا کہ تم واپس آچکے ہو۔ فخر نے اختر کو ہاتھوں ہاتھ لیا،

اور پھر ان دونوں نے چند دن ساتھ رہنے کا پروگرام مرتب کر لیا۔ کیونکہ اختر بھی ایک ماہ کی رخصت لے کر اور دل بھر کر فخر کے ساتھ گھومنے پھرنے کا پروگرام بنا کر آئے تھے۔ فخر سے بہت گہری دوستی تھی تو اس کی رفاقت میں بھی دن گذارنا چاہتے تھے، مگر اختر اکثر اداس ہی رہتے تھے، آخر ایک دن تنگ آکر فخر نے سوال کر ہی ڈالا۔

اختر کیا بات تم پہلے تو کبھی اسقدر افسردہ نہیں رہتے تھے، کالج میں تو تمہاری نت نئی شرارتیں مشہور تھیں، پھر اب تم کو کیا کیا ہو گیا ہے؟"

"کچھ نہیں فخر —"

اختر ایک سرد آہ بھر کر بولا۔

"کچھ تو ہے جس کی پردہ داری ہے —" اگر تم نے مجھ سے بھی پردہ رکھا تو پھر کس پر بھروسہ کرو گے، میں تمہارا اچھا اور ہمدرد دوست ہوں تمہاری اداسی مجھے بہت پریشان کرتی ہے تم مجھے بتا دو کہ کیا بات ہے۔"

فخر نے بااصرار کہا"
"کیا سنو گے تم میری سرگذشت غم فخر ؟"
اختر نے درد کے ساتھ کہا۔
"کیوں نہیں — میں تو آج معلوم کر کے ہی رہوں گا کہ قصہ کیا ہے"
فخر نے اس کا ہاتھ پکڑ کر صوفے پر بٹھا کر کہا۔
فخر یہ تو تم جانتے ہی ہو کہ میری ماں سوتیلی ہیں، اور انھوں نے مجھے کوئی دکھ دینے میں کسر اٹھا نہیں رکھی" اختر ایک آہ سرد کے ساتھ بولا۔ "آہ میں ان تکالیف کو فراموش نہیں کر سکتا جو مجھے اس عورت کے ہاتھوں پہنچیں جو میرے باپ کی بیوی تھی، مگر ہر دکھ میں، ہر مصیبت میں صبر کرتا رہا۔ ہر مشکل کو ہنسی خوشی، خندہ پیشانی سے برداشت کرتا رہا، صرف اسی آس پر کہ کبھی تو زندگی کے دن پلٹ آئیں گے، مگر میری قسمت میں نہیں تھا، میں ایک بہت بڑا آدمی بننے کے خواب دیکھا کرتا تھا، مگر ظالم نے وہ بھی پورے نہ ہونے دیئے، اور بی۔ اے کے بعد گھر سے مجھے ہر قسم کی امداد ملنی بند ہو گئی، اَبّا جان نے بھی حکم صادر فرمادیا کہ کماؤ تو کھاؤ، اور پھر مجبوراً میں نے تین چار ٹیوشن کر کے ایم۔ اے میں داخلہ کروالیا، تمہیں تو غزالہ یاد ہو گی فخر، وہی غزالہ جو اکثر گیٹ پر اپنے بھائی کا انتظار کرتی ہوئی ملتی تھی، اس کو میں نے اپنے دل کی ملکہ بنا لیا اور اس نے بھی میرے ویران دل میں بہار بن کر سما جانے کی پیشکش قبول کر لی تھی، وہ آج بھی میرے دل و دماغ پر حکمراں ہے

میرا خیال تھا کہ ایل، ایل، بی کرنے کے بعد شادی کر کے اپنی زندگی اس کی پرسکون آغوش میں ڈال دوں گا اور پھر ہم مسرت بھرے دن ساتھ مل کر گذاریں گے۔ مگر فلک کج رفتار کو یہ بھی ناگوارا نہ ہوا، میری ظالم اماں جان کو یہ بھی نہیں بھایا انھیں نہ جانے کیونکر غزالہ کے متعلق پتہ چل گیا اور پھر انھوں نے مجھے یہ اندوہناک خبر سنائی کہ غزالہ بچپن سے ان کے بھتیجے جمیل کی منگیتر ہے، اور میں نے غزالہ کو اس سے باتیں کرتے اس کے پاس بیٹھا ہوا بھی دیکھا تھا۔ میرا دل ٹوٹ گیا — میرے حوصلے پست ہو گئے .... میرے ارمانوں نے دم توڑ دیا، اور پھر میں جدھر سینگ سمائے کسی کو بتائے بغیر نکل پڑا..... در در کی خاک چھانتے تین سال بیت چکے ہیں مگر دل کو قرار نہیں، غزالہ بری طرح میری ہستی پر چھا کر رہ گئی ہے — میرے دل و دماغ پر حکومت کرتی ہے — نخر میں اسے کبھی کسی طرح بھی نہیں بھلا سکا۔ نہ جانے اسے مجھ سے واقعی محبت تھی یا صرف لاوارث جان کر محض ہمدردی کرتی تھی۔ بہرکیف وہ خود اور اس کے بھائی بھاوج کافی محبت اور خندہ پیشانی سے ملتے تھے۔ جس کے باعث میں کافی پر امید تھا، اور صرف اس کا منتظر تھا کہ ایل، ایل بی کر لوں تو بات چھیڑ دوں، مگر اس سے قبل ہی میری تمناؤں کے قلعے منہدم ہو گئے۔ میری آرزوؤں کے چراغ بجھ گئے۔ میری امیدوں کے خواب درہم برہم ہو گئے...... میری مسرتوں کی دنیا لٹ گئی، اور آج تمہارا دوست آوارۂ وطن اور بیزار زندگی۔ کاش اس

زندگی سے نجات پا سکتا، یا پھر ہم نے غزالہ سے محبت نہ کی ہوتی۔
اختر بہت زیادہ بدحال اور اداس ہو گئے تھے۔

"اختر ۔۔۔ !" غضنفر نے اس کے شانے پر ہاتھ رکھ کر ہمدردانہ کہا۔

"تم مجھے جتنے ہمدردی کے مستحق نظر آتے ہو، اسی قدر بے وقوف بھی معلوم ہوتے ہو ۔۔۔ کیا خبر غزالہ تم ہی سے محبت کرتی ہو، اور یہ سب تمہاری ماں کا جھوٹا ڈھونگ ہو۔ تم نے ایک بار مل کر کم از کم اسے معلوم کرنے کی کوشش تو کی ہوتی ۔۔۔ مگر تم پر جانے یہ احساس کمتری کا بھوت کیوں سوار ہو گیا ہے ۔۔۔ کمال احمد کو میں جانتا ہوں ۔۔۔ تم پریشان نہ ہو میرے دوست، مجھے تم سے دلی ہمدردی ہے.... ہمت سے کام لو..... اور تم ایل، ایل، بی کر ڈالو، اور میں کمال احمد صاحب کو بھی خط لکھوں گا ۔۔۔ غزالہ تمہاری ہے اور وہ کہیں نہیں جا سکتی جبتک تم کو شادکام نہ دیکھ لوں میرے دل کو قرار نہیں آ سکتا۔ اٹھو اب ذرا انسان بنو کپڑے بدلو آج تاج محل کی جانب چلیں، آج اتوار کا دن ہے، اور تم جانتے ہو کہ یہی ایک دن ہمارا اپنا ہے، میرے دوست۔" اختر بولا۔

"خواہ مخواہ تم میرے لئے وقت برباد کرتے ہو اس کی تو شادی بھی ہو چکی ہوگی ۔۔۔" "مگر تم کمال احمد کو کب سے جانتے ہو ۔۔۔ ؟"

وہ مجھے جرمنی سے آنے پر بندرگاہ پر ملے تھے' ان کی پھوپھی زاد بہن نشاط اسی جہاز سے آئی تھیں، راستہ بھر میرا اور ان کا ساتھ رہا تھا. بہت اچھی لڑکی ہے' انہی کی معرفت ان لوگوں سے بھی میری ملاقات ہوئی تھی، اٹھو بس، اب چلو، کافی شام ہو چکی ہے".

فخر نے اختر کو اٹھا کر کھڑا کرتے ہوئے کہا.

"اوہ تو یہ بات ہے جناب نشاط سلیمان کو میں نے بھی دیکھا ہے بہت اچھی لڑکی ہے، چلو میرے دوست دل اچھی جگہ دیا ہے"

اختر غسل خانہ کی طرف جاتے ہوئے مسکرا کر بولے.

"ارے واہ — تم تو سب کو اپنی ہی طرح سمجھتے ہو میاں مجنوں —"

فخر نے چڑایا۔

تھوڑی دیر کے بعد یہ دونوں تیار ہو کر پہلے تاج ہوٹل گئے' اور وہاں سے چائے پی کر تاج محل کی جانب چل دیئے — راستہ کافی خاموشی سے گذرا ' اور پھر اندر داخل ہو کر یہ دونوں ادھر ادھر گھوم رہے تھے کہ اچانک فخر کی نگاہ نشاط پر پڑی' اور اس کا دل خوشی سے اچھل پڑا، وہ اختر کو تقریباً گھسیٹتا ہوا نشاط کے پاس پہنچ گیا جو ہری ہری ٹھنڈی گھاس پر فوارے کے قریب بیٹھی غزالہ سے باتیں کرنے میں مشغول تھی۔

"ہیلو نشاط صاحبہ"

فخر نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"ہیلو فخر صاحب ۔"

نشاط اور غزالہ گھبرا کر اٹھ کھڑی ہوئیں۔

فخر نے مسکرا کر ہاتھ بڑھاتے ہوئے کہا، "کہیئے کیسے مزاج ہیں۔"

"دعا ہے آپ کی ۔"

نشاط نے جواب دیا۔ مگر وہ اس وقت قدرے سراسیمہ سی نظر آ رہی تھی۔

"کہاں رہیں آپ اب تک ۔؟"

فخر نے گفتگو کو طول دینا چاہا۔

"یوں ہی سیر سپاٹوں میں وقت گذار رہی تھی ۔"

نشاط نے مختصراً کہا۔

"آپ کی تعریف ۔" فخر نے غزالہ کا تعارف چاہا۔

"یہ میری پھوپھی زاد بہن اور عزیز ترین سہیلی غزالہ ہیں ۔ اور آپ انجینئر فخر کمال ہیں ۔"

نشاط نے دونوں کا تعارف کرایا۔

غزالہ جو اختر کو دیکھ کر عجیب کشمکش میں پھنس چکی تھی، ہاتھ بڑھا کر گھبرائے ہوئے لہجہ میں کہنے لگی

"بڑی خوشی ہوئی آپ سے مل کر۔"

"شکریہ! اور یہ میرے دوست اختر محمود ہیں۔" فخر نے اختر کا تعارف کرایا۔

"بڑی خوشی ہوئی آپ سے مل کر اختر بھائی" نشاط نے ہاتھ ملاتے ہوئے کہا اور غزالہ کو بھی ہاتھ ملانا ہی پڑا مگر وہ کچھ بول نہ سکی۔

"مجھے بھی دلی مسرت ہوتی ہے آپ لوگوں سے نیاز حاصل کر کے نشاط بہن اور میں آپ کی کامیابی پر خلوص قلب سے مبارکباد پیش کرتا ہوں ــــ"

اختر کی گھبراہٹ بھی قابل دید تھی۔

"شکریہ ــ شکریہ ــ مگر آپ اتنے عرصہ سے غائب کہاں تھے ــ"

نشاط نے اختر کو مخاطب کر کے شکایت آمیز لہجہ میں کہا۔

"غالباً آپ لوگ قبل ہی سے ایک دوسرے سے واقف ہیں ــ"

فخر نے جان کر اجنبی بننے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔

"جی ہاں کمال بھائی کے یہاں اکثر نیاز حاصل ہوا ہے۔"

نشاط نے مسکرا کر کہا۔

"پھر تو بڑا غیر بیدار خبر ہے، اور اب غیر تو ہم ہی رہ گئے"

فخر نے مسکرا کر نشاط کی جانب دیکھتے ہوئے کہا۔

"جی نہیں آپ کو بھلا غیر کون کہہ سکتا ہے اس وقت تو آپ ہی ہیں۔"

نشاط نے مسکرا کر جواب دیا۔

وہ کیونکر میں معلوم کر سکتا ہوں۔"
فخر بولے
جی ہاں کہ آج آپ کی بدولت یہ کھوئے ہوئے اختر صاحب مل
گئے۔" نشاط نے جواب دیا۔
"یہ آپ کی بہن بولنا نہیں جانتیں کیا؟"
فخر نے غزالہ کی بابت پوچھا۔
مولانا تو جانتی ہیں ۔ مگر اس وقت شرما رہی ہیں۔ بیچاری ہاں
تو اختر بھائی بولیے کہ آپ کہاں تھے، سچ تو یہ ہے کہ ہم دونوں آپ
ہی کی تلاش میں آگرہ آئی ہوئی ہیں، ورنہ یہ تاج محل تو سینکڑوں بار
دیکھا ہے۔" نشاط نے اختر کے کان اینٹھنے چاہے۔
"کیوں کیا آپ کو کچھ شک تھا کہ میں کہیں گم ہو گیا ہوں ۔"
اختر نے ایک دزدیدہ نظر غزالہ پر ڈالتے ہوئے جواب دیا۔
"نہیں خدا نہ کرے آپ بھی کیسی باتیں کرتے ہیں، سنا تھا کہ آپ آگرہ
تشریف لے گئے تو پھر ہم دونوں بھی اِدھر آ گئے کہ آپکو تلاش کریں
نشاط نے صفائی پیش کی۔
"شکریہ اس تکلیف فرمائی کا!" اختر نے قدرے طنز بھری نظر غزالہ
پر ڈالی اور بولے، مگر کیا میں پوچھ سکتا ہوں کہ اس خاکسار کی تلاش کیوں تھی
کیا مجھ ناچیز سے کوئی جرم سرزد ہو گیا ہے۔
"یہی بات تو ہے اختر بھائی آپ مجرم ہی تو ہیں پھر شکوہ کیسا!

اور اس جرم کی نوعیت دور کرنے کے! عشا یہ تکلیف کی گئی ہے۔ آپ شاید کسی غلط فہمی میں مبتلا ہیں اور اس غلط فہمی کو دور کرنے کا فیصلہ کر کے ہم دونوں گھر سے آپ کی جستجو میں نکل پڑے —"

نشاط نے غزالہ کے حق میں پھر صفائی دیتے ہوئے کہا

"خیر آپ تو آہی سکتی تھیں، مگر ان کو آنے کی اجازت کیوں کر لی ہوگی۔"

اختر نے طنزیہ کہا۔

"کیا فرمایا" آپ نے ان کو کس کی اجازت کی ضرورت تھی، جو نہیں آسکتی تھیں —"

نشاط نے تنک کر ذرا غصہ سے کہا۔

"یہی کہ جمیل صاحب خفا ہوئے ہوں گے ان کے آنے پر —"

اختر نے پھر چوٹ کی۔

"کیسے جمیل صاحب؟ اور کیسی ان کی اجازت؟ ہوتے کون ہیں؟ یہ جمیل صاحب جن کی اجازت کی ضرورت تھا غزالہ کو تھی؟" نشاط کو واقعی غصہ آگیا۔

غزالہ نے بے بسی سے نظر اٹھا کر پہلے فخر اور پھر اختر کو دیکھا، اور کھڑی ہو گئی چلو نشاط بہت دیر ہو گئی، خالہ مریم انتظار کر رہی ہوں گی۔

چلتے ہیں کہہ کر نشاط نے پھر اس کا ہاتھ پکڑ کر بٹھا لیا۔ آج ذرا ان صاحب سے دو دو ہاتھ ہو لیں.... پھر شاید ہتھے نہ چڑھیں"

اور پھر وہ اختر کی جانب مخاطب ہو گئی۔

غزالہ اول، تو اختر کی باتوں سے دل گرفتہ اور پریشان ہو رہی تھی، اور پھر

فخر کی موجودگی میں یہ باتیں اسے پسند نہیں آ رہی تھیں، اس کے علاوہ وہ حیران بھی تھی کہ فخر اور نشاط کیسے ایک دوسرے کو جانتے ہیں۔

"نشاط بہن، غزالہ صاحبہ کچھ برہم معلوم ہوتی ہیں۔"

اختر نے غزالہ کی جانب دیکھتے ہوئے افسردگی سے کہا۔

"برہم نہ ہوں گی تو بڑی خوش ہوں گی...... آپ نے کام ہی بڑا دل خوش کرنے کا کیا ہے نا...... آج تین سال بعد اتفاق سے پھنس گئے، تو طنز طعنوں سے کلیجہ چھلنی کرنے لگے۔"

نشاط جل کر بکھر پڑی۔

"بات دراصل یہ ہے نشاط صاحبہ" فخر کو آخر بولنا ہی پڑا "کہ غزالہ بہن کی شادی جمیل صاحب سے ہو گئی، اور اسی باعث یہ ذرا اکھڑ سی گئیں۔"

"توبہ کیجیے بھلا کہاں غزالہ اور کہاں جمیل، خدا نہ کرے جو غزالہ کی شادی اس جیسے ذلیل انسان سے ہو" آخر یہ خناس سمایا کیسے ان کی عقل شریف میں، اور کس نے بتایا کہ غزالہ کی شادی جمیل سے ہو گئی۔

نشاط کو اب بڑے زوروں کا غصہ آ گیا تھا۔

"غصہ نہ کیجیے نشاط بہن...... اور ذرا ٹھنڈے دل سے میری بات سن لیجیے، میری امی صاحبہ نے بتایا تھا کہ غزالہ ان کے بھائی کے لڑکے جمیل سے بچپن سے منسوب ہے۔ اور پھر ایک دن میں نے بھی انہیں اپنی آنکھوں سے جمیل سے باتیں کرتے دیکھا تھا۔" اختر نے اپنی صفائی پیش کرتے ہوئے کہا۔

"رہے احمق ہی، بھاڑ میں جائیں جمیل صاحب، اور ان کی شادی آپنے تین سال تک اس معصوم ہستی کا دل جلایا ہے جو صرف آپ کے نام پر جیتی ہے۔ اب اٹھیئے اور اس سے ہاتھ جوڑ کر معافی مانگیے، ورنہ اتنی سخت سزا دوں گی کہ آپ بھی یاد ہی کریں گے۔"

نشاط نے اختر کو غزالہ کی جانب دھکیلتے ہوئے کہا۔

غزالہ جو پہلے ہی بھری بیٹھی تھی، اس نئے انکشاف پر پھوٹ پڑی اور بے اختیار رونے لگی، اختر نے اس سے معافی مانگی، اور غزالہ نے نشاط کے اصرار پر اسے معاف کر دیا۔

مگر اس کی طبیعت اس ذہنی کوفت کے باعث بگڑ گئی تھی، لہٰذا مزید کوئی بات کیے یہ لوگ وہاں سے چل پڑے، نفر نے بہت اصرار کیا کہ دونوں اس کے بنگلہ پر چلیں، مگر نشاط نے پھر آنے کا وعدہ کر کے ٹال دیا، اختر و غزالہ اپنی جگہ خوش تھے، اور نشاط اپنی جگہ کہ میری غزالہ کو نئی زندگی مل گئی۔

ان دونوں کا قیام سلیمان صاحب کے دوست مختار صاحب کے گھر تھا، رات کو آٹھ بجے یہ لوگ مکان پر پہنچیں اور کھانا کھا کر اپنے کمرہ میں چلی گئیں، تب ہی غزالہ کو کھل کر بات کرنے کا موقعہ ملا۔

"نشاط سچ سچ بتانا میں ایک بات پوچھوں گی۔"

غزالہ نے اس کے پاس لیٹتے ہوئے کہا۔

"پوچھو غزالہ آج نشاط تمہارے ہر سوال کا جواب دینے کو تیار ہے، آج میں تمہیں سب کچھ بتا دوں گی۔ کیونکہ میں بہت خوش ہوں۔"

نشاط نے کہا۔

"کیا تم فخر کمال کو پہلے سے جانتی ہو۔"

غزالہ نے اس کا منہ اپنی جانب پھیرتے ہوئے پوچھا۔

"ہاں غزالہ انگلینڈ سے آتے ہوئے میراان کا ایک ماہ ساتھ رہا ہے

نشاط نے جواب دیا۔

"اور تم نے مجھ سے آج تک یہ بات پوشیدہ ہی رکھی"۔

غزالہ کے لہجہ میں شکایت تھی۔

غزالہ کے گلے میں پیار سے باہیں ڈال کر نشاط کہنے لگی "

" میری غزالہ اس بارے میں بات کرنے کا موقع ہی نہیں ملا، میں کسی مناسب موقع کی تلاش میں تھی ۔ مگر اب شکایت کی بات چھوڑو تمہیں سب معلوم ہو گیا، اور تم نے اندازہ بھی لگالیا ہوگا کہ فخر کے بارے میں میری پسند کیا ہے۔

"خوب بھئی بہت خوب.... ارے عقل کی کرکٹ عورت، جانتی کہاں سے میں جبکہ تم نے کبھی اس بارے میں مجھ سے ذکر ہی نہیں کیا۔ کوئی مجھے الہام تھوڑا ہی ہوتا ہے۔ تم نے کبھی بھول کر بھی ذکر نہیں کیا تو میں کیا جانتی، مگر خیر اب میں کل ہی پھوپھا جان کو خط لکھدوں گی کہ آپ کی نشاط تو پہلے ہی اس نوجوان پر مرمٹی ہے، اور آج بے حیا بن کر ملاقات بھی کرائی، اور پھر کس ڈھٹائی سے ہنس ہنس کر باتیں کر رہی تھی"

غزالہ نے اسے چھیڑا ۔ حالانکہ خود اس کا دماغ منتشر

تھا۔

"اچھا ۔۔ اچھا جو دل میں آئے لکھنا مگر اب میری مٹھائی نکلواؤ کہ تمہارے اختر کو بھی ڈھونڈ نکالا ...... اور یہ کتنے مزے کی بات ہے کہ دونوں دوست ہیں ۔"

نشاط نے مسکرا کر غزالہ کی جانب دیکھا۔

"نشاط" غزالہ افسردگی سے بولی۔

"اب یہ خیال چھوڑ دو اختر جیسے شکی مزاج انسان سے میرا نباہ نہیں ہو سکے گا .... گو اس کی یاد اور اس کا تصور میں دل سے مٹا نہیں سکوں گی، مگر اب میں اس کے ساتھ شادی نہیں کر سکتی۔"

غزالہ کی آواز بھرا گئی۔

"یہ نہیں ہو سکتا غزالہ ۔" نشاط نے اسے کھینچ کر اپنے سینے سے لگاتے ہوئے کہا"

"اب نشاط کی شادی اسی وقت ہو گی جب اختر قانون اور سماج کی نظروں میں تمہارا ہو جائے گا۔ اگر تم شادی نہیں کرو گی تو میں بھی نہیں کروں گی ۔ یہ میرا آخری فیصلہ ہے۔

"تم کیوں میرے لئے اپنی زندگی اور محبت کو قربان کرتی ہو نشاط خدا تمہیں شاد و خرم رکھے میں تو یونہی اتنی بد قسمت ہوں

غزالہ نے اداس ہو کر کہا۔

"بکواس .... جو میں کروں گی وہ ہو کر رہے گا ۔ جو میں کہوں گی

تمہیں کرنا پڑے گا، اب نشاط اسی وقت خوش و خرم رہ سکے گی جب وہ تمہیں ہنستا ہوا دیکھ سکے، ورنہ تمہاری آنکھوں میں آنسو دیکھ کر میرا دل بھی روتا رہے گا.... اگر تم مجھے خوش دیکھنا چاہتی ہو تو میرے فیصلہ پر انکار نہیں کرو گی .... ورنہ جیسی تمہاری مرضی، میں تو جو کہہ چکی ، کر کے دکھاؤں گی۔"

نشاط نے الٹی میٹم دے دیا۔

"میری نشاط بہن۔" میری دوست ۔ تم کتنی اچھی ہو۔ غزالہ نے جذباتی لہجہ میں کہا۔ "اگر تمہاری خوشی اسی میں ہے تو میں تیار ہوں جو تم کہو گی میں وہی کروں گی۔"

"یہ بات کی ہے تم نے کام کی۔ بس اب تیار ہو جاؤ، یہ دونوں شادیاں ایک ساتھ ہوں گی"

نشاط نے فیصلہ سنا دیا۔

"مگر کیونکر۔ ؟"

غزالہ وجہ جاننا چاہتی تھی۔

"اس سے تمہیں کیا مطلب بس اب سو رہو۔" غزالہ اسی ادھیڑ بن میں خاموش رہ کر نہ جانے کب سو گئی، اور نشاط بھی میٹھے خوابوں میں کھو چکی تھی۔

دوسرے دن نشاط نے چپکے سے فخر کے نام ایک خط لکھا جس میں لکھا تھا کہ وہ اپنی شادی کے ساتھ ساتھ اختر کی شادی کی بھی تیاری کرے اور اختر

سے اجازت لے کر کمال بھائی کو خط لکھے، غزالہ کی رضامندگاری کا، اور پھر یہ دونوں اگلے دن بارہ بنکی چلی گئیں، سلیمان صاحب کو بیٹی کی رضامندی معلوم ہو کر بہت خوشی ہوئی، کیونکہ فخر انھیں بے حد پسند تھے، اور پھر انھوں نے مسرور احمد کو رضامندی کا خط لکھ دیا، انھوں نے بھی خوشی کا اظہار کیا اور وہ بیٹی کو لکھنؤ بھیج دیا۔ ادھر اختر کی جانب سے فخر نے کمال احمد کو خط لکھا، کمال احمد پہلے ہی اختر کو پسند کرتے تھے..... اور اب تو وہ عنقریب ڈپٹی بننے والا تھا، انھوں نے بھی رشتہ منظور کر لیا، اور پھر مقررہ تاریخ پر دونوں دولہا ایک ہی بارات کے ساتھ سلیمان منزل جا اترے، اور بہت سادہ طریقہ پر رسم شادی ادا کر دی گئی۔

سلیمان صاحب اور کمال احمد نے کافی جہیز دیا، اور سلامی میں دو ہزار کے چیک عنایت کئے، فرزانہ بیگم نشاط کو دیکھ کر پھولی نہ سمائیں بہت پسند کیا، فخر الگ خوش تھے، اور اختر کی مسرتوں کا تو ٹھکانہ ہی نہ رہا تھا، نگار، سلطانہ اور جمال ایک چھوڑ دو بچیاں، پھولے نہیں سمارہے تھے، نشاط اور غزالہ بھی مسرور تھیں، اختر کی شادی بھی فرزانہ نے کی، اور پھر ایک ماہ تک خوب ہنگامہ بپا رہا اور فخر سب کو لے کر آگرہ اپنے بنگلہ پر چلے گئے جہاں فرزانہ بیگم دلہنوں کو گھر بار سونپ کر اور ایک ماہ رہ کر خوش خوش واپس آگئیں، کیونکہ جمال کے جانے کا زمانہ نزدیک آ رہا تھا، انتظام کرتے کرتے یہ دن بھی بیت گئے، اور پھر جمال اور مسرور احمد کا لڑکا ظہیر احمد دونوں ماؤں کی دعاؤں اور بہنوں کی تمناؤں کے درمیان انگلینڈ سدھار گئے۔

فرزانہ بیگم بیٹے کے جانے سے بہت اداس تھیں مگر پھر انہیں فخر اور
نشاط سر ہو کر آگرہ لے آئے اختر بھی اب مع بیوی کے فخر کے بنگلہ کے ایک
حصہ میں رہنے لگے تھے، اور وکالت شروع کر دی تھی۔ نشاط اور غزالہ
فرزانہ کا بہت ادب اور احترام کرتی تھیں اور فرزانہ بھی دونوں کا بیحد خیال
رکھتیں۔ اب نشاط نے اپنی ڈسپنسری بھی قائم کر لی تھی۔ نگار اور سلطانہ
بہت خوش تھیں۔ ایک ماہ رہ کر فرزانہ بیگم مع سلطانہ کے لکھنؤ واپس آگئیں
نگار کو نشاط نے روک لیا تھا۔ وہ خود بھی آنے کو تیار نہیں تھی، کیونکہ کالج
ابھی بند تھے۔ گھر آکر جب تنہا تو فرزانہ بیگم بہت گھبرائیں، رفتہ رفتہ معمولات
پر آگئیں، اور پھر ہر دم یا تو بیٹے کی سلامتی کی دعائیں مانگا کرتیں، یا پھر
سارے گھر کی دیکھ بھال کرتی رہتیں۔ سلطانہ ان کو بہلائے رکھتی تھی۔

"

(۶)

کمبخت! منحوس! پیدا ہوتے ہی ماں کو کھا گئی، کیا اب مجھے کھانے کا ارادہ ہے، جو یہ ٹسوے بہا رہی ہو —"

حمیدہ بیگم نے عادت کے مطابق طلعت کو کوسا۔

"امی جان خدا کے لئے مجھ پر رحم کیجئے، میں نے آپ کا کیا بگاڑا ہے"
طلعت نے روہانسی ہو کر کہا۔

"کیا بگاڑا ہے — ارے یہ رو رو کر بدشگونی کیوں پھیلا رہی ہے تو"
حمیدہ بیگم تڑخ کر بولیں"

"نہ جانے کیوں اس وقت بھیا یاد آ گئے تو ان کی جدائی کے تصور سے بے اختیار میرے آنسو نکل پڑے، اگر آپ کو ناگوار گذرا ہے تو خدا کے لئے معاف کر دیجئے، مگر ابا میاں یا اپنے کو کچھ نہ کہیے، موت زیست میرے اختیار میں تو نہیں، خدا کی مرضی یوں ہی تھی، پھر میں کیا کر سکتی ہوں۔"

طلعت نے نہایت عاجزی سے ہاتھ جوڑ کر معافی مانگتے ہوئے کہا

"اوہو، بھیا کی یاد ستاتی ہے تو انہیں کے ساتھ تم بھی مہورت کر گئی ہوتیں، نہ یہاں لٹھ سے بہانے کو، اور میرے اچھے بھلے گھر میں بد شگونی پھیلانے کو کیوں رہ گئیں.... زبان تو دیکھو کیسی چلتی ہے، قینچی کی طرح حرفوں کی بنی ہوئی ہے۔ ... وہ تو جیسے اماں تھیں، ویسی ہی نام نہاد بیٹی بھی ہے۔"

حمیدہ بیگم غصہ سے لال پیلی ہو کر۔ انگارے اگلنے لگیں۔

"خدا کے لئے میری امی جان کو کچھ نہ کہیے"

طلعت نے تڑپ کر التجا کی، "ان کی کیا خطا ہے.... مجھے خواہ کچھ بھی کہہ لیجیے... میں اُف بھی نہیں کروں گی۔ مگر ان کا نام لے کر انھیں بدنام نہ......" اور حمیدہ بیگم اس کی بات کاٹ کر چلائیں "کیوں مجھے ڈر کس کا ہے جو انھیں کچھ نہ کہوں..... کوئی جھوٹ کہوں تو ایک بات بھی ہے حقیقت کیسی دل کو لگتی ہے نہ ایسا ہی اماں کا خیال تھا، ان کی طرفداری کرنے والی تھیں، تو انھیں کے ساتھ مر گئی ہوتیں نا۔"

طلعت ایک آہ کے ساتھ اپنے کمرہ کی جانب بڑبڑاتی ہوئی چلدی۔

"کاش مجھے بھی ان کے ساتھ ہی موت آجاتی، اے کاش! مرنا میرے اختیار میں ہوتا! مگر نہ زندگی اپنے بس میں ہے نہ موت" اور پھر وہ کمرہ میں جا کر بے اختیار پھوٹ کر رونے لگی۔ جا نماز بچھا کر اپنے رب سے دعا مانگنے لگی۔

اے رب العالمین' اے ارض و سما کے مالک' آہ اس بھری دنیا میں میرا کوئی نہیں' باپ نے مجھ سے بے نیازی اختیار کرلی ہے' ماں نے منہ موڑ لیا اور بھائی بہت دور ہے' میری زندگی اجیرن ہو کر رہ گئی ہے.... آہ میں کیا کروں۔ اس عورت نے میرے اوپر زندگی تنگ کردی ہے' میرے مالک رحم کر' مجھے بھی اٹھالے' اے پروردگار..... اے بیکسوں کے والی مجھ بے کس پر بھی رحم کر میں کہاں جاؤں ــ میں کیا کروں ــ میرے لیے یہ زمین سخت اور آسمان دور ہے.... میرا کوئی ہمدرد نہیں.... میرا کوئی غم گسار نہیں' کہیں دردِ دل کہہ کر ہی سکون حاصل کرلوں' نادرہ بیچاری سے بھی ملنے کی اجازت نہیں..... تو دلوں کا بھید جانتا ہے..... تو رحیم ہے.... تو کریم ہے........ مجھ دکھیاری پر رحم کر..... میں کیا کروں میرے کریم اب یہ دکھ نہیں جھیلے جاتے' اب یہ باتیں برداشت نہیں ہوتیں' میں سب کچھ سہہ لوں' مگر آہ وہ ظالم میری مرحومہ امی کو بھی تو برا بھلا کہنے سے نہیں چوکتی..... ابھی کل ہی وہ انھیں بددماغ - بیہودہ اور کام چور' اور نہ جانے کیا کیا کہہ رہی تھیں..... اور میں سب کچھ سنتی رہی.... مگر آہ کرنے کی بھی اجازت نہیں...... سنا ہے تو اپنے بیکس بندوں پر رحم کرتا ہے۔ تیرا کرم بہت بڑا ہے... مجھ غم نصیب پر بھی کرم کر دے یا موت بھیج دے....... ہاں موت' جو مجھے ہر غم و احساس سے بے نیاز کر دے.... آہ کیا کیا کہوں' ظالم کی وجہ سے تو مجھے بھیا کے خط تک

پڑھنے کی اجازت نہیں، وہ مجھے بتائے بغیر ہی نذرِ آتش کر دیئے جاتے ہیں۔ آہ رحم کر میرے معبود!

طلعت کی روتے روتے ہچکی بندھ گئی، اور پھر نہ جانے کس وقت بھلے پیاری نیند نے آ کر اسے ہر غم و خوشی سے بے نیاز کر دیا۔

جمال الدین صاحب کی پہلی بیوی سلیمہ بیگم کا انتقال ہوئے عرصہ گذر چکا تھا.... ان کی یادگار دو اولادیں، یہی طلعت اور ایک لڑکا سلیم احمد تھا.... سلیم بہن سے بڑا تھا۔ جو اپنے چچا کے پاس بغرض تعلیم پانچ سال سے امریکہ گیا ہوا تھا.... طلعت بھی مقامی کالج میں ہائی اسکول میں پڑھ رہی تھی.... جمال الدین کا آبائی پیشہ تجارت تھا.... اور ان کا برتنوں کا کارخانہ بڑی ترقی پر تھا.... وہ مرادآباد میں اپنے موروثی مکان میں بڑی شاندار زندگی بسر کر رہے تھے.... مگر بیوی کی موت نے انھیں بہت افسردہ کر دیا تھا، چند سال تک شادی کا خیال بھی دل میں نہیں لائے سب سے زیادہ خیال انھیں اپنی لاڈلی بچی طلعت کا تھا کہ نہ جانے سوتیلی ماں کا سلوک کیسا ہو، مگر دوستوں کے اصرار پر اور اپنی مجبوری پر ایک غریب اور شریف خاندان کی لڑکی حمیدہ بیگم سے نکاح کر لیا۔ جن کے شوہر شادی کے چھ ماہ بعد داغِ مفارقت دے گئے تھے۔

شروع شروع میں تو حمیدہ بیگم نے طلعت کی خوب آؤ بھگت کی ہر دم اس کے سامنے پلکیں بچھائے اس کی اداسی پر خود بھی اداس ہو جاتیں۔

الغرض طلعت نے ان کو اپنا گرویدہ بنا لیا تھا، مگر قسمت نے جلدی پلٹا کھایا اور پھر ان کے یہاں بھی سال بھر بعد اللہ نے چاند سا بیٹا دے دیا، اور یہ بیٹا کیا آیا طلعت پر غموں کے پہاڑ پھٹ پڑے، اب طلعت انھیں ایک آنکھ نہ بھائی، حالانکہ نوکر، چاکر، دولت، ثروت سب ہی کچھ تھا، مگر طلعت بے حد شریف اور اچھی لڑکی تھی، اتنے بڑے باپ کی بیٹی ہو کر بھی غرور اسے چھو کر نہیں گیا تھا.... وہ صورت کی جتنی حسین تھی، سیرت میں بھی یکتائے روزگار تھی، اول تو بے ماں باپ کے بچوں کو خود ہی یہ احساس غم پیدا ہو جاتا ہے، اور پھر وہ نئی ماں کی شفقتوں میں اپنی ماں کو بھی فراموش کر بیٹھی تھی اور لیکن جب اس پر ہر روز نت نئے ظلم و ستم ہونے لگے تو اسے پتہ چلا کہ یہ نئی اماں جان کیسی زہر میں بجھی ہوتی ہیں، باپ کی توجہ بھی اب وہ نہیں رہ گئی تھی، ہر دم بیوی کی ناز برداری اور بیٹے کی محبت کے سوا انھیں کچھ یاد ہی نہیں رہا تھا، اور پھر چالاک عورت میاں بیوی کے سامنے طلعت سے بڑی محبت کا سلوک کرتی، اور پھر طلعت بے زبان بچی — اس نے کبھی باپ سے شکایت نہیں کی کہ اس پر کیا ستم توڑے جا رہے ہیں اور باپ تو بیگم کی زلف گرہ گیر کے ایسے اسیر تھے کہ انھیں طلعت یاد ہی نہیں رہی، جیسے تیسے کر کے اس نے بی اے کر لیا، اور پھر اس کی تعلیم کا سلسلہ بھی منقطع ہو گیا۔ بیگم صاحبہ کا فرمان تھا کہ لڑکی کو نوکری نہیں کرنی، پھر لڑکوں کی طرح ایم اے اور ایل ایل بی کرا کے کرنا ہی کیا ہے.... جتنا طلعت نے پڑھ لیا ہے، وہ بھی بہت ہے، اور

خواہ مخواہ کا خرچ کیوں جاری رکھا جائے، گو طلعت نے بہت کوشش کی کہ اسے ایم۔ اے کرنے کی اجازت مل جائے.... مگر توبہ کیجئے، حمیدہ بیگم کے منہ سے نکلا ہو "نا" بھلا "ہاں" میں تبدیل کرنے کی کسے جرأت تھی مجبوراً طلعت بھی صبر کر کے بیٹھ گئی..... طلعت کو بھائی سے بڑی محبت تھی، والہانہ طور پر اُسے چاہتی تھی.... مگر حمیدہ بیگم کو دونوں پھوٹی آنکھ بھی نہیں سہاتے تھے۔ دونوں کی جانی دشمن تھیں.

سلیم کے واپس آنے میں ایک سال باقی تھا... اور ان کو فکر کھائے جا رہی تھی کہ اس کانٹے کو اپنی راہ سے کیونکر دور کریں نہ ہر ہفتہ بہن کو خط لکھتا، مگر طلعت سے پہلے حمیدہ بیگم دیکھتیں... اگر دل میں آیا دے دیا، ورنہ چولہے میں ڈال دیا طلعت سخت پریشان تھی.... تعلیم بھی ختم ہو چکی تھی..... ورنہ جتنی دیر کالج میں رہتی، گھر کی فضا سے دور سکون پذیر رہتی. اور اپنی کلاس فیلو نادرہ سے دکھ درد کہہ کر سکون پا لیتی، مگر اب یہ سکون بھی چھین لیا گیا تھا، زندگی عجیب کشمکش میں گذرتی چلی جا رہی تھی. کوئی بھی اس کا ہمدرد نہ تھا، مونس و غمگسار، بس اس کی وہی دوست نادرہ تھی جو اس کے دکھ درد کی کہانی سن کر تسلی دے دیا کرتی تھی. نادرہ کی شادی ہو چکی تھی.... اور وہ وہیں اپنے شوہر کے قریب ہی کوٹھی میں رہتی تھی، اکثر طلعت اس کے گھر چلی جایا کرتی تھی.... مگر اب اس کے گھر جانے کی بھی اجازت نہ تھی

کم ہی ملتی... نادرہ بھی حمیدہ بیگم کی سرشت سے خوب واقف ہو چکی تھی۔ لہذا کم ہی وقت آتی۔ مگر طلعت کی بے بسی پہ اس کا دل بہت کڑھتا۔ سوائے زبانی تسلیوں کے اس کے پاس رکھا ہی کیا تھا مگر اب، ایک ایک مہینہ بھی وہ ایک دوسرے سے مل نہیں سکتی تھیں، اگر کبھی نادرہ آ بھی جاتی، اور وہ طلعت کے پاس جاتی تو حمیدہ بیگم کی منہ چڑھی نوکرانی ان پر مسلط رہتی، طلعت کی زندگی اجیرن ہو رہی ہے۔

کئی بار سوچا کہ خودکشی کر لے مگر پھر حرام موت آڑے آتی اور پھر نازک سی لڑکی مرنے کا بھیانک تصور کرتی تو ننھا سا دل دھڑک اٹھتا۔ سولہ سترہ سال کی عمر ہوتی ہی کیا ہے ــ یا اللہ۔ آخر وہ پھر کیا کرے ــ اور وہ پھر ایک دن بمشکل اجازت لے کر نادرہ کے پاس چلی گئی..... نادرہ نے بڑی محبت اور خندہ پیشانی سے اس کا استقبال کیا ــ اور لا کر اپنے کمرے میں مسہری پر بٹھا لیا۔

"کہو بھئی طلعت کیا حال ہے؟"

ایک ماہ بعد ملاقات پر نادرہ نے اس کے قریب بیٹھتے ہوئے پوچھا۔

"آہ! کچھ نہ پوچھو نادرہ میرے صبر کا پیمانہ چھلکا جا رہا ہے، میرے دل دماغ بیکار ہوتے جاتے ہیں — آخر میں کیا کروں، تم ہی بتاؤ میری دوست۔ یا پھر یہ شعر میرے دل کی ترجمانی کرتا ہے۔

طلعت نے آہ سرد کے ساتھ کہا ؎

تم بھی دُعا کرو کہ خدا دل کو صبر دے
یا موت دے کہ صبر کا اب حوصلہ نہیں

خدا نہ کرے طلعت یہ تم کیسی باتیں کرنے لگیں —"
نادرہ نے پریشان ہو کر کہا۔

اور ایسی باتیں نہ کروں تو کیا کروں، تم کیا جانو کہ مجھ پر کیا بیت رہی ہے" طلعت بولی۔

"طلعت میری دوست! آہ تمہاری غمناک زندگی کے تصوّر سے میرا دل پھٹا جاتا ہے! کاش میں تمہیں اس بدبخت عورت کے ظلم و ستم سے نجات دلا سکتی، مگر اپنے اختیار میں کچھ نہیں ہے —"
نادرہ نے اداسی سے کہا۔

"نادرہ" طلعت درد کے ساتھ بولی، ایکدن سن لینا کہ طلعت نے خودکشی کر لی ہے۔ میری دوست۔ اب تو مجھ سے صبر نہیں ہوتا۔ کوئی حد ہوتی ہے آخر روز ایک نیا ستم، روز ایک نئی بیداد۔ آہ نادرہ مجھے اس عورت سے نفرت ہے شدید نفرت جس نے دن رات میری مرحوم امّی جان کی عیب جوئیاں کر کر کے طعنے دے دے کر

میرا کلیجہ چھلنی کر دیا ہے، جس نے میرے ابا جان کو مجھ سے بے نیاز کر دیا ہے، جس کے ظلم کی حد یہ ہے کہ بھیا کے خط تک مجھے نہیں مل سکتے تم ہی بتاؤ میں کیا کروں۔ اب تو میرا دم گھٹتا جا رہا ہے نادرہ۔"

اور طلعت بے اختیار پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

"میری طلعت رونے سے کام نہیں چلے گا اب کیا کوئی نئی بات ہو گئی جو تم اس قدر پریشان ہو پہلے تو تم کبھی اتنی بے قرار نہیں ہوا کرتی تھیں آج کیا بات ہے مجھ سے سچ سچ کہہ دو، میری دوست میں ہر ممکن طریقہ پر تمہاری مدد کرنے کو تیار ہوں۔"

نادرہ نے انتہائی محبت سے طلعت کے آنسو پونچھ کر کہا۔

"ہاں میری نادرہ میرے لئے تو ہر روز ایک نئی بیداد ہے۔ ایک نیا ظلم تیار ہے اب تم سے نہیں بتاؤں گی تو کس سے کہوں گی، کیا واقعی تم میری مدد کر سکو گی۔"

طلعت نے پوچھا"

"ہاں۔ضرور۔ تم سناؤ کہ کیا بات ہے۔"

نادرہ ہمہ تن گوش ہو بیٹھی۔

"نادرہ میں اس خیال سے زیادہ پریشان نہیں رہتی تھی"

طلعت آہ سرد بھر کر بولی کہ آئندہ سال بھائی جان آ جائیں گے تو پھر میں اس ماں کے ہر ظلم و ستم سے دور چلی جاؤں گی، اور اسی آس پہ ہر مصیبت برداشت کر رہی تھی۔ مگر اب اس کمبخت کو نئی سوجھی۔ فرماتی ہیں کہ اب خیر سے

طلعت جوان ہے، لہٰذا شادی کر دینی چاہیئے اور اپنے آوارہ بدمعاش بھتیجے صفدر صاحب کو تجویز فرمایا ہے۔ نادرہ جس سے مجھے سخت نفرت ہے۔ شدید نفرت — آہ تمہاری طلعت قربانی کا بکرا بنائی جا رہی ہے۔ اُف خدایا جب اس کی بڑی بڑی مونچھوں اور سرخ سرخ شرابی آنکھوں کا خیال آ جاتا ہے، جب اس کی گھناؤنی طبیعت کا تصور کرتی ہوں تو میرا دل دہل جاتا ہے، مجھے متلی ہونے لگتی ہے، نادرہ خدا کے لئے مجھے کوئی رائے دو کہ میں اس بلائے ناگہانی سے چھٹکارہ پا سکوں، میرا دم گھٹا جاتا ہے۔"

طلعت پھر بے اختیار رو دی۔

"میری طلعت ہمت نہ ہارو۔"

نادرہ نے تسلی آمیز لہجہ میں کہا۔

"خدا پر بھروسہ رکھو، وہی بگڑی بنانے والا ہے، مگر چچا جان کیا اس شادی کے لئے تیار ہیں؟ آخر انھیں تمہارے جذبات کا کچھ تو لحاظ ہونا ہی چاہیئے۔"

نادرہ بولی۔

"اوہ — وہ تو اس عورت کے ہاتھ کی کٹھ پتلی بنے ہوئے ہیں۔"

طلعت نے کہا۔

"تو پھر تمہیں تعلیم دینی عبث تھی، وہی گائے کی مانند رکھتے کہ جس کے ساتھ دل چاہا ہنکا دیا۔"

نادرہ نے کہا۔

انھوں نے تو کچھ مخالفت بھی کی، مگر اماں بیگم نے وہ آفت مچائی کہ خدا کی پناہ۔ فرمانے لگیں ... میرا بھتیجہ لاکھوں میں ایک ہے، برائی کس بات کی ہے اس میں، دسویں جماعت تک پڑھا ہے سو روپیہ کماتا ہے ..... اپنا مکان ہے .... زمین ہے .... یہ ہے ... وہ ہے ... اور ذرا سی طبیعت میں لاپرواہی ہے .... وہ شادی کے بعد خود ہی جاتی رہے گی .... مگر اب ان کو یہ کون بتائے کہ وہ سارے گنُواں پورا ہے، مجھے اس سے شدید نفرت ہے .... نادرہ وہ شرابی ہے ... جُوا کھیلتا ہے ..... وہ چھٹا ہوا بد معاش ہے۔ مگر سب سے پوشیدہ۔ اور اب ابّا میاں نے بھی اس ظالم عورت کے سامنے ہتھیار ڈال دیئے"۔

طلعت نے بے بسی سے نادرہ کی جانب دیکھتے ہوئے کہا۔

"اُف توبہ ہے خدایا وہ عورت ہے یا شیطان کی خالہ، مگر تم نے بھی کچھ سوچا ہے۔

"چچا جمال تو ان کی مٹھی میں ہیں ... ان سے کچھ کہنا سننا تو عبث ہے ضیاء (نادرہ کے شوہر) سے مشورہ کروں گی ..... وہ اب آتے ہی ہوں گے۔ مگر طلعت پیاری میں تمھیں اس طرح تڑپتا ہوا نہیں دیکھ سکتی "آہ! آج بھی سلیمہ زندہ ہوتیں تو کاہے کو یہ آفت زدہ اس گھر میں آتی۔ تم بھی تو بتاؤ کہ تمہارے ذہن میں کوئی تدبیر ہے یا نہیں، آخر اپنی مدد آپ بھی تو کرنا چاہیئے"۔

نادرہ نے معاملہ کی نوعیت سمجھتے ہوئے کہا

"ہاں نادرہ، ایک تجویز ہے تو سہی بشرطیکہ تم میرا ساتھ دو، اور اس یقین کے ساتھ کہ تم ضرور میری مدد کروگی۔
(اخبار کی کٹنگ دکھا کر) دیکھو یہ ایک اشتہار ہے جو آگرہ سے لیڈی ڈاکٹر لتا متھر کی جانب سے ہے، انھیں ایک ایسی مددگار کی ضرورت ہے جو شریف بھی ہو اور تعلیم یافتہ بھی، اور ان کے گھر و بچّی کی دیکھ بھال کر سکے۔
"اب اگر تمہاری رائے ہو تو میں اس گھر کو صرف بھیّا کے آنے تک خیر باد کہہ دوں — نادرہ تم نہیں جانتیں، اس عورت نے میرا دل جلا کر راکھ کر دیا ہے...... ایک سال کی تو بات ہی ہے پھر بھیّا آجائیں گے تو میں ان کے پاس چلی جاؤں گی، مگر اب بس یہ راز اپنے تک ہی محدود رکھو گی۔"
طلعت نے رازداری سے کہا۔
"خوب سوچ لو طلعت۔ نہ جانے کیسے لوگ ہوں......
کیا ہو... تم جانتی ہی ہو کہ چچا جمال کی کتنی عزت ہے — ہمیں بد نامی نہ ہو، ویسے میں تم کو کم از کم پریشان اور غمزدہ دیکھنے کو تیار نہیں ہوں۔ بڑے سنبھل سنبھل کر قدم اٹھانے کی ضرورت ہے۔ بڑا بُرا زمانہ ہے.... ذرا کہیں خدانخواستہ کوئی ایسی ویسی بات ہوگئی تو بس۔
اور پھر تجھ جیسی معصوم، نازک اور لاڈلی بیٹی" نادرہ نے پیار سے اس کی گردن میں باہیں حمائل کر کے دُور اندیشی

کی بات بتائی۔

"یہ سب کچھ ٹھیک ہے نادرہ مگر تم ہی بتاؤ کہ پھر کیا کروں، اگر یہاں رہی تو یہ جلتی جاگتی مکھی مجھے نگلنی ہی پڑے گی جو کسی صورت میں برداشت نہیں کر سکتی' موت کے تصوّر سے دم نکلتا ہے۔ پھر حرام موت مجھے گوارا نہیں..... یہ ضرور ہے کہ میرے جانے سے ابا جان کو صدمہ پہنچے گا، ان کی عزت گھٹ جائے گی۔ حمیدہ بیگم کو نئی نئی اڑانے میں مزہ آئے گا..... مگر کیا کروں؟ میں صفدر جیسے انسان کے ساتھ شادی نہیں کر سکتی.. میں یہ جیتے جی موت برداشت نہیں کر سکتی۔ تم مجھے یہاں کے حالات سے باخبر کرتی رہنا، اور جب خدا نے حالات ساز گار کئے تو آجاؤں گی ـــ"

طلعت نے درد بھرے لہجہ میں کہا۔ اور نادرہ کی گود میں سر رکھ دیا۔

"مگر کیا تم یہ سب کچھ بھول سکو گی ـــ"

نادرہ بولی۔

"میری دوست جب گھر میں مجھے سکون نہیں ملا۔ جہاں میرا سکھ، چین، لوٹ لیا گیا، جہاں میری راحت برباد کر دی گئی۔ حد ہے کہ باپ اور بھائی تک چھین لیا گیا، اب وہاں میرا دل نہیں لگتا۔ میری روح گھبراتی ہے۔"

طلعت کی آنکھوں میں آنسو چھلک آئے۔

"خدا تمہاری مدد کرے میری طلعت! اور تم سکون پاسکو، خدا کا نام لے کر رختِ سفر باندھو... میری دعائیں تمہارے ہمراہ ہیں.... مگر مجھے بھلا نہ دینا، خط لکھتی رہنا میں یہاں کے حالات سے باخبر کرتی رہوں گی — مگر کب جانے کا ارادہ ہے ـ!"

نادرہ نے پیار سے اس کا سر سہلاتے ہوئے کہا.

"پرسوں چلے جانے کا خیال ہے نادرہ" "آہ بھلا تم جیسی ہستی کو بھی اگر فراموش کروں تو پھر کسے یاد رکھوں گی — نادرہ تم میری دوست ہو. میری سچی، ہمدرد..... اور غم گسار ہو. تم نے میرے لئے آنسو بہائے ہیں.... تمہارے دل میں میرے لئے درد ہے.... پھر بھلا میں کیونکر فراموش کر سکوں گی. ایک تم ہی وہ واحد ہستی ہو جو مجھ سے اس وقت شدید محبت کرتی ہے کاش ہم سدا ساتھ رہ سکتے. مگر قسمت کا چکر ہے. اچھا اب چلتی ہوں نادرہ — ورنہ آفت آجائے گی."

طلعت نے اٹھتے ہوئے کہا.

"کیا ایک بار میرے ساتھ کھانا بھی نہیں کھاؤ گی طلعت — پھر تم نہ جانے کب ملو —"

نادرہ کی آنکھیں بھی دوست کی جدائی کے تصور سے بھر آئیں —

"اچھی نادرہ صرف ایک گھنٹہ کی اجازت ملی تھی، اور اب ڈیڑھ گھنٹہ ہوچکا ذرا دیکھنا کہ اس آدھ گھنٹے کی تاخیر پر کیسی آفت آتی ہے ... بس پرسوں رات کو تمہارے ہی ساتھ انشاءاللہ کھانا کھاؤں گی .... اور پھر یہیں سے روانہ ہوجاؤں گی، تم میرا انتظار کرنا .... میں گیارہ بجے کے بعد آسکوں گی، اور ٹرین تین بجے روانہ ہوتی ہے مگر نادرہ خدا کے لئے یہ نہ بھول جانا کہ یہ راز تمہارا اپنا ہے"

طلعت نے پھر تنبیہہ کی۔

اطمینان رکھو میری دوست — مگر ضیاء کو تو بتانا ہی پڑے گا۔ ان کے بغیر کام نہیں بنے گا۔ اور پرسوں تم مجھے اپنا منتظر پاؤ گی —"

نادرہ نے اداسی سے کہا۔

طلعت نے چلتے چلتے اسے تسلی دی۔ ..... اور پھر اپنی کوٹھی کی جانب روانہ ہوگئی.. دل میں ڈر رہی تھی کہ دیکھیے اس تاخیر پر کیا آفت آتی ہے ... تیز تیز قدم اٹھاکر وہ اپنی کوٹھی میں داخل ہوگئی۔ مگر خلاف توقع حمیدہ بیگم اس وقت کچھ بولی نہیں، بلکہ پوچھنے لگیں، نادرہ ٹھیک تھیں؟ کئی دن سے آئی کیوں نہیں، کیا بات تھی! وغیرہ — وغیرہ۔

"جی ضیاء بھائی کی طبیعت کچھ خراب تھی، اسی باعث نہیں آسکیں۔ اب آئیں گی کسی دن —"

طلعت حیران تھی کہ یہ مہربانی کیوں ہے — مگر وہ جانتی تھی

کہ یہ خالی از علت نہیں۔

سنو طلعت!" حمیدہ بیگم نے اسے کمرہ کی جانب جاتا ہوا دیکھ کر کہا۔
"اب تم کہیں آنا جانا ترک کر دو، آج سے پندرہ دن تو شادی میں رہ ہی گئے ہیں، آج صفدر میاں بھی آگئے ہیں، ذرا احتیاط رکھنا، کیونکہ شادی سے قبل ملنا اچھا نہیں لگتا، آج اسی باعث نادرہ کے گھر جانے کی اجازت دے دی تھی کہ تم پھر تو چلی جاؤ گی۔"

حمیدہ بیگم مسکرائیں۔

طلعت بغیر جواب دیئے خاموشی سے کمرے میں آگئی، وہ اس انکشاف پر بلبلا کر رہ گئی ۔۔۔۔ اور دل ہی دل میں پیچ و تاب کھاتی مسہری پر جا پڑی۔

آج اسے یہ کمرہ اور گھر کی ہر چیز اداس اداس اور اجنبی سی دکھائی دے رہی تھی، وہ سوچنے لگی۔

"آہ! میرے خدا کاش تو نے مجھے بھی امی کے ساتھ ہی موت دے دی ہوتی۔ اف! ابا میاں کو بھی تو اس عورت نے مجھ سے بیگانہ کر دیا ہے۔ مگر اب .... اب کیا ہوگا.... وہ کمبخت یہیں آن مرا، اب زیادہ رکنا خطرہ سے خالی نہیں، اور کل ہی یہاں سے چل دینا ٹھیک ہے، مکار عورت کس قدر محبت فرما رہی تھیں۔ اس وقت صفدر .... صفدر.... اف اس صفدر سے مجھے شدید نفرت ہے میں تعلیم یافتہ ہوں.... ابا میاں کو میرے احساسات کا ذرا

پاس نہیں۔ میں جاہل نہیں، مجھے ہمت نہیں ہارنی چاہیئے، اگر ذرا بھی بُزدل بنی تو ساری عمر پھوپھی بھتیجوں کا غلام بننا پڑے گا۔ میں کل ہی یہاں سے چلی جاؤں گی، اب ایک منٹ میرے لئے قیامت ہے... میں اب نہیں رک سکتی، او خدا تو میری مدد کر۔ تیرے سوا میرا اتنی بڑی دنیا میں کوئی نہیں کاش.... امی.... آہ.... امّی آپ مجھے کس زنداں میں چھوڑ گئیں، اب تو اپنے پاس بلا لیجئے میری امّی، ابا میاں بھی تو میری نہیں سنتے.... میری حالت نہیں دیکھتے.... انھیں کیا خبر کہ مجھ بدنصیب پر کیا بیت رہی ہے، بھائی جان بہت دور ہیں اور پھر ان کے خط تک سے مجھے محروم کردیا گیا ہے،

امی.... میری امی.... آپ خفا نہ ہوئیے گا، میں کل یہ وطن چھوڑ دوں گی.... جہاں آپ خواب راحت کے مزہ لے رہی ہیں گھر چھوڑ دوں گی.... جہاں آپ کا پیار تھا، آپ کی محبت تھی۔ شفقت تھی، لازوال پیار، مگر اب جہاں ظلم وستم اور اب بے قرار ہاں ہیں آپ کی طلعت بڑی بدقسمت ہے، اس کے حق میں دعا کریئے کہ آپ تو خدا سے نزدیک ہیں، آپ ہی سفارش کیجئے، تاکہ وہ میری بدقسمتی کی سیاہی دھو دے، یا پھر آپ کے پاس پہنچا دے امّی میں جا رہی ہوں.... اس گھر کو.... اس وطن کو.. اس زندگی کو.... خیر باد کہہ کے.... جہاں درد کے سوا مجھے کچھ بھی نہیں ملا۔ ابا میاں کو بھی تو مجھے چھوڑنا پڑ رہا ہے

جن سے اب میں بے پناہ پیار کرتی ہوں۔ آخر وہ میرے باپ ہیں... کیا ہوا، اگر اس مکار عورت کے باعث مجھ سے لاپرواہ ہو گئے ہیں۔ مگر میں تو اب بھی ان سے پیار کرتی ہوں اب مجھ سے یہ ظلم نہیں سہے جاتے.... میں سب کچھ آج تک خندہ پیشانی سے برداشت کرتی رہی ہوں۔ مگر صفدر سے شادی کرنا میرے بس کی بات نہیں.... میں اب اس کو برداشت نہیں کر سکتی.... آہ میرا دل کانپ جاتا ہے، اس کی شکل دیکھ کر مجھے گھن آتی ہے.... اس کے تصور سے بھی....

ابا میاں کاش آپ جان سکتے کہ آپکی لاڈلی بیٹی کتنی مظلوم ہے مگر آپ کو فرصت کہاں، آپ کو تو یہ یقین دلا دیا گیا ہے کہ میں اس شادی سے خوش ہوں.... بیحد خوش۔

مگر کاش! آپ میرے دل میں جھانک سکتے... بھیا خوش قسمت تھے کہ امریکہ چلے گئے.... اور میں بدنصیب اپنے وجود پر آپ ہی بھاری ہوں.... میرے خدا تو اپنے بے کس بندوں کی حفاظت کرتا ہے، میری بھی حفاظت کر میری بگڑی تقدیر بنا دے۔ میری زندگی سنوار دے.... میں ایک اچھا مقصد لے کر اس گھر کو خیر باد کہہ رہی ہوں مجھے ثابت قدم رکھ، میری زندگی کے مالک، اے بے کسوں کے والی — "

اور پھر طلعت سجدہ میں گر کر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی...

اور جب دعائیں مانگنے کے بہت دیر بعد سکون ملا تو جائے نماز سے اٹھ کر مسہری .... پر جا لیٹی اس را [illegible] بھی نہیں کھا سکی، اور کروٹ بدل بدل کر صبح کر دی۔

دوسرے روز بھی اس کے خیالات منتشر ہی رہے، اور حمیدہ بیگم نے شادی کی خوشی میں نادرہ کو بلا بھیجا، وہ تو خود ہی آنا چاہ رہی تھی، ان کے بلاوے پر فوراً آ گئی .... اور پھر حمیدہ بیگم نے شادی کا تذکرہ کیا جسے سُن کر وہ بھی چکرا گئی .... مگر جبراً قہراً اپنی حالت سنبھال کر بے انتہا خوشی کا اظہار کیا ...، اور ادھر ادھر کی باتیں کرنے لگی۔ اور پھر چند منٹ کے بعد ہنس کر کہنے لگی کہ طلعت کو بھی تو مبارک باد دے آؤں .... اس نے تو مجھ سے ذکر ہی نہیں کیا۔"

نادرہ نے اٹھتے ہوئے کہا۔

اور حمیدہ بیگم مسکرا کر کہنے لگیں۔ "اب تم سے کیا ذکر کرتی، لڑکی ہی تو ہے شرم آ گئی ہوگی ....

اور نادرہ دل ہی دل میں انھیں کوستی ہوئی طلعت کے کمرہ میں جا گھسی مگر پھر وہ طلعت کی زرد اور مرجھائی ہوئی شکل دیکھ کر حیران رہ گئی، اور دوڑ کر اور اس سے لپٹ کر کہنے لگی۔

"ارے طلعت! آخر تمہیں ایک ہی رات میں یہ کیا ہو گیا بھئی۔ اف تمہارا چہرہ کس قدر زرد ہو رہا ہے، کیا کچھ طبیعت خراب ہے۔

"بولو نہ طلعت۔" نادرہ نے طلعت کو خاموش پاکر اسے جھنجوڑ ڈالا۔
"اف نادرہ۔ میرا سر چکرا رہا ہے..... تم اس وقت کیسے آگئیں۔"
طلعت نے پھٹی پھٹی آنکھوں سے اسے دیکھتے ہوئے کہا۔
اول تو میں خود ہی تم کو یہ خوشخبری سنانے کو بیتاب تھی، اور آنا چاہ رہی تھی.... مگر کوئی بہانہ نظر نہیں آرہا تھا، اتفاق سے چچی حمیدہ کا بلاوا پہنچ گیا.... اور میں فوراً آگئی۔
نادرہ نے اس کے بکھرے بال سنوارتے ہوئے کہا۔
"تم کیا امی کے پاس سے آرہی ہو۔؟" طلعت نے افسردگی سے پوچھا۔
"ہاں۔!" نادرہ بولی۔
"تو پھر تمہیں میری قسمت پر زبردستی مہر لگا دینے والی سیاہ مہر کا بھی پتہ چل گیا ہوگا۔" طلعت نے پر تپاک لہجہ میں کہا۔
"اوہ تم اتنی ہراساں نہ ہو، انھوں نے بلایا تو مجھے اسی واسطے تھا کہ شادی کی خبر سنا ہیں گے مگر میں تمہارے واسطے ایک اچھی خبر لیکر آئی ہوں۔"
نادرہ نے مسکرا کر کہا۔
"مجھ بدنصیب کے لئے بھلا کیا خوشخبری ہو سکتی ہے نادرہ!"
طلعت نے ایک آہ کے ساتھ نادرہ کی گردن میں باہیں حمائل کرتے ہوئے کہا۔
"پگلی سنو تو سہی.... ذرا پہلے منھ ہاتھ دھو کر انسان بنو تب

سناؤں گی، تم تو بہت ہی کم ہمت اور بزدل نظر آرہی ہو، آخر یہ کیا حالت بنا رکھی ہے۔" نادرہ نے ہمدردانہ لہجہ میں کہا، اور اسے غسل خانے کی سمت لے گئی۔

طلعت نے منہ ہاتھ دھو کر بال سنوارے، اور پھر اداس اداس آ کر نادرہ کے پاس بیٹھ گئی۔ "اب بتاؤ کہ کیا خبر ہے؟"

"رہبھی میں نے تمہارے ارادے کا ذکر ضیاء سے کیا تھا، رات وہ تمہاری ہمت پر بہت خوش ہیں اور ہر طرح کی مدد کو تیار ہیں، اور خوشخبری یہ ہے کہ ڈاکٹر نشاط کے شوہر ضیاء کے دوست ہیں، وہ کہتے ہیں کہ میں خط لکھ دوں گا ان کے نام وہ کبھی بھی انکار نہیں کریں گے، اور پھر وہ لوگ بہت اچھے اور بڑے مخلص ہیں۔" نادرہ نے رازداری سے کہا۔

"سچ نادرہ" طلعت بے اختیار مسکرا پڑی۔

"کتنے اچھے ہیں ضیا بھائی۔ خدا انھیں اس کا اجر عظیم لڑکا بیٹے کی شکل میں دے... اور تمہیں بھی..... مگر اب تم دونوں کے سوا کسی کو یہ معلوم نہیں ہونا چاہیئے کہ مجھے زمین کھا گئی یا آسمان نگل گیا۔

"توبہ — خدا نہ کرے میری بہن، ایسی باتیں نہ کرو، خدا تم کو وہاں سکون دے، اور سلیم بھیا جلد آجائیں، تاکہ پھر تم اپنے گھر آ کر خوشگوار اور پر مسرت زندگی کی مالک بن سکو..... یہ تو فرض میرا ہے..... طلعت کہ تمہاری خوشی کے لئے سب کچھ کروں اور اس مصیبت سے تمہیں نجات دلاؤں، سچ تمہیں دیکھ

کہ تو میرا دل رونے لگتا ہے، خدا تمہیں چین دے، اور جلد اپنے گھر آسکو، آمین۔"

نادرہ نے طلعت کے بالوں میں پیار سے کنگھی کرتے ہوئے کہا۔"

"اچھا تو میرا ارادہ آج ہی رات جانے کا ہے۔

طلعت نے کہا۔

"کیوں آج کیوں جانے کا ارادہ کرلیا ہے"

نادرہ نے تعجب سے پوچھا

"نادرہ وہ منحوس صورت یہیں آگئی ہے جس سے مجھے نفرت ہے، جسے میں ایک منٹ کے لئے بھی گوارہ نہیں کرسکتی، اب جاؤں یا کل، بات ایک ہی ہے، لہذا آج ہی جانے کا فیصلہ کیا ہے، تم رات کو تو تیار ملوگی مجھے" طلعت نے نادرہ کو پیار سے دیکھتے ہوئے کہا۔

"ہاں.... ہاں طلعت بالکل تیار ملوں گی، مگر تمہارے پاس روپیہ وغیرہ بھی ہے یا نہیں ہے؟"

نادرہ نے پوچھا۔

"ہاں تقریباً پچاس روپیہ ہیں، اور امی کے زیورات ہیں، اور ان زیورات کو اس منحوس کے لئے نہیں چھوڑوں گی، اور زیادہ میں کچھ لے کر جانا بھی نہیں چاہتی۔"

طلعت نے اداس ہوکر جواب دیا۔

"اچھا تم گھبرانا قطعی نہیں .... اب میں چلتی ہوں، تم کس وقت آؤگی۔"

کھڑے ہوتے ہوئے نادرہ نے آہستہ سے کہا۔

"گیارہ بجے کے بعد۔"

طلعت نے مختصراً کہا ــــ اور اسے کمرے کے دروازے تک چھوڑنے آئی۔

آج، وہ بہت پریشان تھی، رہ رہ کر دل دھڑک اٹھتا تھا، پیر کانپ جاتے تھے، ارادہ متزلزل ہو جاتا تھا۔ مگر پھر صفدر کی بھیانک شکل یاد آکر وہ تمام کانپ جاتی تھی، اور چل دینا ہی غنیمت سمجھتی تھی

آج حمیدہ بیگم نے چائے اسے کمرہ ہی میں بھیجدی تھی، اور اس نے ایک پیالی زہر مار کر کے واپس کردی، اور پھر آہستہ آہستہ اس نے چند ضروری چیزیں، تین چار جوڑے، کپڑے اور ماں کا زیور سب سوٹ کیس میں بند کر دیا اور رات ہونے کا انتظار کرنے لگی۔

اُف یہ وقت کتنا طویل ہو گیا کہ کاٹے نہیں کٹ رہا تھا....

کتنی کٹھن ہوتی ہیں انتظار کی گھڑیاں یہ اسے آج پتہ چلا تھا۔

آخر خدا خدا کر کے رات کا سناٹا چھانے لگا، اور پھر آہستہ آہستہ گھر کا ہنگامہ بھی خاموشیوں میں ڈوب گیا۔ تب اس نے باپ کے نام ایک خط لکھ کر میز پر چھوڑ دیا ــــ اور پھر دھڑکتے دل لڑکھڑاتے قدموں اور اشکبار آنکھوں سے اس گھر کو الوداعی کہنے کے

لئے قدم اٹھادیئے جہاں اس نے ہوش سنبھالا تھا جو اس کا اپنا گھر تھا، سوٹ کیس ہاتھ میں تھر تھرا رہا تھا، مگر اس کی منزل اسے پکار رہی تھی... اس نے سوتے ہوئے باپ پر الوداعی نظر ڈالی اور آہستہ سے کنڈی کھول کر باہر نکل آئی۔

اور تیز تیز قدموں سے چلتی ہوئی نادرہ کے یہاں پہنچ گئی، جہاں وہ دونوں میاں بیوی اس کے انتظار میں چشم براہ بیٹھے تھے، نادرہ اسے آتا دیکھ کر آگے بڑھی اور طلعت بے اختیار اسے لپٹ کر رونے لگی... دل کی بھڑاس نکل ہی جائے تو اچھا ہے ضیاء یہ حسرتناک منظر افسوس بھری آنکھوں سے دیکھ رہے تھے، اور وہ طلعت کو بہن کی طرح چاہتے تھے۔ مگر جمال صاحب سے کچھ کہہ سن نہیں سکتے تھے.... اور آخر پھر انھوں نے اس کو بہت زیادہ تسلی تشفی دے کر چپ کرایا۔ نادرہ نے زبردستی اپنے ساتھ اسے کھانا کھلایا طلعت کے منہ میں لقمہ چل نہیں رہا تھا مگر عزیز دوست کی دلشکنی بھی منظور نہیں تھی ضیاء نے فخر کے واسطے ایک لفافہ دیدیا اور بہت اطمینان دلاتے ہوئے کہا....." وہ بالکل اطمینان سے جائیے، وہاں جاکر انشاءاللہ کسی قسم کی تکلیف نہیں ہو گی.... بارہ ایک بجے تک یہ لوگ بیٹھے باتیں کرتے رہے۔

طلعت اب بہت پُرسکون نظر آرہی تھی، آخر پھر دو بجے ضیاء نے کار نکالی اور تینوں اسٹیشن کی جانب روانہ ہو گئے۔

ٹرین تین بج کر ستر دمنٹ پر چھوٹنے والی تھی، ابھی گھنٹہ بھر باقی تھا، لہذا نادرہ اور طلعت کے ویٹنگ روم میں چلی گئیں، ضیاء نے وہ سامان جو نادرہ نے طلعت سے پوشیدہ اس کے ساتھ جانے کو تیار کر کے قبل ہی کار میں رکھوا دیا تھا، اٹھوا کر سیکنڈ کلاس میں رکھوا دیا، مگر طلعت کو مطلق علم نہیں تھا، وہ تو صرف چند جوڑے لیکر ہی گھر سے نکلی تھی، اور وہ بھی بہت معمولی نادرہ کو دوست کی بے بسی اور بے سر و سامانی کا علم تھا، وہ اس پر جان چھڑکتی تھی، وہ جانتی تھی کہ یہ چیزیں طلعت اس طرح لینا کبھی گوارہ نہیں کرے گی، مگر بس یہی ایک ترکیب تھی کہ اسے ہی بے خبری میں سب سامان تیار کر لے اور جب ٹرین چھوٹے .... تو تالی ہاتھ میں تھما کر بتا دے اور یہی کیا بھی گیا، ٹکٹ وغیرہ خرید کر جب ضیاء واپس آئے تو طلعت نے روپیہ دے کر کہا کہ ٹکٹ لا دیجئے۔ رب مگر ضیاء نے اس کے ہاتھ میں سیکنڈ کلاس کا ٹکٹ تھما دیا، طلعت نے روپیہ دینے پر بہت اصرار کیا مگر ضیاء اور نادرہ نے یہ کہہ کر ہمیں بڑا رنج ہوگا اسے روپیہ رکھ لینے پر مجبور کر دیا۔

اور پھر طلعت اپنی سیٹ پر جا بیٹھی، اس وقت اس نے بہت ہمت سے کام لیا تھا.... بالکل پُر سکون دکھائی دے رہی تھی، مگر نادرہ پر اس کی جُدائی کا بے حد اثر تھا اور پھر اس حالت میں جانے کا اور بھی رنج تھا۔ طلعت کے خیال سے وہ اپنے دل کو سنبھالے رہی.... مگر پھر بھی ایک بار اس نے طلعت کی گردن میں باہیں حمائل

کمرہی دبی، اور کہنے لگی، اچھی طلعت گھبرانا قطعی نہیں ... تم بہت اچھی جگہ جارہی ہو، خدا نے چاہا تو پھر جلد ہی ملیں گے میں آگرہ آؤں گی اور تم برابر خط لکھتی رہنا۔

"نادرہ خدا تم کو ہمیشہ خوش وخرم رکھے، اور اس سے زیادہ میں تمہیں دے بھی کیا سکتی ہوں ... اور میرے پاس رکھا ہی کیا ہے ..... میں ضرور تمھیں برابر خط لکھتی رہوں گی ..... اور تم بھی مجھے یہاں کے حالات سے باخبر کرتی رہنا۔"

طلعت نے گرمجوشی کے ساتھ نادرہ کو اپنے سینے سے لگا کر کہا۔

"ضرور ۔ ضرور ۔"

نادرہ بولی۔

"طلعت بہن خدا آپ کو اور زیادہ ہمت اور استقلال عطا فرمائے .. آپ ذرا بھی فکرمند نہ ہوئیے گا .... اور سکونِ قلب سے رہنے کی کوشش کیجئے، میں ایک دو ماہ میں نادرہ کو لے کر آؤں گا۔"

ضیاء نے تسلی آمیز لہجہ میں کہا۔

"ضرور ضیاء بھائی آپ ہی دونوں اس وقت میرے واسطے سب کچھ ہیں

گاڑی نے سیٹی دی اور نادرہ نے اچانک جلدی سے بڑھ کر طلعت کی پیشانی چوم کر خدا حافظ کہا اور نیچے اتر آئی۔

"رخصت نادرہ ۔" طلعت کے لاکھ ضبط کے باوجود بھی اس کی آواز بھرا گئی۔

خدا تمہیں وہاں لازوال مسرتیں عطا فرمائے۔" نادرہ نے کہا اور کھڑکی سے لگی باتیں کرتی رہی۔

طلعت اس وقت بالکل خاموش تھی.... گاڑی نے دوسری سیٹی دی۔ اور نادرہ نے آہستہ سے اس کا ہاتھ دبا کر کہا۔

"بھول نہ جانا، اپنی نادرہ کو" اور پھر کہنی دے کر کہنے لگی .بنچ کے نیچے تمہارا سوٹ کیس رکھا ہے، اور اوپر کی برتھ پر تمہارا بستر ہے

گاڑی نے تیسری سیٹی دی، اور پھر رینگنے لگی۔ دونوں ساتھ چلتے رہے

"مگر یہ تم نے کیا کیا نادرہ؟" طلعت نے بے بسی سے کہا۔

"کچھ نہیں یہ میرا فرض تھا، تم بے سروسامانی کی حالت میں، غیر جگہ جا رہی ہو، ان سب چیزوں کی تمہیں ضرورت پڑتی یہ تمہاری غریب نادرہ کا حقیر تحفہ ہے۔"

نادرہ نے اس کا ہاتھ دبا کر چھوڑ دیا۔

"شکریہ نادرہ، خدا حافظ۔"

طلعت کی آنکھوں میں تشکر کے آنسو چھلک آئے۔

"خدا حافظ۔"

نادرہ نے کہا ــ اور ہٹ آئی، گاڑی تیز ہو چکی تھی، جب تک ٹرین نظر آتی رہی، نادرہ کھڑی دیکھتی رہی ــ اور پھر دونوں اداس گھر واپس آ گئے۔

نادرہ مطمئن تھی کہ اس نے اپنا فرض پورا کر دیا خدا

اس کی مدد کرے۔

چار بج چکے تھے، نادرہ کی آنکھوں میں نیند کا کوسوں پتہ نہ تھا۔ مگر وہ خاموش لیٹی طلعت ہی کے متعلق سوچتی رہی ضیائ بہت تھکے ہوئے تھے، وہ لیٹتے ہی سو گئے، اور پھر نہ جانے کب نادرہ کو بھی نیند آ ہی گئی۔

(۷)

نشاط اور غزالہ کی شادی کو چار سال کا عرصہ گزر چکا تھا...
اور دونوں کی زندگیاں بڑی خوشگوار گزر رہی تھیں، اختر اور فخر بھی اپنی
زندگی کو پُر مسرت محسوس کر رہے تھے.... دونوں دوست ایک ہی کوٹھی میں
رہتے تھے، اور اس طرح نشاط اور غزالہ کی دیرینہ آرزو پوری ہو گئی
تھی، وہ دونوں اب بھی یک جان دو قالب تھیں، گھر کے دھندوں سے
ذرا سی فرصت ملتی تو ماضی کی خوشگوار یادوں میں گم ہو کر بہر دل
لطف اٹھایا کرتیں ــــ اور پھر فرائض انھیں چونکا دیتے، غزالہ کی
گود میں ایک کمسن بچی رخسانہ تھی، جس کی عمر ابھی صرف آٹھ ماہ ہی تھی، مگر
قدرت نے نشاط کو دو ننھے منے پھول عطا کر رکھے تھے.

بڑا لڑکا اطہر کمال اور چھوٹی بچی ناہید جس کی عمر ابھی صرف تین
ماہ تھی، اس کی پیدائش کے سلسلے میں نشاط کافی کمزور ہو گئی تھی۔

اور پھر گھر کی دیکھ بھال اور ڈسپنسری کے واسطے بھی وقت درکار تھا۔
دو دو بچوں کی پرورش کا ذمہ آن پڑی تھی، اور وہ اکثر ان ذمہ داریوں سے گھبرا اٹھتی، پھر بھی کافی خندہ پیشانی سے اپنے تمام کام انجام دیتی۔

مگر چونکہ ناہید کے پیدا ہونے کے بعد وہ کافی کمزور رہنے لگی تھی.... اس باعث اور بھی پریشان ہو جاتی، نگار غریب بھی اس کے پاس نہیں رہ سکتی تھی.... کیونکہ اسے ماں کی تنہائی کا خیال رہتا تھا۔ آخر ایک دن غزالہ سے مشورہ کر کے اس نے اخبار میں "ایک مددگار کی ضرورت ہے" کا اشتہار نکلوا دیا
اس کا خیال تھا کہ کوئی اچھی عورت مل گئی تو پھر بڑے سکون سے وہ اپنے مقصد کو عملی جامہ پہنا سکے گی۔
یعنی ڈسپنسری کو زیادہ وقت دے سکے گی۔ اشتہار دیئے ہفتہ بھر ہو رہا تھا، کئی ضرورت مند آئیں، وہ اس کے معیار پر پوری نہیں اتریں.... وہ تو کوئی معقول شریف اور تعلیم یافتہ عورت چاہتی تھی، جو سلیقہ مند بھی ہو، اور جس پر پورا پورا اعتماد کیا جا سکے۔ ہنوز ابھی تک کوئی ایسی عورت نہیں آئی تھی جس کو وہ رکھ سکتی، اس بارے میں وہ کافی پریشان تھی آخر ایک دن غزالہ سے کہنے لگی۔
"بھئی غزالہ آخر کیا کروں ـــ اشتہار سے بھی کوئی فائدہ مند

صورت نہیں نکلی۔

غزالہ نے اسے اطمینان دلاتے ہوئے کہا۔

"گھبراتی کیوں ہو۔ ابھی تو ہفتہ بھر ہی ہوا ہے اشتہار دیئے ہوئے، اور پھر مشکل یہ ہے کہ جو آتی ہے وہ تمہیں پسند نہیں آتی پھر کیا ہو۔ خیر دو ایک روز اور دیکھتی ہوں... اور پھر پوری تفصیل کے ساتھ اشتہار دلواؤں گی کہ میں کس قسم کی مددگار چاہتی ہوں مجھے سب سے زیادہ اپنی ڈسپنسری کا خیال رہتا ہے

نشاط نے مسہری پر لیٹتے ہوئے کہا۔

"آخر تمہیں اس قدر جلدی کیا تھی ان دو دو شریروں کی۔

غزالہ نے مسکرا کر حسب عادت نشاط کو چھیڑا"۔

"تو پھر کیا تمہاری طرح بزدل ہوں کہ چار سال بعد ایک صاحبزادی تشریف لائیں اور وہ بھی کتنے نخروں کے بعد۔ اگر مسلسل تمہارا علاج اور احتیاط نہ کرتی تو یہ بھی وقت سے پہلے ہی نکل بھاگتی اور پھر تم میرے سات شریروں کو دیکھ کر منہ میں پانی بھر لاتیں۔" ......

نشاط نے ہنستے ہوئے کہا۔

"اجی میں نے کب تم سے خوشامد کی تھی بلکہ میں تو یہی سوچ رہی کہ تم بھی کرو جھگڑا۔ مگر تم کہاں ماننے والی تھیں۔"

غزالہ بولی۔

"اچھا خیر اب میرا شکریہ ادا کرو نا کہ تمہاری گود میں یہ پھول

مسکرا رہا ہے۔"

نشاط نے جواب دیا۔

"اوہ تم کیا ہو جی ۔۔" غزالہ نے ننھی رخشانہ کو آغوش میں بھینچ کر کہا۔ "بس خدا کی مہربانی اور قدرت ہے۔

"اف ری بے حیا ۔ اری بے غیرت، خدا تم جیسی بے شرموں سے بچائے ۔۔"

نشاط نے مسکرا کر غزالہ پر چوٹ کی۔

" اجی۔ حیا داری تو سب آپ کے حصے میں آگئی ہے، خوب جانتی ہوں کہ تم کتنے پانی میں ہو ..... تاج محل کی وہ ملاقات بھولی نہیں جب فخر بھیا سے پہلی بار میری ملاقات ہوئی تھی ... کیسے چٹاخ پٹاخ باتیں بنا رہی تھیں تم غزالہ نے نشاط کو ماضی کی جانب گھسیٹتے ہوئے کہا۔

"اوہ بھلا تم اس ملاقات کو کیونکر بھلا سکتی ہو غزالہ اسی دن تو تمہارا محبوب تمہیں ملا تھا... پھر بھلا وہ تمہیں کیونکر یاد ہو گی۔ اب چھوڑو بھی یہ باتیں کوئی کام کی بات کرو" نشاط نے ننھی ناہید کو دودھ پلاتے ہوئے کہا۔

"توبہ ہے کیا زمانہ تھا نشاط۔ کبھی سوچا بھی نہیں تھا کہ تم اس طرح لیٹ کر اپنی بچی کو دودھ پلاؤ گی۔ اور ہم ہمیشہ ساتھ رہ سکیں گے۔" غزالہ نے مسکرا کر قریب رکھے گملے سے پھول توڑ کر رخشانہ کو دیتے ہوئے کہا۔

"اچھا بس بس میرا گملا برباد نہ کرو، ایسا ہی شوق ہے تو صاحبزادی

کو نیا چمن لگوا دو۔

نشاط مسکرا کر بولی۔

"ادھر تمہارے پھول کیا میری رخسانہ سے زیادہ ہیں — واہ بڑی آئیں، یہ سب گنجا کر دے اس خالہ بی کا گملا۔" غزالہ نے رخسانہ کو گملے کے پاس کھڑا کر کے کہا۔

"نہیں مارو گی غزالہ — وہ سارے پتے نوچ لیگی۔"

نشاط نے رخسانہ کے ننھے ننھے ہاتھ گملے کی جانب بڑھتے دیکھ کر کہا۔

اور پھر فخر کو آتا دیکھ کر نشاط مسکراتی ہوئی کھڑی ہو گئی۔

غزالہ نے بھی دوپٹہ سنبھال کر اوڑھا اور بچی کو لے کر کھڑی ہو گئی۔

"کیوں خیر تو ہے اس وقت آپ کیسے۔؟"

نشاط نے فخر کو بے وقت آتا دیکھ کر مسکراتے ہوئے سوال کیا۔

"بھئی نشاط وہ آپ نے اشتہار بھی دیا تھا اخبار میں اس سلسلہ میں ایک لڑکی میرے دفتر میں آگئی ہے، یہ خط ہے۔ بھائی ضیاءالرحمٰن یاد ہوں گے آپ کو جن سے جرمنی میں ملاقات ہوئی تھی.... انھیں کا خط ہے لکھا ہے۔

"تمہاری بیگم صاحبہ کا اشتہار پڑھا تھا، یہ لڑکی بڑی اچھی اور ضرورت مند ہے، تم اس کو میری بہن سمجھ سکتے ہو، مجھے امید ہے کہ اسے ترجیح دی جائے گی، بہت اچھی اور قابل لڑکی ہے، باقی معلومات اس سے ہو سکتی ہیں۔

"کہاں ہے وہ ؟"

نشاط نے اشتیاق سے پوچھا،

"باہر ہے، ابھی لاتا ہوں۔" کہہ کر فخر چلے گئے، نشاط اور غزالہ اٹھ کر ڈرائنگ روم میں آگئیں اور چند منٹ کے بعد انھوں نے دیکھا کہ فخر کے ہمراہ ایک سولہ سترہ سال کی معصوم سی لڑکی آرہی ہے۔ سرخی مائل سفید رنگ، بڑی بڑی غزالی آنکھیں... پتلے پتلے گلابی ہونٹ... متناسب جسم۔ الغرض وہ حسنِ مجسّم تھی۔ اندر آکر ادب سے سلام کیا اور فخر کے اشارے پر ایک کرسی پر جا بیٹھی۔

فخر یہ کہہ کر آپ لوگ بات طے کیجیے مجھے دفتر میں ضروری کام ہے چلے گئے... غزالہ اور نشاط نے ایک بھرپور نظر اس حسنِ مجسّم پر ڈالی اور پھر ایک دوسرے کو دیکھنے لگیں کہ آخر اس آفتِ حسن کو ملازمت کی کیا ضرورت ہے، اور پھر طلعت سے گویا ہوئیں۔

"کیا نام ہے آپ کا۔"

اس نے بڑی نرمی سے پوچھا۔

"جی مجھے طلعت جمال کہتے ہیں۔" طلعت نے دھیرے سے نگاہ اٹھا کر جواب دیا۔"

"تعلیم کہاں تک ہے ؟" نشاط نے پھر سوال کیا۔

"ایف اے"۔ طلعت آہستہ سے بولی۔

"آپ کہاں کی ہیں"۔ نشاط بولی۔

"اب یہ پوچھ کر کیا کیجیے گا... بس یہی سمجھ لیجیے" کہ میں انتہائی ضرورت مند ہستی ہوں، اس سے آپ اطمینان رکھیے میں ایک شریف گھرانے کی لڑکی ہوں، اور ساتھ ہی ساتھ دنیا والوں کے لئے بوجھ بھی ہوں، اب تو نہ کہیں گھر ہے ـــ نہ وطن۔ آپ کا اشتہار دیکھا تو خیال آیا کہ شاید یہیں سکون میسر آ سکے... اور میں چل پڑی۔

ضیاء بھائی نے بہت اطمینان دلایا تھا۔ اور اسی اطمینان کے بھروسہ میں آپ کے پاس آئی ہوں۔"

طلعت کی آواز میں بلا کا درد کوٹ کوٹ کر بھرا تھا۔

"آپ شادی شدہ ہیں؟"

نشاط نے پھر ایک ٹیڑھا سوال کر دیا۔

"جی نہیں"

طلعت نے مختصراً کہا۔

اور پھر وہ دونوں معنی خیز نگاہوں سے ایک دوسرے کو دیکھنے لگیں کہ اب کیا کرنا چاہیئے۔ آخر پھر نشاط کہنے لگی۔

"مجھے آپ سے پوری ہمدردی ہے طلعت واقعی مجھے ایک قابل مددگار کی شدید ضرورت تھی... مجھے یقین ہے کہ آپ پوری توجہ اور دیانتداری سے ہر وہ کام انجام دیں گی جو میں سپرد کروں گی ـــ فی الحال آپ آرام کیجیے، اور پھر کام بتا دوں گی۔"

نشاط نے ہمدردانہ کہا۔

"میری مہربان میں آپکا کس زبان سے شکریہ ادا کروں ... آپ نے ایک تباہ ہو جانے والی ہستی کو تباہی سے بچالیا' میرا رواں رواں آپکا ممنون و مشکور رہیگا.... کام میں آپ کوتاہی نہ پائیں گی۔"

طلعت نے متشکرانہ جواب دیا.

"بس یہی میں چاہتی ہوں.

نشاط بولی.

"تو پھر کام مجھے بتائیے —" طلعت سعدی سے بولی۔

"ابھی فی الحال آپ آرام کیجئے۔"

نشاط بولی.

"نہیں آرام ...... اگر آرام دہیں قسمت میں ہوتا تو گھر کے آرام کو چھوڑ کر کیوں دربدر کی ٹھوکریں کھانے نکل پڑتی' اب تو میں کام کرنے آئی ہوں اور آپ بے تکلف مجھے سب بتا دیجئے. طلعت نے کہا.

"سنیئے طلعت آپ اس گھر میں نوکرانی بن کر نہیں آئی ہیں' بلکہ بحیثیت مددگار کے ہیں ۔ مجھے امید ہے کہ آپ بھی اپنے کو یہی درجہ دیں گی' اور پھر پوری ہمدردی سے' توجہ سے بچوں کی دیکھ بھال کریں گی' مجھے چونکہ ڈسپنسری سے بہت کم وقت ملتا ہے' اسی باعث یہ قدم اٹھانا پڑا ہے. اور یہ ہیں غزالہ' جو میری بہن ہونے کے علاوہ دوست

بھی ہیں۔ یہ بھی یہیں رہتی ہیں اور مجھے توقع ہے کہ ان کی صحبت میں آپ بڑی خوشی محسوس کریں گی، کیوں کہ یہ بے حد شریر، اور زندہ دل قسم کی انسان ہیں۔" نشاط نے شرارت آمیز تبسم سے غزالہ کی جانب دیکھتے ہوئے کہا، اور یہی سب کام بھی سمجھا دیں گی (گھڑی دیکھ کر) چار بج رہے ہیں، مجھے ایک مریض کو دیکھنے جانا ہے، اور بس" نشاط نے سب کچھ اسے سمجھاتے ہوئے کہا۔"

بہت اچھا! مگر آپ سے ایک گذارش ضرور کروں گی، اور وہ یہ ہے کہ آپ مجھے "آپ" سے مخاطب نہ کیجئے میں بہت ہی کم مایہ ہستی ہوں، رہا کام کا تو انشاءاللہ آپ کو جلد معلوم ہو جائے گا کہ میں کس دلسوزی سے آپ کا گھر سنبھالتی ہوں، اور مجھے یقین ہے کہ غزالہ بیگم کی صحبت میں بھی بہت کافی خوش رہ سکوں گی" طلعت نے مسرت کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔"

اچھا غزالہ میں تو چلی ان کو چمن کی جانب والا کمرہ دکھا دو، یہ اسی میں قیام کریں گی، اور تم اپنا سب سامان ٹھیک ٹھاک کرکے رکھ لو، جس چیز کی ضرورت پڑے، مانگ لینا، فی الحال سب اخراجات میرے ذمہ ہیں۔

مجھے تو بس روٹی ملتی رہے یہی بہت ہے، ورنہ اور.......

کسی بھی چیز کی فی الحال ضرورت نہیں۔ طلعت نے اٹھتے ہوئے جواب دیا۔

خیر خیر یہ سب بعد کی باتیں ہیں۔ اب میں تو چلی کم از کم ایک گھنٹہ بعد آؤں گی، چائے پر ملاقات ہوگی، اور بیگم نشاط جلدی جلدی تیار ہو کر چلی گئی ہے۔ غزالہ نے اپنی نوکرانی طیبہ کو بلا کر کہا وہ طلعت کو اس کے کمرہ میں پہنچا دے، اور طلعت نے کمرہ میں جا کر اپنا سامان رکھا ہوا پایا۔ اس نے ابھی تک بھی بکس کھول کر نہیں دیکھا کہ نادرہ نے کیا کیا بھر دیا ہے۔ اطمینان سے اس نے کمرہ کا جائزہ لیا اور پھر بکس کھول کر دیکھنے لگی۔ چھ ساڑیاں اور چار سوٹوں کا کپڑا تھا۔ جوتے کنگھا۔ برش۔ آئینہ۔ کریم، پاؤڈر۔ بنیان، کمربند غلاف، تولیہ اور نہ جانے کیا کیا الا بلا تھی، اور ایک لفافہ بھی رکھا تھا جسے طلعت نے جلدی سے چاک کیا، اس میں سَو روپیہ کے نوٹ تھے، اس محبت اور اپنائیت پر طلعت کے بے اختیار آنسو نکل پڑے جنہیں اس نے جلدی سے دوپٹہ کے پلو میں جذب کر لیا کمرہ میں ایک مسہری ایک میز دو کرسیاں، ایک تپائی اور الماری تھی، اس نے سب کو صاف کیا اور مسہری پر اپنا بستر جو ایک دری چادر کمبل اور تکیہ پر مشتمل تھا، سلیقہ سے بچھا دیا۔ میز پوش پھر سے جھاڑ کر بچھایا، اور اس پر کچھ سامان

لگا دیا ابھی وہ اس کام میں مصروف ہی تھی کہ طیبہ پھر آگئی جو تقریباً طلعت ہی کی ہم عمر تھی، اس نے کوشش کی کہ وہ بھی طلعت کا ہاتھ بٹائے، مگر طلعت نے یہ کہہ کر اب سب کام ہو چکا اسے روک دیا، اور پھر وہ طیبہ سے باتھ روم پوچھ کر نہانے چلی گئی۔ طیبہ بھی اٹھ کر چائے لگانے چلی گئی۔ طلعت نے نہا کر اطمینان کا سانس لیا، اس نے اس وقت ایک سفید جارجٹ کی ساری اور سیاہ لیڈی ہملٹن کا بلاؤز پہن رکھا تھا جو نادرہ نے اسے دیا تھا، باتھ روم سے واپس آ کر وہ اپنے لمبے سیاہ بالوں میں برش کر رہی تھی کہ طیبہ نے آ کر یہ بتایا کہ نشاط لان میں چائے پر اس کا انتظار کر رہی ہیں، وہ جلدی جلدی بال سنوار کر چلی گئی اور تاخیر کی معافی مانگتے ہوئے کرسی پر بیٹھ گئی۔

نشاط نے طلعت کو نگاہ تحسین سے دیکھا، اور اس کے حسن بے نظیر پر عش عش کر اٹھی اور پھر وہ کہنے لگی "بھئی طلعت اب یہ گھر تمہارا اپنا ہے تم ذرا بھی یہ محسوس مت کرنا کہ کس حیثیت سے ہو تم میری چھوٹی بہنا ہو، اور ہم دونوں کو باجی کہہ سکتی ہو مجھے ایک چھوٹی بہن کا ارمان تھا جو خدا نے تمہاری شکل میں پورا کر دیا ہے، مجھے تم سے واقعی بہنوں جیسا پیار ہو گیا ہے۔"

طلعت نے اظہار تشکر کے بعد جواب دیا "یہ آپ کی

بلند اخلاقی اور اعلیٰ ظرفی ہے، جو آپ نے مجھے بہن جیسے مقدس رشتہ سے نوازا ہے، سچ آپ نے بہن کہہ کر مجھے وہ سب کچھ عطا کر دیا جس کی میری روح متلاشی رہتی تھی، آپ کتنی مہربان اور مخلص ہیں! کاش میں آپ کے اس احسان کا بدلہ چکا سکتی۔

اوہ احسان کا ذکر نہ کرو تمہاری شکل ہی اتنی پیاری ہے کہ ہر ایک پہلی نظر میں تمہارا گرویدہ ہو جائے (بچوں کو بڑھا کر) اور یہ تمہارے شریر بھانجی بھانجے ہیں، جو ایک منٹ کے لئے بھی سانس نہیں لینے دیتے، یہ اطہر کمال ہے اور یہ ناہید کمال، اب تم ان کو سنبھالو سمجھو اور جانو، میں تو اب کی گئی آٹھ بجے آؤں گی، امید ہے کہ اس عرصہ میں تم غزالہ کی رفاقت میں اچھا وقت گزار سکو گی، نشاط نے محبت سے کہا:

انشاء اللہ آپ مجھے کسی کام میں بد دل نہیں پائیں گی۔"

طلعت نے خوشی سے کہا" ان ننھے منے بھانجی بھانجے کو پا کر میں بہت خوش ہوں، اور دل لگا کر ان کی دیکھ بھال کروں گی، مجھے یقین ہے کہ خدا نے چاہا تو آپ کو کبھی شکایت کا موقع نہیں ملیگا اور غزالہ باجی کی صحبت بھی یقیناً بڑی دلچسپ و خوش کن ثابت ہو گی۔

طلعت نے ننھی ناہید کو گودی میں لے کر پیار کرتے ہوئے کہا" اور ایک بھانجی یہ بھی ہے، جو تمہاری نگرانی میں رہے گی۔" غزالہ نے رخسار کو ہلکی گدگدی دیتے ہوئے کہا۔ "کیوں نہیں یہ سب میرا غم بھلانے کو کافی ہیں۔

میرا درد والم مٹا سکتے ہیں، آپ لوگ قطعی اطمینان رکھیے میں سب کچھ سنبھال لوں گی۔ بس ایک بار ہدایت کی ضرورت ہے طلعت نے رخسانہ کو بھی تھامتے ہوئے کہا۔"

یہ تون (کون) ہیں امّی دان (امی جان) تین سالہ اطہر نے نئی شکل دیکھ کر ماں سے سوال کیا۔

بیٹے یہ تمہاری نئی خالہ جان ہیں، اب ان کے پاس رہا کرنا، ان کے ساتھ کھیلا کرنا مجھے تو فرصت نہیں ملتی۔ یہ تمہیں پیار بھی کریں گی، مٹھائی بھی دیں گی، کھلونے بھی دیں گی، انہیں پریشان نہ کرنا، نشاط نے بیٹے کو پیار کرتے ہوئے کہا۔

اتّھا (اچھا) ہم کھالہ دان (خالہ جان) تو تبھی (کبھی) پریشان نہیں ترین دیں (کریں گے) اطہر نے معصومانہ کہا اور ننھے اطہر کی بات سن کر طلعت بے اختیار مسکرا دی اور پھر اطہر کو بھی اپنے پاس بلا کر پیار کرنے لگی۔ آیا آکر ننھی ناہید کو لے گئی، رخسانہ بھی چلی گئی۔ طلعت نے خود چائے بنا کر سب کو دی، نشاط جلدی جلدی چائے پی کر ڈسپنسری چلی گئی، آج وہ بہت مطمئن ہو گئی تھی، غزالہ و طلعت وہیں بیٹھی باتیں کرتی رہیں، فخر تو دفتر سے نشاط کے پاس ڈسپنسری چلے جایا کرتے تھے۔

اختر کی آمد پر طلعت کو البتہ سر دفعہ کھڑا ہونا پڑا۔ غزالہ نے

تعارف کرایا، اور پھر طلعت نے اختر کے لئے بھی چائے بنائی۔ رات گئے تک یہ لوگ وہیں بیٹھے باتیں کرتے رہے اور پھر فرخ، نشاط کے آنے پر اٹھ کر اندر چلے گئے۔ طلعت کافی مطمئن اور خوش تھی، بس باپ کے تصور سے پریشان ہو جاتی تھی، اور پھر اس نے کمرہ میں واپس آکر نادرہ کو اطمینان بھرا خط بھی لکھ دیا۔

———

(۸)

جمال الدین صاحب تو سمجھتے تھے کہ ان کی بیٹی ماں کی رفاقت میں بہت خوش ہے اور اس شادی سے تو بے حد مسرور تھے اور حمیدہ بیگم کے وہم و گمان میں کبھی یہ نہیں آسکتا کہ طلعت ان کے دستِ ظلم سے فرار ہو کر دُور نکل جائے گی دوسرے دن سات بجے تک طلعت نظر نہ آئی، تو فرمانے لگیں۔"

اُف توبہ ہے دس بجنے کو آئے اور آج طلعت کی آنکھ اب بھی نہیں کھلی، آخر یہ دس دس بجے تک سونے کی بگڑی عادت کیوں ڈالی جا رہی ہے، جاؤ اسے جگاؤ تو سہی۔"

حمیدہ بیگم نے اپنی خاص نوکرانی کریمن بوا سے کہا۔

بہت اچھا بیوی کہہ کر کریمن چلی گئی۔

"سبھی سونے بھی دو۔ آخر اب اس کی شادی ہو جائے گی تو یہ بے فکری کا زمانہ پھر کہاں، ماں باپ ہی کے گھر لڑکیاں عیش کر لیتی ہیں، پھر یہ دن کہاں" آج نہ جانے کیوں جمال صاحب کی محبت اُبھری اور انھوں نے بیگم سے بھی اظہار کر دیا۔"

اے لس یہی بات تو آپ کی ایک آنکھ نہیں بھاتیں۔ میں اگر اتنا دبا کر نہ رکھوں تو تمہاری لڑکی سر پر آ جائے۔ بھلا سسرال میں لوگ کیا تھوکیں گے کہ کیسی کاہل اور نکمی لڑکی ہے۔" حمیدہ بیگم نے منہ بنا کر پھر زہر اگلا۔

کسی غیر جگہ تو جا نہیں رہی، وہ بھی اپنا ہی گھر ہے۔ آخر کو صفدر تمہارا ہی بھتیجہ تو ہے کیا تمہاری بھاوج ہو کر دُکھ پہنچا سکیں گی۔" جمال صاحب نے مسکرا کر انگڑائی لیتے ہوئے کہا۔

اے ہے تو میں کب کہتی ہوں کہ غیر گھر ہے۔ اپنا ہی ہے مگر پھر بھی یہ عادت بہرحال اچھی نہیں لڑکی ذات کے لئے۔ حمیدہ بیگم نے قدرے متبسم ہو کر کہا۔"

خیر خیر کوئی بات نہیں اٹھ گئی ہو گی، ابھی تو ساڑھے سات ہی بجے ہیں، جمال صاحب نے گھڑی کی جانب نظریں ٹال کر جواب دیا۔

اور کریمن ہانپتی کانپتی کمرہ میں داخل ہوئیں، اے بیوی بی

تو کوٹھا۔ کمرہ، غسل خانہ سب کچھ دیکھ آئی، مگر بیٹیا کا کہیں کچھ پتہ نہیں حمیدہ بیگم بڑبڑاتی ہوئی خود اٹھ کر گئیں، اور ادھر ادھر تلاش کرنے لگیں، مگر طلعت کوئی سوئی تو تھی نہیں اب ان کا ماتھا ٹھنکا، اور واپس آکر میاں سے کہنے لگیں واقعی اس کا تو کہیں کچھ پتہ نہیں، خدا جانے کہاں چلی گئی۔ میرا تو دل بیٹھا جا رہا ہے تم خود چل کر دیکھو نا۔

"ارے غسل خانہ میں ہوگی، اور چلی کہاں جائے گی" کہہ کر جمال الدین صاحب خود اٹھ کر اس کے کمرے میں چلے گئے، مگر وہاں ہو کا عالم تھا، اس کی ایک ایک چیز مالکہ کے جانے پر فریاد کناں نظر آرہی تھی، عجیب طرح کا سناٹا چھایا ہوا تھا۔ وہ بھی حیران ادھر ادھر نظریں دوڑانے لگے، اور پھر میز پر ان کو اپنے نام لفافہ رکھا نظر آیا، جسے انھوں نے جلدی سے اٹھا لیا، اور چاک کرکے پڑھنے لگے۔

پیارے ابا جان!

میں نے بہت چاہا کہ کم از کم بھیا کے آنے تک میں اس ظلم و ستم کو برداشت کرتی رہوں جو آپ کی عدم موجودگی میں اماں جان کے ہاتھوں مجھ پر ہر روز نت نئے انداز میں توڑے جاتے رہے ہیں، مگر قدرت کو یہ منظور نہ ہوا۔ میں سب کچھ برداشت کر سکتی تھی، مگر صفدر صاحب کا وجود ہی میرے لئے موت سے کسی

بھی طرح کم نہیں تھا۔ میں نے ہر چند اپنے دل کو تسلی دے رکھی تھی کہ آپ ضرور میرے حق میں فیصلہ کریں گے۔ مگر یہ بھی میری بد قسمتی تھی کہ آپ نے امّاں جان کے حق میں فیصلہ دیا۔ جس سے میری رہی سہی امّید بھی ٹوٹ گئی۔ میں نے تعلیم اس واسطے حاصل کی تھی کہ اپنی زندگی سنوار لوں نا کہ اس لئے کہ ایک جاہل اور اوباش کی صحبت میں گھٹ گھٹ کر مر جاؤں۔ مگر آہ ..... اس گھر میں مجھے اتنا حق بھی نہیں دیا گیا کہ میں اپنی قسمت کے فیصلہ کے آگے زبان کھول سکتی۔ میری تعلیم بند کر دی گئی، میں نے صبر کر لیا، نادرہ سے ملنا جلنا بند کر دیا گیا.... میں نے اُف نہ کی۔ بھائی جان کے خط بغیر مجھے دکھائے صرف بتا کر جلا دیئے جاتے تھے، مگر میں نے نہ شکایت کی نہ آہ کی۔ لیکن اب یہ صفدر صاحب کو جو جبراً مجھ پر مسلّط کیا جا رہا ہے میں اسے گوارا نہیں کر سکتی، مجھے اس سے شدید نفرت ہے مگر میرے جذبات کا کسی کو بھی احساس نہیں ہوا۔ خیر آج میں جا رہی ہوں بے بس اور بیکس بن کر تنہا بہ تقدیر جا رہی ہوں، میری تلاش عبث ہوگی نہ جانے کہاں جاؤں ابھی اپنی منزل کا مجھے بھی پتہ نہیں قسمت جہاں بھی لے جائے، مگر آپ اطمینان رکھیے کہ طلعت آپ کی اور

مرحومہ سلیمہ رانو کی بیٹی ہے، جہاں اس کی عصمت پر آنچ آئے گی وہیں وہ اپنی جان دیدے گی، اور پھر جب بھی میں نے محسوس کیا کہ حالات ساز گار ہیں، میں آپکی قدم بوسی کیلئے حاضر ہو جاؤں گی۔

میں یہ جانتی ہوں کہ میرے جانے کے بعد آپ کو کیا کچھ نہ سننا پڑے گا۔ مگر میں مجبور تھی، اور بےحد لاچار کردی گئی تھی، تب یہ قدم اٹھانا پڑا ہے، کاش آپ جان سکتے اگر آپ کی طلعت پر کیا گذرتی ہے تو یہ نوبت کیوں آتی مگر قسمت کے لکھے کو کون مٹا سکتا ہے۔

بہرکیف اپنی اس نالائق بیٹی طلعت کو معاف کر دیجئے، جس کی بدولت آج آپ کو شرمندگی کا شدید احساس ہو رہا ہے مگر مجبوری سب کچھ کراتی ہے اپنی امی مرحومہ کے چند زیورات جو انھوں نے انتقال سے دو روز قبل مجھے سونپے تھے لئے جارہی ہوں، کیونکہ وہ مجھے اپنی جان سے زیادہ عزیز ہیں، باقی سب کچھ یہیں ہے جب یہ گھر ہی مجھ سے چھوٹ گیا تو اس کی ان چیزوں کو لیکر کیا کرتی، پیارے ابا جان خدا کے لئے معاف کر دیجئے اپنی گنہگار طلعت کو، بھائی جان کے آجانے کے بعد میں ضرور آؤں گی، بس ایک سال کے لئے رخصت میرے حق میں دعائے خیر کیجئے کہ خدا مجھے ثابت قدم رکھے کہ میں آپ کی دعاؤں کی محتاج ہوں، وقت کم ہے لہٰذا خدا حافظ

آپ کی نالائق بیٹی

طلعت

خط جمال صاحب کے ہاتھ میں تھا اور وہ سر سے پیر تک تھر تھر کانپ رہے تھے، ان کا سر چکرا رہا تھا۔ غم اور غصّہ سے بڑا حال تھا۔ آہ آج ان کی آنکھیں کھلیں، اور انھیں پتہ چلا کہ ان کی نئی نویلی بیگم نے بن ماں کی معصوم بچی مظلوم طلعت پر کیسے کیسے ستم توڑے ہیں۔ انھیں اس عورت سے اس وقت شدید نفرت ہو رہی تھی، مگر بے بس تھے وہ آخر ان کی بیوی تھی، ان کے بچّے کی ماں تھی، شریف انسان کے لئے طلاق کا لفظ منھ سے نکالنا ہی معیوب ہے۔ آنسو بے اختیار ان کی آنکھوں سے بہہ بہہ کر ان کی داڑھی کو تر کر رہے تھے۔ اور پھر وہ تھام کر کرسی پر بیٹھ گئے حمیدہ بیگم نے جو میاں کی یہ دگرگوں حالت دیکھی تو سوالات کی بوچھار کر دی۔

"کیا ہوا طلعت کو؟ کہاں گئی؟ کیسا خط ہے؟ کیا ہے؟ مگر جمال صاحب کے اس وقت خود حواس درست نہیں تھے، بیوی کے سوالات سے تنگ آکر بے اختیار جھلا پڑے۔

کہاں جاتی طلعت۔ تم نے اس بن ماں کی معصوم بچّی کے ساتھ سلوک ہی بہت اچھا کیا تھا۔ میں تو سمجھتا تھا کہ تم میری بچی کی اچھی طرح پرورش کر سکو گی مگر آہ! آج وہ تمہاری بدولت گھر سے بے گھر ہو گئی، اف تم نے مجھے بھی اس کی طرف سے بے نیاز کر دیا تھا، مگر عورت تو ناگن ہے ناگن۔ آہ افسوس میری آنکھیں کیسی اس مصنوعی چمک سے خیرہ ہو گئیں کہ مجھے طلعت بھی نظر نہیں آتی تھی۔ آہ میری بچی تو نے مجھے سب کچھ بتا دیا ہوتا تو یہ

نوبت کیوں آتی، میری بے زبان بچی اُف تجھے بھائی تک کے خط پڑھنے کی اجازت نہیں تھی' اور تو نے کبھی مجھ سے شکایت نہیں کی تو نے اس مکار عورت کے ستم سہہ لئے، اور کبھی مجھ سے شکوہ نہیں کیا۔ میں کیا کروں، میرے خدا کہاں اسے تلاش کروں۔ آہ میرا سر چکرا رہا ہے ... نہ جانے کہاں ہوگی میری طلعت" جمال صاحب نے حقارت بھری نظر سے حمیدہ بیگم کو دیکھا، اور پھر کہنے لگے۔

"اب تو تمہارے کلیجہ میں ٹھنڈک پڑ گئی ہوگی۔"

"ہاں ہاں دشمن تو بس میں ہی تھی:" حمیدہ بیگم نے ماتھا پیٹ کر اور بُرا سا منہ بنا کر کہا۔ "لو اور سنو جلنا کیا اتنا ہی خاک میں ملا۔ نہ جانے کس کس کے خط آتے رہتے تھے تو میں جلا دیتی تھی۔ بھلا جوان لڑکی کے یہی لچھن ہوتے ہیں، یہ سب نادرہ کی حرکت معلوم ہوتی ہے، اور پھر جیسے آپ کی بچی بڑی معصوم ہی تو تھی، یہ تو میرا دل ہی جانتا ہے کہ اسے کیسے کیسے بھرا اور بھگتا ہے۔

"اچھا اچھا بکواس بند کرو، اور دفع ہو جاؤ، میرے سامنے سے"۔ جمال صاحب نے غصہ سے چیخ کر کہا۔ "طلعت کو تم مجھ سے زیادہ کیا جان سکتی ہو ۔۔ وہ میری بچی ہے، تمہاری تھوڑی ہے، اور پھر وہ بیوی کو جھڑک کر رہ نادرہ کی کوٹھی کی طرف چلدیئے۔

دل میں ہزاروں طوفان بھرے تھے، سر سے پیر تک کانپ رہے تھے۔ معلوم ہوا کہ وہ ابھی سو رہی ہے۔ آخر پھر چند

منٹ کے بعد نادرہ و ضیا دونوں نے آکر ادب سے سلام کیا اور تاخیر سے آنے کی معافی مانگ کر آنے کی وجہ پوچھنے لگے۔ حالانکہ وہ جانتے تھے کہ وہ کس مقصد کے لئے تشریف لائے ہیں مگر پھر بھی۔ اور جمال صاحب نے ایک آہِ سرد کے ساتھ سارا ماجرہ بے کم و کاست سُنا دیا۔ وہ بہت زیادہ بدحواس تھے آخر عزت کا سوال تھا، دُنیا کو کیا منھ دکھائیں گے۔ مگر نادرہ و ضیاء نے کمال دلیری کے ساتھ لاعلمی کا اظہار کیا کہ ہمیں کچھ بھی پتہ نہیں"۔ نادرہ کہنے لگی۔

"کل میری اس سے ملاقات ہوئی تھی، کیونکہ چچی حمیدہ نے اس کی شادی کے تذکرے کے سلسلے میں مجھے بلایا تھا، وہ بہت زیادہ رنجیدہ اور پریشان تھی لیکن اس نے مجھ سے اس قسم کا کوئی ذکر نہیں کیا کہ وہ کہیں جانے کا ارادہ رکھتی ہے، گو میں اسے بہت سمجھا بجھا کر آئی تھی کہ گھبراتے نہیں ہم لوگ چچا سے کہیں گے، مگر وہ واقعی بے حد بدحواس نظر آرہی تھی۔

جمال صاحب کو یقین آگیا کہ یہ لوگ کچھ نہیں جانتے، اور پھر بیچارے بڑے مایوس ہوکر گھر لوٹ آئے، اب انھیں زندگی وبال نظر آرہی تھی، کئی دن دن تک چلنے پھرنے کے قابل نہیں رہے۔ طلعت کی تلاش میں کوئی کسر اُٹھا نہیں رکھی۔ دوستوں کو خطوط لکھے اور ان سارے مراحل میں ضیاء اور نادرہ دوش بدوش

رہے. مگر طلعت کا پتہ چلنا تھا نہ چلا، اور اب جمال صاحب کچھ زیادہ ہی بوڑھے نظر آنے لگے کسی بات سے انھیں دلچسپی ہی نہیں رہی تھی۔ بیوی سے انھیں شدید نفرت ہوگئی تھی، ان کی صورت دیکھنا بھی گوارہ نہیں تھا. مگر بچے کے باعث نبھانا ہی پڑ رہا تھا، مگر وہ التفات بھلا اب کہاں تھا، صفدر صاحب نے کچھ دن انتظار کیا، اور پھر پھوپھی کو یہ تسلی دے کر میں تلاش کر کے لاؤں گا، رخصت ہو گئے۔

حمیدہ بیگم بھیگی بلی بن چکی تھیں، شکار ان کا جال توڑ کر بھاگ نکلا تھا، اور ان کی قسمت کا تابناک ستارہ گردش میں آچکا تھا جمال صاحب کا دل پھر نہ مل سکا تھا. وہ سب سے زیادہ اس بارے میں فکرمند تھے کہ آخر سلیم کو کیا جواب دیں گے.... جن کی وہ چہیتی اور لاڈلی بہن ہے، مگر کوئی حل ان کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا. نادرہ نے سب حالات لکھ کر طلعت کو بھیج دیئے. جسے پڑھ کر طلعت اپنی بدنصیبی اور نالائقی پر بے اختیار رو دی، مگر اب اس کے اختیار میں بھی کچھ نہیں تھا. وہ سلیم کے آنے تک اس گھر میں جانا نہیں چاہتی تھی، جہاں اس کو دکھ کے سوا کچھ بھی نہیں ملا۔

باپ کو اس نے خدا کی حفاظت میں دے دیا تھا، اور بھائی کو بھی فی الحال بے خبر ہی رکھا کہ وہ کہاں اور کس حال میں ہے. البتہ نادرہ کو لکھ دیا تھا کہ جب بھائی جان آجائیں تو فوراً

ان کو میرا پتہ بتا دیا جائے۔ اور سلیم کے واپس آنے میں ایک سال پڑا تھا نادرہ جمال صاحب کی حالت سے بہت زیادہ متاثر تھی۔ مگر وہ بھی مجبور تھی، کیونکہ حالات ہی ایسے تھے، اور پھر طلعت نے بھی قسم دیدی تھی۔

۹

نگار ابھی خواب خرگوش کے مزے لے ہی رہی تھی کہ اس کی ننھی بہن سلطانہ نے آکر بری طرح اسے جھنجھوڑ ڈالا۔ باجی ..... باجی...... اے نگار باجی ارے اللہ اٹھئے تو سہی جلدی سے آپ کو امی جان بلا رہی ہیں۔ بھائی جان کا تار آیا ہے۔ وہ اگلے ہفتہ آرہے ہیں۔ اللہ باجی اٹھ جائیے نا اب تو چار بھی بج چکے ہیں:" سلطانہ نے ایک ہی سانس میں سب کچھ کہہ ڈالا:

نگار نے کسمسا کر آنکھیں کھولیں اور پھر کچھ جھلا کر سلطانہ کو ڈانٹنے لگی۔ تم بہت نالائق ہو سلطانہ مجھے اتنی زور زور سے ہلا ڈالا کہ ابتک میرا دل دھڑک رہا ہے۔ کس کا تار آگیا ہے آخر

سلطانہ اس ڈانٹنے جانے پر منہ بسورنے لگی اور پھر نگار نے بڑھ کر اسے پیار کر لیا۔ میری اچھی بہن روتے نہیں اتنی زور سے نہیں جگایا کرتے۔ ہاں اب بتاؤ کیا بات ہے۔ نگار کے حواس درست ہوئے تو اس نے ڈوپٹہ اوڑھتے ہوئے سوال کیا۔"

بھیا کا تار آیا ہے۔ بھیا امی نے مجھے بھیجا ہے کہ آپ کو بلا لاؤں۔ اور پھر ظہر کی نماز کا وقت بھی ختم ہوا جا رہا ہے، اب چلئے نا جلدی سے امی پریشان ہو رہی ہیں۔" سلطانہ نے خوش ہو کر کہا۔"

اوہ کہہ کر نگار بھائی کے تار کی اطلاع پا کر ننگے پیر ہی۔ ڈرائینگ روم کی طرف بھاگی۔ جہاں فرزانہ بیگم ہاتھ میں تار کا لفافہ لئے کچھ حیران اور پریشان سی بیٹھی تھیں۔ کیونکہ بچاری ظفر جمال کے بارے میں بڑا ہی نازک دل رکھتی تھیں۔ گو ڈاکیہ سے یہ پتہ چل گیا تھا کہ اس کی آمد کی اطلاع کا ہے۔ مگر پھر بھی نہ جانے کیوں ان کا دل بے اختیار دھڑک رہا تھا۔ نگار نے آگے بڑھ کر جلدی سے لفافہ لے کر چاک کیا اور پھر بے اختیار ماں کے گلے میں باہیں ڈال کر کہنے لگی امی جان اگلے پیر کو آرہے ہیں۔ بھیا خیریت سے ہیں، انہوں نے یہ بھی لکھا ہے کہ میرے ساتھ ایک معزز مہمان بھی ہے۔ ذرا تم لوگ تیار رہنا اور مہمانوں والا کمرہ درست رکھنا۔ نہ جانے کون مہمان ہیں ان کے ساتھ اف توبہ پانچ سال کے

کے بعد بھیا کے آنے کی خبر ملی تو۔ نہ جانے انہوں نے چچا جان کو بھی تار دیا ہے یا نہیں۔ میں ابھی تار دلواتی ہوں اور پھر ہمیں کل ہی بمبئی کے لیئے روانہ ہو جانا چاہیئے۔ آپ بھی چلیں گی امی جان نگار نے پوچھا:

مگر فرزانہ بیگم نے بیٹے کی بامراد آنے کی خوشخبری سنی تو ان کی آنکھوں میں بے اختیار خوشی سے آنسو چھلک آئے جن میں شوہر مرحوم کی یاد بھی روشن تھی اور پھر وہ آنسو ڈھلک کر دامن میں جذب ہونے لگے، انہوں نے نگار کو جواب دیئے بغیر ہی اپنے خالق کے حضور میں ہاتھ پھیلا دیئے: اے عرض و سما کے مالک، اے خالق دو عالم۔ اے بار الہا، تیرا لاکھ لاکھ بار شکر و احسان ہے کہ میرا بچہ کامیاب و کامران آ رہا ہے۔ میرے مالک اسے یوں ہی منزل بہ منزل ترقیاں عطا فرمانا، اسے ہمیشہ شاد و آباد رکھنا، اس کو دین و دنیا کی تمام تر وسعتوں سے نواز دے تو بڑا کارساز ہے، تو بڑا رحیم و کریم ہے تجھے سب قدرت ہے تو ہر کام پہ قادر ہے میرے بچہ کی حفاظت بھی تو ہی کر اور جان کی سلامتی کے ساتھ مجھ سے لا ملا۔ تیری رحمت بہت بڑی ہے میرے مالک، اور اپنی رحمت کی سدا بارش کر اس بچہ پر جو میرا ہے، میری زندگی کا آسرا ہے، میرے کلیجہ کا ٹکڑا ہے میرا منہ اس قابل نہیں کہ تیرا شکرانہ ادا کر دوں، مرحوم شوہر کے تصور

سے پھر ان کی آنکھیں اشک بار ہوگئیں، جنہیں نگار کے خیال سے جلدی سے پلو میں جذب کر لیا۔ اور ایک بار پھر سجدۂ شکر بجالائیں نگار بڑی محویت سے ماں کی والہانہ محبت کا انداز دیکھتی رہی اور پھر وہ مسکرا کر کہنے لگی۔

"امی آپ نے بتایا نہیں کہ آپ بھی چلیں گی کیا؟"

"نہیں میری بچی میں جا کر کیا کروں گی۔ بس تم فرخ اور نشاط کو تار دلوا دو۔ دونوں بہنیں چلی جانا نشاط اور فرخ چلی جائیں گی، میں کہاں اتنا لمبا سفر کر سکوں گی۔ اور پھر مجھے بہت سارے کام بھی انجام دینے ہیں۔" فرزانہ بیگم نے جواب دیا۔

"اچھا کہہ کر نشاط نے اپنے گھر کے قدم منشی اکرام اللہ خاں کو بلوایا اور وہ ابھی تار کے متعلق ہدایت ہی دے رہی تھی کہ پھر اسے خیال آیا کہ نہ جانے وہ لوگ کہاں ہوں تار پہنچے نہ پہنچے، اس سے بہتر تو یہ ہے کہ ٹرنک کال کر دوں اور پھر وہ اپنی عزیز دوست سیما کی کوٹھی جا پہنچی جو قریب ہی تھی۔ آ کر وہ فون کرنے پر پتہ چلا کہ وہ لوگ آج صبح ہی بارہ بنکی گئے اور پھر اس نے بارہ بنکی سے کنکشن ملوا کر فون کیا۔

اتفاق سے فون طلعت نے اٹھایا: "ہیلو... ہیلو... کون صاحب ہیں؟"

"آپ کون ہیں؟" نگار نے نئی آواز سن کر حیرانی سے پوچھا، وہ

سمجھی کہ شاید کسی غلط نمبر سے مل گیا"۔

"مگر آپ نام تو بتائیے" طلعت کی آواز پھر آئی۔

"میں نگار بدر ہوں بچی نشاط سے ضروری کام ہے مہربانی فرما کر انہیں فوراً بلا دیجئے"، نگار بولی:

اچھا نگار صاحبہ اور میں طلعت جمال ہوں۔

اوہ تو میں نے ٹھیک ہی سمجھا اچھا ذرا جلدی کیجئے۔"

نگار پھر بولی:

طلعت بہت اچھا کہہ کر ریسیور یونہی چھوڑ کر بھاگی اور نشاط کو بلا لائی۔ اور نشاط نے بتایا کہ کل ہی انہیں جمال کا تار مل چکا ہے ہم لوگ آگرہ سے چل کر رات بارہ بجے آئے اور اب یہاں سے چل کر گیارہ بجے رات کو لکھنؤ پہنچیں گے کیونکہ ہم لوگ تمہیں لینے آ رہے ہیں تیار رہنا کل فوراً بمبئی کے لئے روانہ ہونا ہے۔ اعتماد اور منصور بھی چل رہے ہیں اور غزالہ بھی باقی سب لوگ بھابی فرزانہ کے پاس رہیں گے"؛

مگر کیا طلعت صاحبہ نہیں چلیں گی، ہمارے ساتھ"؛ نگار کی آواز سے لاتعداد خوشی کی جھنکاریں عیاں تھیں؛

نہیں وہ نہیں جائیں گی۔ فی الحال انکار ہے امید ہے تم دونوں خود نمٹ لینا بس ہم لوگ ایک گھنٹہ بعد یہاں سے چل پڑیں گے کاروں کے ذریعہ گیارہ بجے تک پہنچ سکیں گے تیار رہنا،، نشاط

نشاط نے بات ختم کرتے ہوئے کہا:"

"اچھا آئیے ہم لوگ منتظر ہیں شکریہ! نگار بھی ریسور رکھ کر اور سیما کو خوشخبری سنا کر بھاگی ہوئی مگر آئی اور ماں کو سب باتیں بتا کر جلدی جلدی کمرے درست کروانے لگی۔ اسکے بھاگ دوڑ میں آٹھ بج گئے اور پھر وہ سوٹ کیس تیار کر کے ہمہ تن انتظار بن بیٹھی۔ ابھی تین گھنٹے باقی تھے اور اس لئے یہ وقت کاٹے نہیں کٹ رہا تھا، اور پھر وہ وقت گذاری کے خیال سے باغیچہ کی روشوں پر چہل قدمی کرنے لگی۔ خوشی سے برا حال تھا اور خیالات کا ہجوم اسے گھیرے ہوئے تھا۔

دسویں کا چاند فلک پر نور کی بارش کر رہا تھا اور باغیچہ کا ہر پیڑ پودا اس نور میں غسل کر رہا تھا چاروں طرف چاندنی بکھری پڑی تھی ٹھنڈی سی ہوا چل رہی تھی اور نگار نہ جانے کیا کیا سوچ رہی تھی۔

وہ تو اپنے بھیا کی آمد کی خوشی سے پھولی نہیں سمار ہی تھی آج وہ خوش تھی، بے حد خوش اور بھائی کے آنیکی جو مسرت تھی وہ تو تھی ہی مگر کوئی اور بھی تو آ رہا تھا، کسی اور کی آمد کی اطلاع نے بھی تو اسے مدہوش کر دیا تھا، ہاں، ظہیر احمد بھی تو آ رہے تھے۔۔ ظہیر جو اس کے ماموں زاد بھائی اور اس کے من مندر کے دیوتا بھی ہیں، جن کے تصور نے ہمیشہ اسے تسکین دی ہے، جس کو۔

اس نے سوتے جاگتے ہنستے بولتے ہر حالت میں اپنے سے قریب تر پایا ہے، جس کو وہ دل ہی دل میں پوجتی چلی آئی ہے، اسے ظہیر کی جدائی بھی بڑی گراں تھی۔ مگر..... اب..... ہاں اب تو وہ دونوں ساتھ آ رہے ہیں۔ یا اللہ تیرا شکر ہے کہ ظہیر بھی اپنے اعلیٰ مقاصد میں بامراد آ رہے ہیں، اف توبہ کیسا دل گھبراتا ہے بغیر بھیا کے یہ گھر کیسا اداس اداس اور ویران لگتا تھا... مگر اب، اب تو بہار آ جائے گی، تاکہ پھر ہمارے اس ننھے سے گلشن میں دو گنی بہاریں آ جائیں گی، اور پھر بھیا کے ننھے منے بچوں کی کلکاریوں سے یہ گھر کی سونی فضا گونج اٹھے گی مگر وہ خود ہی اپنے ان خیالات پر مسکرا پڑی۔ واہ ابھی کہیں شادی کا ذکر بھی نہیں اور میں بچوں تک جا پہنچی۔ کتنی خوش تھی آج نگار یہ تو کوئی اس کے دل ہی دل سے پوچھے، یہ ہفتہ اسے بڑا طویل نظر آ رہا تھا، اس نے گھڑی دیکھی تو نو بج کر بیس منٹ ہی آئے تھے، اف خدا جانے کب گیارہ بجیں گے، اسے بڑی جان کا بھی بڑی بے چینی سے انتظار تھا، اور پھر وہ قریب بیٹھی حشمت سے کہنے لگی۔

"سلطانہ کو بلا لاؤ۔ حشمت ذرا" اور بہت اچھا کہتی ہوئی حشمت اندر کوٹھی میں چلی گئی اور نگار پھر اپنے خیال میں غرق ہو گئی۔

ظہیر۔۔۔ میرے ظہیر تم بھی تو آرہے ہو بھیا کے ساتھ۔۔۔۔۔
۔۔۔ ظہیر تم میرے دل میں بستے ہو میری روح میں رچے ہو کیا تمہیں بھی
خیال ہے میرا۔ نگار کا ہاں اس نگار کا جو تمہاری دل ہی دل میں
پرستش کرتی ہے ایسے کہو، مگر خدا کرے کہ نہ ہو، اور میری محبت
کی آگ صرف مجھی تک محدود رہے۔ (چونک کر چاروں طرف دیکھنے
لگی کہ کوئی اس کی باتیں سن تو نہیں رہا ہے، مگر پھر اسے خیال
آیا۔ یہ بھیا کے ہمراہ تیسرے مہمان کون آرہے ہیں خدا جانے کون
ہوگا، اور پھر وہ کوٹھی کے اندر چلی گئی، سلطانہ اب تک بھی نہیں
آئی تھی، اس نے دیکھا کہ وہ کھانا کھا رہی ہے تو وہ ایک
بار پھر کمروں کا جائزہ لینے کی نیت سے ادھر کی جانب لپکی تھی،
اوہ۔ مگر میں تو بھول ہی گئی کہ طلعت صاحب کے واسطے
ایک الگ کمرہ ہو، خدا جانے وہ کس عادت اور اخلاق
کی مالک ہوں، میرے ساتھ رہنا پسند کریں یا نہ کریں ویسے بچی
جان نے تو بہت تعریف کی ہے کہ بے حد سلیقہ مند مہذب ہے،
بہت سادہ اور شائستہ ہے میری ہم عمر ہے بے انتہا حسین ہے
اور کسی بڑے گھرانے کی معلوم ہوتی ہے، مگر حالات ابھی
تک پوشیدہ ہیں۔ کام بہت دلچسپی سے کرتی ہیں وغیرہ وغیرہ
اور پھر نگار اس سے ملنے کی اور بھی زیادہ مشتاق نظر آنے
لگی۔ اپنے برابر والا کمرہ خاص طلعت کے واسطے ہی

آراستہ کروا دیا۔

اور ادھر بارے خوشی کے سلطانہ کا برا حال تھا، وہ اپنی امی سے لپٹ لپٹ جاتی تھی" امی بھائی جان آرہے ہیں آہا ظہیر بھیا بھی آئیں گے اب تو بڑا مزا آئے گا۔ میرے واسطے دونوں بھیا بڑی اچھی اچھی چیزیں لائیں گے۔

" بس کرو سلطانہ" فرزانہ بیگم اس کی طفلانہ باتوں پہ بے اختیار مسکرانے لگیں،

اب باقی خوشی ان لوگوں کے آجانے کے بعد کے واسطے بھی تو اٹھا رکھو، اور دیکھو اب تمہارے چچا جان، چچی جان، ممانی غزالہ بیچی سب ہی تو آرہے ہیں۔ شرارت نہ کرنا، بڑی اچھی بیٹی ہے انہوں نے پیار کیا جاؤ اب سو رہو۔

واہ امی سب ہمارے گھر آرہے ہیں اور ہم سو جائیں اور اونہہ میں تو جاگتی رہوں گی، اور امی اظہر، ناہید رخسانہ سب ہی آئیں گے، آہا بڑا مزہ ہے، اب تو اور وہ پھر اچھلنے لگیں۔

" اچھا جاؤ اب ادھر کھیلو فرزانہ بیگم باورچی خانے کی جانب جاتے ہوئے بولیں اور سلطانہ ہنس کر وہاں سے بھاگ گئی۔ فرزانہ بیگم کو یہ دیکھ کر اطمینان ہو گیا، کہ سب کھانا تیار ہے، اور پھر وہ واپس آکر ڈرائنگ روم میں صوفے پر لیٹ کر ہمہ تن انتظار بن گئیں۔ مگر خیالات انہیں ماضی میں گھسیٹ کر

ے گئے۔ آج وہ خوش بھی تھیں اور اداس بھی رنجیدہ بھی
تھیں اور مسرور بھی، رہ رہ کر انہیں مرحوم شوہر کی یاد ستا رہی
تھی، اور پھر وہ بے اختیار اٹھ کر بدر کمال کے اس فوٹو کے
پاس جا کھڑی ہوئیں جو ڈرائنگ روم کی طرف ایک دیوار پر
مسکرا رہا تھا، ان کی آنکھیں آنسوؤں سے بھر آئیں اور وہ آہستہ
آہستہ کہنے لگیں؛ بدر ... میرے سرتاج - کاش آج آپ
زندہ ہوتے تو دیکھتے کہ آپ کا وہ خواب شرمندۂ تعبیر ہو چکا ہے،
جو آپ نے جمال کی پیدائش سے لے کر مرتے وقت تک دیکھا ہے
میرے مالک آپ کا ہونہار بیٹا ڈاکٹر بن کر اگلے ہفتہ آ رہا
ہے، آپ کی دیرینہ آرزو میں نے پوری کر دی ہے، مگر آہ میرا دل
بے قرار بھی ہے اور سرد بھی، آپ کی عدم موجودگی نے میری مسرتیں
آدھی کر دی ہیں، آپ کی دیرینہ آرزو پوری ہو گئی اور میری
مسرت کی انتہا نہیں ... میرے بدر میں آج آپ کی عدم موجودگی،
کو بڑی شدت سے محسوس کر رہی ہوں۔ اور پھر آنسو ڈھلک
ڈھلک کر ان کے دامن میں جذب ہونے لگے، وہ چند منٹ بڑی
حسرت کے ساتھ خاموشی سے شوہر کی تصویر کو تکتی رہیں اور پھر
کہنے لگیں۔

"سنتے ہیں آپ! آپ کا بیٹا، آپ کا لختِ جگر ظفر جمال ڈاکٹری
کی اعلیٰ تعلیم حاصل کر کے آ رہا ہے، آہ کتنی شدید تمنا تھی آپ کی،

کہ اسے اپنے سامنے ڈاکٹر بنا دیکھتے، آپ کی یہ تمنا یہ آرزو میں نے
پوری کر دی ہے مگر افسوس کہ اس آرزو کو پایۂ تکمیل تک پہنچا
دیکھنے کے لئے آج آپ اس دنیا میں نہیں ہیں، آپ نے رخصت
کے وقت اپنی یہ تین یادگاریں مجھے بخشی تھیں، میری سرتاج،
جن کو میں نے اپنی جان سے بھی زیادہ عزیز رکھا ہے .... گو
آپ کی جدائی نے میرے دل میں ناسور ڈال دیئے ہیں اور
جینے کی ہر آرزو اور ہر حسرت نے دم توڑ دیا ہے مگر آپ کی
آخری وصیت کے الفاظ آج بھی میرے کانوں میں گونجا کرتے تھے
میرے بدر زماں آپ نے کہا تھا، فرزانہ تمہیں اپنے واسطے نہیں ان
بچوں کے واسطے زندہ رہنا پڑے گا جن کو تمہارے سپرد امانت تمہاری
سپردگی میں دیتا ہوں، اور میں نے آپ کی اس امانت میں اپنی ساری
زندگی بیچ دی، زندگی کی ہر خوشی لٹا دی، اور آج میں خوش ہوں
کہ آپ کی یہ امانت محفوظ ہے۔

میں جانتی ہوں کہ آپ کو مجھ سے عشق تھا، ان تینوں کی صورت
دیکھ کر آپ جیتے تھے مگر آہ ظالم موت نے آپ کو اتنی مہلت
ہی نہ دی کہ آپ اس چمن کے لہلہاتے پودوں پر پھول کھلتے دیکھ
لیتے جو آپ کی اپنی محنت کا ثمر تھا، کاش کہ آپ اپنے ہاتھوں
اپنی آرزو کو عملی جامہ پہنا سکتے مگر تقدیر کا چکر ہاں میں نے آپ
کے عزیز ترین بھائی فخر کمال کے لئے بھی وہ سب کچھ کر دیا ہے جس

کی آپ کو تمنا تھی، اب تو خوش ہیں آپ میرے سرتاج، آپ کو وصیت کے مطابق میں نے سب کو زیور تعلیم سے آراستہ کر دیا ہے، اور پھر وہ بے اختیار پھوٹ پھوٹ کر رونے لگیں بدر اور فرزانہ میں عشق تھا مگر موت کے ظالم ہاتھوں نے دونوں کو جدا کر دیا تھا، آہ کتنی اداس ہے یہ زندگی، گو وہ ہنستی بولتی تھیں ہر محفل ہر تقریب میں شرکت کرتی تھیں بچوں کو دیکھ کر خوش ہوتی تھیں مگر دل کی مرجھائی کلی نہ کھلنی تھی، نہ کھلی۔

فخر کمال بچوں کے ساتھ بڑی محبت سے پیش آتے اور شادی کے بعد نشاط تو ان کی مرید ہو گئی تھی، بچوں سے انتہائی محبت کرتی اور بھابی کا بڑا ادب و لحاظ کرتی تھی، غزالہ سے گو کوئی بھی رشتہ داری نہیں تھی مگر وہ بھی فرزانہ بیگم کی راہ میں پلکیں بچھانے کو ہر دم تیار رہتی، بہت ہی احترام کرتی تھی۔

گو فرزانہ بیگم کو بیٹے کی جدائی بہت شاق تھی، اور ان کا دل کسی طرح نہیں چاہتا تھا، کہ اپنے سے جدا کریں مگر پھر اس کے شوق کو دیکھتیں، اس کے تابناک مستقبل پر نظر کرتیں اور سب سے بڑی بات تو شوہر مرحوم کی آرزو یاد آجاتی، اور پھر انہوں نے بی ایس۔ سی کرنے کے بعد اپنے کلیجہ پر پتھر رکھ کر انگلستان جانے کی اجازت دے دی، گو یہ زمانہ بڑا صبر آزما گذرا مگر پھر نگار و سلطانہ کی دلجوئی اور فخر و نشاط کی محبت نے سہارا دے

یہ دن بیت گئے، پانچ سال کافی طویل عرصہ ہے اور بہت ہوتے ہیں، پھر ماما بھرے دل کے لئے تو یہ پانچ سال پانچ صدی سے کسی طرح کم نہیں گزرے، اپنے لاڈلے اور اکلوتے بیٹے کا مستقبل وہ اپنی مامتا پر قربان کرنے کے واسطے کسی بھی طرح تیار نہیں تھیں، جمال کو ماں کے رنج کا احساس تھا، مگر وہ بھی مجبور تھے، روشن اور تابناک مستقبل انہیں پکار رہا تھا، اور پھر وہ ماں کی دعاؤں بہنوں کی تمناؤں اور مرحوم باپ کی آرزوؤں کے درمیان انہوں نے بڑی خوش اسلوبی کے ساتھ یہ مسئلہ طے کر لیا۔ ان کے ماموں زاد بھائی بیرسٹری کرنے گئے تھے، اور اب دونوں کامیاب و کامران ساتھ ساتھ آرہے تھے، ادھر رعنا اور عذرا بیگم بھی پھولی نہیں سما رہی تھی، آخر رعنا کے بھیا بھی تو آرہے تھے، مگر ہاں ایک طلعت تھی جو بے طرح اداس تھی، جسے رہ رہ کر اپنے بھائی کی یاد ستاتی تھی، شاید اس کا بھائی سلیم بھی اسی جہاز سے آجائے، کیونکہ اس کے آنے کا زمانہ بھی یہی تھا، مگر وہ اپنے گھر کی سب سے بڑی مسرت سے محروم اب دوسروں کے رحم و کرم پر تھی۔ .. .. .. آہ یہ زندگی کا چکر۔

خدا خدا کر کے نگار کے انتظار کی گھڑیاں ختم ہوئیں۔ اور کار کے ہارن کی آواز پر وہ سیدھی باہر کی جانب بھاگی۔ وہ ابھی چمن ہی میں تھی کہ دونوں کاریں آگے پیچھے آکر رکیں اور

اور نگار چچی کے اس بے پناہ خلوص و پیار سے بے حد متاثر ہوئی۔
اندر آکر یہ سب لوگ باری باری فرزانہ بیگم سے ملے اور پھر ڈرائینگ روم میں صوفوں پر جا بیٹھے۔ نگار نے ایک جانب کرسی پر سر جھکائے بیٹھی تھی طلعت کو دیکھا، اور اس کے حسن بے پناہ پر داد دیئے بغیر نہ رہ سکی، وہ اس وقت بھی بہت ہی حسین لگ رہی تھی، نگار کو وہ ملکہ حسن معلوم ہو رہی تھی۔ نگار اٹھ کر اس کے قریب آگئی، اور مسکراتے ہوئے مصافحہ کر کے کہنے لگی، بہن طلعت مجھے آپ سے ملنے کا بے حد اشتیاق تھا، مگر یہ سال کچھ ایسا مصروف گزرا کہ میں باوجود انتہائی کوشش کے بھی آگرہ نہ آسکی" اور میں خود آپ سے ملنے کی آپ سے زیادہ شائق تھی، نگار بہن۔ میں شکر گزار ہوں کہ آپ مجھ جیسی کم مایہ ہستی سے ملنے کی مشتاق تھیں۔" طلعت نے شکریہ ادا کرتے ہوئے کہا۔"

" اوہ بھلا اس میں کم مائیگی کی کیا بات ہے۔ چچی جان آپ کی اس قدر تعریف لکھتی تھیں کہ میں تو نادیدہ عاشق ہو گئی تھی۔"
نگار نے ہنستے ہوئے برابر والی کرسی پر بیٹھ کر کہا۔

" شکریہ"! طلعت نے مسکرا کر کہا۔

رعنا جو دور بیٹھی ان دونوں کو باتیں کرتے دیکھ رہی تھی اٹھ کر آگئی، اور شکایت آمیز لہجہ میں کہنے لگی "جی ہاں اب بھلا

ہمیں کیوں پوچھا جائے گا۔ اب تو طلعت بہن کو آپ اور آپ کو طلعت بہن مل گئیں نا۔" اس کے لہجہ میں شوخی کوٹ کوٹ کر بھری تھی۔"

"ارے میری انو، یہ بات نہیں ابھی ابھی تو ہم دونوں کا تعارف ہوا ہے۔ لہٰذا اسی سلسلہ میں باتیں کر رہے تھے۔ تم ادھر غزالہ آپی سے مصروف تھیں۔ ہم نے مخل ہونا مناسب نہیں سمجھا۔ اچھا آؤ اب کھانے کا انتظام کر لیں۔ بارہ بجنے والے ہیں، پھر اطمینان سے باتیں ہوں گی۔ نگار رعنا کو لے کر جانے لگی تو طلعت بھی اٹھ کھڑی ہوئی۔" مجھے کام بتلائیے نگار بہن خالی نہیں بیٹھا جاتا۔" طلعت بولی"

فی الحال آپ مہمان ہیں آرام کیجئے، نگار نے کہا۔"

مگر وہ نہ مانی اور نشاط نے یہ کہہ کر کہ انہیں ساتھ لیتی جاؤ یہاں اکیلی گھبرائیں گی، طلعت ہی کی سفارش کی ایک بجے یہ لوگ اپنے اپنے کمروں میں چلے گئے۔ مگر نگار کو آج کسی بھی طرح نیند نہیں آرہی تھی، اور رعنا بھی شاید جاگ رہی تھی، اور جب رعنا نے محسوس کیا کہ نگار جاگ رہی ہے تو وہ بھی اٹھ کر اس کی مسہری پر آلیٹی، نگار نے اٹھ کر چمن کی جانب کھلنے والی دونوں کھڑکیاں کھول دیں اور ہوا کے ساتھ اندر آنیوالی رات کی رانی کی خوشبو سے کمرہ مہک اٹھا۔

طلعت بھی غالباً اپنے کمرہ میں جاگ رہی تھی اور پھر نگار نے رعنا سے سوال کیا، رعنا یہ طلعت کتنی معصوم اور بھولی نظر آتی ہے کہو تمہاری کیا رائے ہے اس کے بارے میں؟

بہت اچھی اور بڑی خوش مزاج لڑکی ہے۔ نہ جانے بیچاری پر کیا افتاد پڑی جو گھر سے نکل کھڑی ہوئی۔ مجھے اس پر بڑا ترس آتا ہے۔ اکثر ہنستے ہنستے اداس ہو جاتی ہے جیسے کوئی بات یاد آگئی ہو، میں نے کئی بار پوچھنے کی کوشش کی مگر ٹال گئی، رعنا نے اپنے تجربے کی روشنی میں طلعت کے کردار کو پیش کرتے ہوئے کہا۔

نہ جانے کیوں اس کے چہرے سے مظلومی سی عیاں ہے رعنا مجھے بھی بہت ترس آیا بیچاری پر اور پھر شکل کتنی پیاری ہے۔ بھولی بھولی، معصوم سی، میرے تو دل میں کھب کر رہ گئی، اور آواز کتنی پیاری ہے ہائے اللہ کس کس چیز کی تعریف کروں کتنی اچھی لڑکی ہے۔ مگر خدا جانے ملازمت کی کیوں ضرورت پیش آگئی۔ نگار نے ہمدردانہ کہا۔

کہیں پچی نشاط کے سامنے مت کہہ دینا کہ وہ ملازم ہے۔ بیچ نگار وہ تو اسے اپنی جان سے بھی زیادہ عزیز رکھتی ہیں اور بہن کہتی ہیں، اور کبھی سچ تو یہ ہے کہ وہ واقعی سراپا خلوص اور مجسم اخلاق ہے۔ مجھے ابھی ملاقات کے صرف دو ہی دن گذرے ہیں، مگر ایسا لگتا ہے

ہے ، جیسے ہم برسوں سے ایک دوسرے کو جانتے ہوں۔ مجھے تو بہت ترس آتا ہے اور بڑی محبت بھی بے حد محنت اور بڑے خلوص کے ساتھ بچوں کی دیکھ بھال اور تمام گھر کا کام خود اپنے ہاتھ ہی سے کرتی ہیں، عزالہ بچی کی بچی کو بھی بڑی خندہ پیشانی سے سنبھالتی ہیں۔ سنا ہے کہ بی، اے۔ پاس ہیں۔ رعنا نے طلعت کی تعریفوں کے پل باندھتے ہوئے کہا:

" اچھا نگار نے حیرانی سے کہا۔ تب تو واقعی کسی بڑے گھر کی لڑکی معلوم ہوتی ہیں، کسی خاص وجہ کے باعث یہ دن دیکھنا پڑا ہے۔ آؤ دیکھیں وہ سو رہی ہیں یا ابھی تک جاگ رہی ہیں ہم بڑے بد اخلاق ہیں کہ بیچاری کو تنہا کمرہ دے دیا، ہمیں اپنے ساتھ ہی سلانا چاہئے تھا، اور پھر دونوں اٹھ کر طلعت کے کمرہ کی جانب چل پڑیں، وہ ابھی تک جاگ رہی تھی آج اس کی آنکھوں میں نیند کا کوسوں پتہ نہیں تھا۔ خدا جانے کن خیالات میں گم تھی " کیا ہم آ سکتے ہیں بہن ؟" طلعت نگار نے اسے جاگتا پاکر اجازت طلب کی : ہاں ہاں کیوں نہیں نگار بہن یہ اجازت کی ضرورت کیوں پیش آگئی۔ شوق سے تشریف لائیے طلعت نے اٹھ کر بیٹھتے ہوئے دوپٹہ سنبھالتے ہوئے کہا۔

اوہ آپ بھی سوچیں گی کہ آدھی رات کو دھاوا کیوں کر نیند نہیں آ رہی تھی، ہم دونوں باتیں کر رہے تھے کہ پھر خیال آیا کہ چلیں دیکھیں

آپ کیا کر رہی ہیں ہم مخل تو نہیں ہوئے آپ کی نیند میں:" نگار نے کرسی پہ بیٹھتے ہوئے کہا۔

"ارے نگار بہن آپ بھی کیسی باتیں کرتی ہیں بھلا مخل ہونے کی بھی ایک ہی رہی، آپ لوگ میرے کمرے میں آئیں یہ تو میرے لئے باعث فخر ہے۔ میں تو خود ہی جاگ رہی تھی، آج نیند آ ہی نہیں رہی شاید نئی جگہ کا باعث ہو:" طلعت مسکرا کر بولی۔

"یا کوئی یاد آ رہا ہے جو فرقت کی لمبی رات کروٹ بدل بدل کر کاٹی جا رہی ہے:" شوخ رعنا نے طلعت پہ حملہ کرتے ہوئے مسکرا کر کہا:

اوہ نہ میں کسی کو یاد آنے کے قابل نہ مجھے کوئی یاد کرنے والا:" طلعت نے قدرے افسردگی سے کہا۔

نگار رعنا کی شرارت کا پول کھولتے ہوئے اس کا ہاتھ جھٹک کر کہنے لگی:" کچھ خیال نہ کیجئے بہن طلعت یہ بڑی نٹ کھٹ لڑکی ہے۔ جیسا کہ آپ کو اس دو دن کی ملاقات سے ہی تجربہ ہو گیا ہو گا:"

رعنا جل کر نگار کو گدگدانے لگی:" جی بیشک بس دنیا میں ایک میں ہی تو نٹ کھٹ ہوں ورنہ آپ تو بڑی معصوم بڑی بھولی ہیں:" نو سو چوہے کھا کے بلی حج کو چلی:" اور ان بہن صاحبہ کو کیا خاک اندازہ ہو گا کہ میں کیا ہوں ان کو تو خود ہی بولنا

نہیں آتا بس چپ شاہ کا روزہ بآسانی رکھ سکتی ہیں:

" ارے بس بھی کرو، رعنا نگار گدگدی سے ہنستے ہنستے بے حال ہو گئی۔ اور بڑی مشکل سے اپنے کو چھڑا کر طلعت کے پاس مسہری پر جا بیٹھی اور پھر رعنا بھی وہیں آ گئی۔

طلعت کو اس معصوم سی شرارت پر بے اختیار ہنسی آ گئی اور وہ پہلی بار اس پر لطف محفل میں حصہ لیتے ہوئے بولی:

ارے رعنا بہن سے کون جیت سکتا ہے نگار بہن، دو دن ہی میں ان کی دلچسپ طبیعت نے مجھے ان کا گرویدہ بنا دیا ہے، یہ تو بلا کی حاضر جواب ہیں"

جی کیوں نہیں اے ہے بچی تجھ کو بولنا بھی تو میں نے ہی سکھایا ہے ورنہ تو تو کل وحشی ہرنی کی مانند گھبرائی ہوئی سی تھی، اور میں نے یہاں اترتے وقت تک بولنے کی ٹریننگ دی ہے " رعنا نے دادی اماں کی طرح انگلی ناک پر رکھ کر کہا اور وہ دونوں کھل کھلا کر بے ساختہ ہنسنے لگیں۔"

واقعی میں تو آپ کی باتوں میں قائل ہوں رعنا بہن بھلا مجھے بولنا اور سلیقہ کون سکھاتا، اول تو امی جان کا میرے بچپن ہی میں انتقال ہو گیا تھا، اور پھر بھی میرا جتنا بھی ان کا ساتھ رہا، وہ ہمیشہ مجھے کم بولنے کی ہدایت کرتی تھیں، وہ خود بھی خدا بخشے بہت کم سخن تھیں، اور پھر میرے ناگفتہ بہ حالات نے مجھے

اور بھی کم گو بنا دیا" طلعت نے آہ سرد بھر کر کہا۔

" نگار نے اس کی افسردگی محسوس کر لی، تو ہمدردانہ کہنے لگی: بہن آپ مجھے زیادہ مظلوم نظر آتی ہیں کیا مجھے یہ اعتماد جان کر اپنی وہ داستان غم سنا سکیں گی کہ جس سے آپ کا نازک دل چور چور ہے، میری تمام تر ہمدردیاں آپ کے ساتھ ہیں آپ کو پہلی بار دیکھ کر ہی مجھے بے حد ہمدردی ہو گئی تھی، امید ہے آپ میری اس درخواست کو ٹھکرائیں گی نہیں"

" نگار بہن" طلعت نے اپنے آپ کو سنبھال کر بڑے درد بھرے لہجہ میں کہا" اگر ابھی اس زخم کو نہ کریدیئے تو بہتر ہے، ویسے اگر قسمت نے کبھی حالات سازگار کئیے تو آپ کو خود بخود سب کچھ معلوم ہو جائے گا۔

" اچھا اچھا معاف کیجئے طلعت بہن ہم نے خواہ مخواہ آپ کے ماضی کو کرید ڈالا۔ نگار نے معافی مانگتے ہوئے کہا۔

اور طلعت افسردہ لہجہ میں کہنے لگی کوئی بات نہیں نگار بہن ایسا تو ہوتا ہی ہے، تجسس انسانی فطرت ہے اور سچ تو یہ ہے کہ آپ کے گھر آکر میں ایسا محسوس کر رہی ہوں جیسے کہ اپنے ہی گھر آگئی ہوں آپ لوگوں سے ذرا بھی تکلف محسوس نہیں ہوا اور فشاں باجی نے میرا ہر غم بھلا دیا ہے، ان کا سلوک میں اپنی آخری سانس تک بھی فراموش نہیں کر سکتی، بس خدا ہی ان کو اس کا

بدل دے گا۔ طلعت کی آنکھوں میں اس وقت زمانے بھر کی اداسیاں سمٹ آئی تھیں۔

دوسرے دن یہ قافلہ بمبئی کے لئے روانہ ہو گیا۔ فخر، نشاط اختر و غزالہ، نگار و سلطانہ اور بچے تھے، مسرور احمد بھی ساتھ تھے، فرزانہ بیگم سے بہت کہا کہ وہ بھی چلیں مگر گھر کی مصروفیت نے انہیں اجازت ہی نہ دی۔ مزاآدہ بیگم بھی یہیں تھیں اور طلعت نے بھی جانا مناسب نہیں سمجھا تھا، لہٰذا نشاط اس کے اصرار پر اسے وہیں چھوڑ گئی تھیں، نشاط اور غزالہ نے اپنی بچیوں کو بھی طلعت کے سپرد کیا، جن کی دیکھ بھال وہ بڑی دلسوزی سے کرتی تھی اور فرزانہ بیگم بھی اس کے کام اور حسنِ سیرت سے بہت خوش تھیں۔

بمبئی پہنچنے کے دوسرے دن جہاز بندرگاہ سے آ لگا۔ اور سب نے بڑھ کر بڑی گرمجوشی سے آنے والوں کا خیر مقدم کیا، نگار نے ڈھیر سارے پھولوں کے ہاروں سے اپنے عزیز بھیا ظفر کو لاد دیا۔ اور پھر بے اختیار اس کے گلے لگ کر رو پڑی۔

اتنے عرصہ کی جدائی کے بعد پیارے بھائی کو پا کر وہ خوشی سے پھولی نہ سماتی تھی، ظفر بھی بہن کی محبت اور آنسوؤں سے بہت متاثر ہوئے پانچ سال کے بعد عزیز ترین بہن بھائی کے ملاپ کا منظر بڑا دلگداز تھا، فخر، ظفر اور نشاط بدر مرحوم کی یاد سے اور بھی زیادہ چشم پرنم تھے۔ لیکن پھر ظفر نے اپنے کو سنبھالا اور

کمال شگفتگی سے بہن سے کہنے لگے: ارے نگار کیا ہمارے آنیکی خوشی نہیں ہوئی جواب تم یوں آنسو بہا رہی ہو! انہوں نے بہن کا چہرہ ہاتھوں سے اوپر اٹھایا، اور مسکرانے لگے۔ ارے بھیا یہ آنسو تو خوشی کے ہیں، ورنہ یہ زمانہ تو بڑی مشکل سے گزرا ہے، خصوصاً یہ ہفتہ تو ایک صدی کے برابر لگا تھا۔ بھلا آپ کے آنے کی خوشی کیوں نہ ہوتی، ایک ایک دن گن گن کر گزارا ہے، نگار نے آنسو صاف کرکے مسکراتے ہوئے کہا اور ہمیں بھی تو پوچھ لیجئے، بھیا۔ رعنا نے شرارت بھری آواز سے کہا، ارے ظفر نے حیرت ظاہر کرتے ہوئے کہا، کیا یہ وہی رعنا ہے۔ کالی کلوٹی گندی ناک بہتی ۔۔۔ رعنا ظفر کی اس بات سے چڑھ سی گئی۔ جائیے ہم نہیں بولتے، واہ میں کب ایسی رہتی تھی، اور پھر اس نے بڑے نخروں کے بعد ظفر سے ہاتھ ملایا۔

نگار کی نگاہ ظہیر پر پڑی اور وہ اپنی جگہ ٹھٹھک کر رہ گئی، آداب کرکے خیریت پوچھنے لگی، اور پھر وہ دونوں باری باری سب سے ملنے لگے، تین دن بمبئی میں ٹھہر کر خوب سیریں ہوئیں اور پھر لکھنؤ چلنے کی تیاری ہونے لگی تو اچانک نگار کو یاد آیا۔

ہاں بھیا وہ آپ کے مہمان کیا ہوئے جن کا ذکر آپ نے تار میں کیا تھا،

"وہ امریکہ چلے گئے نگار، ہندوستان آتے آتے اچانک انہوں نے ارادہ ملتوی کر دیا۔ اور امریکہ چلے گئے نہ جانے کیوں بہت اداس اور افسردہ سے تھے میں نے بہت معلوم کرنا چاہا مگر کچھ بتایا ہی نہیں، ویسے اس میں شک نہیں کہ بہت مخلص انسان ہے، اب نہ جانے کب تک آئے۔ آؤ میں تمہیں ان کے فوٹو دکھاؤں جو میں نے اس کے جانے سے چند منٹ قبل لئے تھے۔ ٹرنک کھول کر ظفر نے البم نکالی۔ مگر رعنا اچھل پڑی، نگار ..... طلعت، ارے طلعت سے کس قدر مشابہ ہے یہ فوٹو کتنی مطابقت ہے دونوں میں"

"ہاں واقعی" نگار نے بھی دیکھ کر رعنا کی تائید کی۔

"مگر یہ طلعت کون ذات شریف ہیں؟" ظفر نے بہن سے پوچھا۔

"بھیا، چچی جان کو ایک مددگار کی ضرورت تھی انہوں نے اخبار میں اشتہار دے دیا، تو یہ صاحب تشریف لائیں۔ جن کو اب ان کے پاس رہتے ایک سال ہونے والا ہے۔ بالکل میری ہم عمر ہے بی، اے پاس ہے، بڑی اچھی اور حسین ہے۔ آپ دیکھیں گے، تو داد دیئے بغیر نہ رہ سکیں گے، بھیا وہ بہت مہذب اور بڑی شائستہ لڑکی ہے، نگار بولی"

یہ قصیدہ خوانی ختم ہو گئی چلو شکر ہے۔ ظہیر نے قدرے اکتا کر کہا۔

ایسی لڑکی کو ملازمت کرنے کی کیا ضرورت درپیش آگئی ظفر نے ظہیر کی بات ان سنی کرتے ہوئے کہا۔"

"بس آپ کو فکر لاحق ہو گئی" ظہیر نے پھر چھیڑا

"اچھا تمہیں کیا۔ تم کیوں ٹانگ اڑاتے ہو۔ خواہ مخواہ ظفر نے نگار کی طرف مخاطب ہو کر ظہیر سے کہا" ہاں نگار تم نے جواب نہیں دیا۔

بھیا اس کے متعلق کوئی بھی کچھ نہیں جانتا وہ کسی کو کچھ نہیں بتاتی۔ مگر یہ فوٹو کمال ہے واقعی اس سے بہت ملتا ہے سارے نقوش طلعت کے خد و خال کو اجاگر کرتے ہیں۔ خدا ہی بہتر جانے کیا راز ہے۔ نگار نے حیرت سے اپنے ہاتھ کے فوٹو کو دیکھنے لگی۔

اچھا اب گھر چل کر یہ فیصلہ کر لینا اب بند کرو اس سب کو ظہیر نے نگار کے ہاتھ سے البم چھین کر رکھتے ہوئے کہا اور نگار اسے گھور کر بل کھا کر رہ گئی۔

اسی روز یہ لوگ فرنٹیر میل سے لکھنؤ روانہ ہو گئے۔ اور تیسرے دن لکھنؤ جا اترے۔ جہاں فرزانہ بیگم عذرا بیگم اپنے بچوں کے لئے ہمہ تن انتظار تھیں۔ ظفر کے پہنچنے سے قبل ہی بہت سے لوگ آ چکے تھے۔ اندر بھی کافی ہنگامہ تھا۔ آخر خدا خدا کر کے انتظار کی گھڑیاں ختم ہوئیں اور ظفر و ظہیر ساتھ ساتھ اندر پہنچے۔ باہر چونکہ انہیں چند منٹ صرف کرنے ہی پڑے تھے

لہٰذا جب گھر کوٹھی کے اندر آگئے تو ماں نے بڑھ کر بے اختیار بیٹے کو آغوش میں لے لیا، اور پھر خوشی سے ان کی آنکھوں سے بھی آنسو نکل پڑے، ظفر جمال بھی باپ کے تصوّر سے چشم پر نم تھے۔ مگر ماں کے خیال سے انہوں نے ضبط کیا اور مسکرا کر کہنے لگے، "امی جان کیا بات ہے کہ کسی کو میرے آنے کی خوشی ہی نہیں جو ملتا ہے گلے لگ کر رونے لگتا ہے، میں سمجھ رہا تھا کہ کم از کم آپ مجھے دیکھ کر ہنسیں گی، مگر آپ بھی رونے لگیں، ظفر کی اس منطق پر سب ہی ہنس پڑے اور فرزانہ بیگم نے محبّت سے کہا بیٹے یہ خوشی کے آنسو ہیں بھلا تمہیں دیکھ کر کس کو خوشی نہ ہوگی، خدا تم کو زندہ سلامت رکھے، پانچ سال بعد خیریت سے خدا نے لا ملایا، بس اسی خوشی میں آنسو نکل پڑے، اچھا یہ ظہیر بھی آگئے امی جان، ظفر نے ان کا خیال دوسری جانب بدلنے کی نیت سے کہا، شریر کہیں کا جیسے میں تو ظہیر کو جانتی ہی نہیں اور پھر انہوں نے بڑی محبّت سے بھتیجے کو بھی گلے لگا لیا، کچھ دیر کے بعد یہ لوگ باہر چلے گئے۔ رات تک یہی ہنگامہ رہا بارہ بجے کے قریب سکون نصیب ہوا، تو دونوں اندر آئے۔ سب لوگ ڈرائنگ روم میں بیٹھے تھے۔ یہ دونوں بھی وہیں جا بیٹھے ظفر نے دیکھا کہ کونے کے سٹول پر سر جھکائے ایک حسین سی اجنبی لڑکی بیٹھی ہے، تو اس نے بہن سے پوچھا۔ تو تب نگار نے بتایا کہ یہی

طلعت جہاں ہیں جو پچی نشاط کی مددگار ہیں۔ ظفر نے قدرت کے اس حسین شاہکار کو نظر بھر کر دیکھا اور دل ہی دل میں اس کے حسن کی داد دیئے بغیر نہ رہ سکے، ظہیر نے یہ سب تاڑ لیا اور مسکرا کر خاموش ہو گئے۔ طلعت اپنے قیامت خیز حسن کی حشر سامانیوں سے بے پرواہ سر جھکائے بیٹھی ننھی ناہید سے مصروف گفتگو تھی، اس کو کیا پتہ تھا کہ اس کے حسن جہاں سوز نے ایک ڈاکٹر کے دل کو پھونک ڈالا ہے۔ اس ڈاکٹر کے دل کو جو محبت کو ڈھکوسلہ کہا کرتا تھا۔ وہ ہر طرف سے بے نیاز ناہید کی معصوم باتوں میں گم تھی، جو اب ڈیڑھ سال کی تھی، اور طلعت کی گود میں بیٹھی ننھی ننھی شرارتیں کر رہی تھی۔

ظفر کو اپنی ہٹ دھرمی دم توڑتی نظر آرہی تھی، اور انتہائی کوشش کے باوجود بھی وہ اپنی دزدیدہ نگاہی کو باز نہ رکھ سکے جو بار بار بے اختیارانہ طلعت کے حسن جہاں سوز کی بلائیں لینے کے لئے اٹھ اٹھ جاتی تھیں ایک آدھ بار طلعت نے بھی بے خیالی میں نگاہ اٹھائی، اور ظفر کو اپنی جانب متوجہ پا کر کچھ شرما کر کچھ گھبرا کر سر جھکا لیا طلعت کی یہ ادا ظفر کو بہت ہی بھائی مگر پھر اس خیال سے کہ کوئی اور اسکی حالت سے باخبر نہ ہو جائے وہ اٹھ کر اپنے کمرہ میں چلے گئے، کھانے کے بعد چونکہ رات کے دو بجنے والے تھے لہذا سب اپنے اپنے کمروں میں سونے چلے گئے۔ طلعت سونے کی ناکام کوشش کر رہی تھی مگر

اس کا دماغ عجیب عجیب خیالات کی آماجگاہ بنا ہوا تھا۔ اسے کسی طرح نیند آہی نہیں رہی تھی۔

ظفر کی بار بار پڑتی نگاہوں کا تصور عجیب کیفیت پیدا کر رہا تھا۔ شاید اس کی نگاہوں کا پیغام کا مفہوم کچھ کچھ اس کی سمجھ میں آگیا تھا۔ ان نگاہوں کو وہ اب تک بھی فراموش نہ کر سکی تھی۔ مگر پھر اس کے خیالات نے دوسری طرف پلٹا کھایا۔ اور وہ اپنے دل میں کہنے لگی۔

"ہوں! کجا ڈاکٹر ظفر اور کجا طلعت جو ان کے چچا کے گھر کی ایک ملازمہ ہے۔ میں بھی کتنی عجیب ہوں کہ وہ خواب دیکھ رہی ہوں جو قیامت تک شرمندۂ تعبیر نہیں ہو سکتا۔ ظفر خواہ کچھ سمجھیں مگر میں اپنی حیثیت کیونکر بھلا سکتی ہوں۔"

یاد اس کی اتنی خوب نہیں میر باز آ
نادان پھر وہ جی سے بھلایا نہ جائیگا

۱۰

طلعت کی آنکھ کھلی تو ہلکا ہلکا دن نکل چکا تھا۔ ان کی آہٹ سے نگار بھی اٹھ بیٹھی اور پھر یہ دونوں نماز فجر سے فراغت پاکر باغیچہ کی جانب چلی گئیں اظہر ابھی سو رہا تھا اور آیا اس کے پاس تھی، لہٰذا طلعت کو اس کی جانب سے قطعی اطمینان تھا۔

کچھ دیر کے بعد رعنا کی آنکھ کھلی، دیکھا تو ساڑھے چھ بجے تھے وہ گھبرا کر کھڑی ہو گئی، مگر طلعت و نگار نظر نہیں آئیں اسے غصہ آنے لگا کہ مجھے چھوڑ کر دونوں چل دیں۔ اتنے میں حشمت نے آکر بتایا کہ وہ دونوں چمن میں ہیں، اور وہیں آپ کو بلا رہی ہیں۔ رعنا جھلا گئی مگر پھر جلدی جلدی منہ ہاتھ دھو کر چمن کی جانب چل پڑی جنبیلی کے کنج کے پاس طلعت و نگار دونوں ہی بیٹھی

نظر آئیں تو وہ دور ہی سے چلا پڑیں، اللہ، اللہ یہ راز و نیاز، بھلا اب ہمیں کون منہ لگانے لگا ہے۔ کسی نے سچ ہی کہا ہے: "نیا آئے پرانے کو دور کرو" خدا تم دونوں کو سمجھے کہ مجھے نماز کے لئے بھی نہیں اٹھایا خیر ہم بھی اب آپ لوگوں سے نہیں بولیں گے اور پھر وہ منہ لٹکا کر دوسری سمت چل دی طلعت و نگار اس کی باتوں پر بے ساختہ ہنس دیں اور پھر نگار نے دوڑ کر اسے پکڑتے ہوئے کہا، ادھر آؤ رعنا بات تو سنو، مگر رعنا کو واقعی غصہ آگیا تھا۔ وہ ہاتھ چھڑا کر بدستور چلتی رہی مگر پھر نگار اس کو منا ہی لائی اور یہ تینوں ایک جگہ بیٹھ کر باتیں کرنے لگیں، طلعت نے مسکراتے ہوئے کہا، رعنا پیاری خفا نہ ہو، ہم نے آپ کو اٹھایا تھا۔ مگر آپ نہ جانے کون سے جہاں میں تھیں، کہ کسی طرح نہ اٹھیں، مجبوراً پھر ہم دونوں ہی چلے آئے، ابھی ابھی نگار نے حشمت کو بھیجا کہ جا کر آپ کو بیدار کر دے کہ آپ خود ہی آ گئیں۔

شاید تمہیں رات کی بھاگ دوڑ کی تھکان ابھی تک ہے راستہ بھی کافی طویل تھا، نگار نے کہا۔ تمہارے شبہ سے تھکن عیاں ہے اور اسی باعث تم سونے پر تلی پڑی تھیں۔ ارے بھئی آپ کو کیا، رعنا نے مصنوعی سرد آہ کے ساتھ کہا، آپ کو طلعت مل گئیں، طلعت کو آپ اب ہمارا تو اللہ ہی حافظ

ہے بس اسی کے ہو رہے کہ آپ دونوں کو دیکھیں اور دل تھام کر رہ جائیں اور یا پھر یہ گاتے پھریں ہے

رہیئے اب ایسی جگہ چل کر جہاں کوئی نہ ہو

طلعت بھی نہ ہوں جہاں نگار بھی نہ ہو

اس کی اس بات پہ تینوں کھل کھلا کر ہنسنے لگیں۔ نگار نے رعنا کے ایک دھول جما کر کہا۔ خوب اب تو تم دن بدن اللہ کی نانی اماں بنتی جا رہی ہو۔ اللہ رحم کرے۔ رعنا نے مسکرا کر نگار و طلعت کی گردن میں بیک وقت اپنی باہیں حمائل کر کے ہلاتے ہوئے کہا گھبراؤ نہیں پیاری بہنوں مابدولت تو ذرا سا مذاق فرما رہے تھے، ورنہ میں جانتی ہوں کہ آپ لوگ مجھے کتنا چاہتی ہیں طلعت بہن گو آپ سے ملاقات بہت ہی مختصر ہے۔ یعنی صرف پندرہ دن مگر ایسا لگتا ہے جیسے ہم تینوں برسوں سے ساتھ ہیں، سچ بالکل ایسا لگتا ہے جیسے خدا نے ہمیں جنم جنم کا ساتھی بنایا ہے۔ خدا کرے کہ ہم تینوں سدا یونہی ساتھ رہ سکیں۔

واہ یہ بھی ایک ہی رہی، نگار نے اپنی گردن چھڑاتے ہوئے کہا، کیا کم بخت ہندو ہے جو بار بار جنم لیتی ہے اور پھر بھلا یہ کیونکر ہو سکتا ہے کہ ہم ساتھ رہ سکیں۔ آج یہاں کل نہ جانے کہاں۔

واہ میری بنو رعنا نے مٹک کر کہا کیا ارمان ہے بیچاری کو شادی کا بھلا تم ہی بتاؤ کہ ہم تینوں کیونکر ساتھ نہیں رہ سکتے؟

اچھا چلو میں تو رہ بھی سکوں گی مگر یہ طلعت بھلا کیوں کر رہیں گی۔ نگار بولی:

"کیوں آخر کیوں نہیں رہ سکتیں یہ طلعت ہمارے ساتھ کون سے ہم میں کیڑے پڑے ہیں جو یہ ہمارے پاس رہنا گوارا نہیں کریں گی، رعنا نے منہ بنا کر کہا" طلعت اٹھ کر چلی گئیں کیونکہ اطہر آ ٹھ گیا تھا، اور حشمت اسے بلانے آئی تھی۔

"آخر تم کوئی طریقہ بھی تو بتاؤ رہ اپنے دولہا کے گھر خیر سے سدھاریں گی، اور تم اپنے دولہا کے بس اب میدان صاف، اب بتاؤ نگار نے مسکرا کر طلعت کی جانب دیکھتے ہوئے کہا:"

"اری میری بجیہ بس یہی تو ایک نکتہ ہے جس کو آپ حل کر ہی نہیں سکتیں،" رعنا نے فلسفیانہ سر ہلاتے ہوئے کہا۔ "سچ کہوں نگار باجی ایسی لڑکی چراغ لے کر بھی ڈھونڈو تو نہ ملے گی، اگر تم رکھنا چاہو، تو ظفر بھیا کی دلہن بنا لو۔

"ایسی باتیں نہ کرو رعنا طلعت نے اگر سن لیا تو نہ جانے کیا سوچیں، ویسے تو تم بڑی بھولی لگتی ہو مگر ہو چھپی رستم، نگار اس کے زانو میں چٹکی لیتے ہوئے بولی،

"ہاں ہاں بھئی ہم چھپے رستم ہی سہی مگر اب یہ کار نیک تو ہو کر ہی رہے گا، طلعت بے حد اچھی بے حد حسین اور بیحد خوش اخلاق ہیں، اور مجھے بے حد پسند، ہمارے ظہیر بھیا تو خیر ہاتھوں ہی سے نکل گئے،

البتہ بس اب ڈاکٹر بھیا ہی نظر آ رہے ہیں۔ رعنا نے قدرے شوخی سے کہا:

" رعنا سچ تو یہ ہے کہ میرے دل میں بھی یہی تمنا اور ارمان جاگ پڑے ہیں کہ جلدی بھیا کی شادی ہو بھابی کے آنے سے اس گلشن میں کتنی بہار آ جائے گی، اور بھابی کے روپ میں تم یقین کرو تو مجھے طلعت بہت ہی پسند آئے گی، مگر ہمارے خیالات کتنے بے تکے ہیں ابھی تک تو یہ بھی نہیں پتہ کہ وہ کون ہے، کیا قصہ ہے، ایسی صورت میں کم از کم امی تو ہرگز تیار نہیں ہوں گی ورنہ دل تو میرا بھی یہی چاہتا تھا؛ نگار بولی۔

" ہاں، بس ذرا یہ ٹیڑھی کھیر ہے مگر ہم لوگ مل کر کوشش کریں تو انشاء اللہ ضرور پتہ لگ سکتا ہے، کہ طلعت کو کس باعث ملازمت کرنی پڑی۔ مجھے تو اس کی معصومیت میں پاکیزگی، اور شرافت میں فرشتوں کا سا تقدس جھلکتا نظر آتا ہے، بلند کردار، بلند خیالات، نشاط چچی تو اس کی بے حد مداح ہیں، رعنا نے تعریفوں کے پل باندھتے ہوئے کہا، ہاں بات تو ٹھیک ہے، فی الحال یہ باتیں ہم دونوں ہی کے درمیان رہنی چاہئیں۔ خدا کرے کہ جلد یہ عقدہ کھلے مجھے بھی یہ معصوم سی شرمیلی لڑکی بہت پسند ہے، مگر تم نے بجائے ظہیر بھیا کے ظفر بھیا کا انتخاب کیوں کیا ہے؟ نگار نے پوچھا!!

رعنا نے شرارت سے بھرپور نگاہیں، نگار کے چہرے پر ڈالتے

ہم نے مسکرا کر کہا، کیونکہ وہ نگار کو منتخب کر چکے ہیں۔

" کیا سچ رعنا۔ دفعتاً طلعت نے پیچھے سے آ کر کہا اور

یہ دونوں اچھل پڑیں، وہ اچانک آ گئی تھیں، نگار و رعنا نے گھبرا کر

اسے دیکھا کہ ان کی باتیں سن تو نہیں لیں، مگر طلعت کے چہرے پر

کوئی علامت ایسی نظر نہیں آئی جس سے کچھ اندازہ لگ سکتا

لہذا ان دونوں کو اطمینان ہو گیا، اور پھر رعنا چہک کر کہنے

لگی۔ اور نہیں تو کیا، اب کی مرتبہ تو ہم یہی فیصلہ کر کے آئے

ہیں کہ اپنی پھوپی جان سے ان نگار صاحبہ کی بھیک مانگ کر

اپنے فقیر بھیا کی جھولی بھر دیں،

" او، تم نے بڑی اچھی خبر سنائی رعنا، ظہیر بھیا بہت ہی

خوش قسمت ہیں نگار کو پا کر ان کی زندگی خدا نے کہا تو مسرتوں

سے بھر جائے گی،" طلعت مسکرا کر کہنے لگیں۔

" اجی بس رہنے بھی دو تم اور تمہارے بھیا پہلے چوبچے

ہیں منہ تو دھو آئیں،" نگار نے قدرے جھنجھلائے انداز میں کہا،

اور پھر رعنا کی کمر پر ایک، اور دھول رسید کر دیا، رعنا نے

مسخرہ پن شروع کر دیا، اٹھ کر نگار نے سامنے دو زانو ہو بیٹھی

اور دامن پھیلا کر کہنے لگی،" مار لو حضور خوب مار لو، مگر اس کے

عوض حسن کی سرکار سے مجھے بھیک مل جائے کہ میں اپنے پیارے بھیا

کی جھولی بھر دوں تاکہ ان کا دامن مراد بھر سکے۔ اے ملکۂ حسن

وہ بہت غریب ہے دیا کرو، وہ تمہاری خیرات سے مالا مال ہو جائے گا. خدا انہیں اور حسن دے گا، رعنا کو بے اختیار ہنسی آ گئی. مگر اس نے بمشکل ضبط کی اور رعنا کا دامن جھٹک کر اٹھنے لگی. تم بڑی نالائق ہو رعنا چلو بھاگو یہاں سے،

" واہ بھاگ کہاں جاتی ہو. طلعت نے اسے پکڑ لیا شاباش رعنا تم نے اس وقت بڑے مزیدار خبر سنائی. اوہ معاف کرنا، بھئی نگار اس مذاق پر مگر سچ تو یہ ہے کہ ظہیر بھیا بہت ہی اچھے ہیں، رات سے اب تک یہی اندازہ کیا، ہیں کھٹک تو گئی تھی، مگر اب یقین بھی ہو گیا، خدا کرے یہ شادی میرے سامنے ہو سکے. ورنہ پھر میں چلی جاؤں گی. نگار و رعنا نے حیرت سے اسے دیکھا، کہاں چلی جاؤ گی؟

" امریکہ" طلعت پر سنجیدگی طاری تھی.

! آخر وجہ. نگار بولی؛

• نگار میں نے آج تک یہ بات پوشیدہ رکھی تھی مگر آج بتاتی ہوں وہاں پر میرے بھائی جان رہتے ہیں عرصہ سے ان کا خط نہیں آیا اب ان کے پاس ہی جاؤں گی.

" کیا نام ہے ان کا نگار نے چونک کر پوچھا، کیونکہ ظفر کے پاس فوٹوؤں نے اسے حیرت میں مبتلا کر دیا تھا،

" سلیم؛ طلعت بولی؛

ارے واقعی مگر وہ تو ہمارے بھیا ظفر کے دوست ہیں
ان کے پاس سلیم صاحب کے فوٹو بھی ہیں۔ نگار نے اور بھی
حیرت زدہ ہو کر کہا۔
ارے، طلعت کے منہ سے بے اختیار نکلا۔ شاید وہی
ہوں وہ بہت بے چین نظر آنے لگی تھی۔
آؤ میں ابھی دکھاتی ہوں۔ نگار بولی اور طلعت کا ہاتھ
پکڑ کر ظفر کے کمرہ میں جا گھسیں۔ کمرہ خالی تھا۔ ظفر و ظہیر باہر
کسی سے ملنے جا چکے ہیں۔ نگار نے البم بہت تلاش کی مگر اسے
ملی ہی نہیں، وہ ابھی تلاش میں سرگرداں ہی تھی کہ ظفر کمرہ میں
آ گئے، کس چیز کی اتنی سرگرمی سے تلاش ہو رہی ہے نگار
انہوں نے قدرے متبسم ہو کر پوچھا۔ نگار نے مڑ کر بھائی سے
کہا، بھیا انہیں سلیم صاحب کے فوٹو دکھا دو ذرا، یہ کہتی
ہیں کہ وہ میرے بھائی ہیں۔ ظفر نے دوسرے ٹرنک سے
البم نکال کر فوٹو دکھانے چاہے مگر وائے قسمت سلیم کے
فوٹوؤں کا لفافہ غائب تھا، شاید جلدی میں کہیں گر گیا تھا،
ظفر نے بہت تلاش کی مگر نہیں ملے، بایوس ہو کر انہوں نے
طلعت سے کہا، معاف کیجئے مس طلعت، وہ فوٹو تو نہ جانے
کہاں گم ہو گئے۔ مگر میں ان کو ضرور تلاش کر دوں گا آپ پریشان
نہ ہوجئے۔ طلعت کو امید کا ننھا سا جھلملاتا ہوا دیا۔ بجھتا

نظر آنے لگا۔ ظفر کی باتوں نے کافی ڈھارس بندھائی۔ وہ نگاہیں جھکائے جھکائے ہی بولی۔ آپ کو تکلیف تو ضرور ہو گی، لیکن اگر بھیا کا پتہ لگ گیا تو میں آپ کا احسان زندگی بھر نہیں بھولوں گی۔

"اوہ تکلیف کی کوئی بات نہیں انشاء اللہ جلد ہی پتہ چل جائے گا۔ مگر میں تفصیل جاننے کا بے حد خواہش مند ہوں مس طلعت۔"

"جی نہیں جب تک بھیا کا پتہ معلوم نہیں ہو جاتا معاف کیجئے میں فی الحال کچھ بھی بتانے کو تیار نہیں۔ طلعت نے کہا اور اس امید کی ناکامی کے اثر سے بے تاب ہو کر وہ سیدھی اٹھ کر اپنے کمرہ میں چلی گئیں۔ "بھیا تم کہاں ہو" بے اختیار ان کے ہونٹوں سے نکلا، اور اسی وقت حشمت نے اطلاع دی کہ کھانے پر سب آپ کے منتظر ہیں۔ طلعت نے جلدی جلدی بال سنوارے منہ پر شگفتگی پیدا کرنی چاہی اور کمرے کی جانب چل پڑیں، مگر نگار جاتے ہوئے ہچکچا رہی تھی، جب سے رعنا نے یہ نیا انکشاف کیا تھا، وہ خود ہی خود شرمائی جا رہی تھی۔ سب ہی ہوں گے اور ظہیر و رعنا بھی، شریر رعنا کہیں کھانے کی میز پر کوئی نیا گل نہ کھلائے، مگر خدا کے شکر سے وہ کافی سنجیدہ نظر آ رہی تھی۔ طلعت اپنے خیالات میں گم تھیں۔ اور رعنا

دز دیدہ نظروں سے باری باری دونوں کو دیکھ کر سر جھکا کر مسکرانے لگی تھی، ظہیر د ظفر بھی خاموشی سے کھانے میں شریک تھے شاید ماں اور ممانی کا احترام ملحوظ خاطر تھا، اسی خاموشی کے درمیان کھانا ختم ہو گیا، صبح سے اب تک طلعت نے بچوں کو نہیں دیکھا تھا، ان کی جانب سے اطمینان کر لینے کے بعد وہ بھی نگار کے کمرے میں چلی گئی، جہاں، رعنا نے نگار کو تنگ کر رکھا تھا:

طلعت آج خوش بھی تھیں اور اداس بھی بھائی کا خدا خدا کر کے پتہ لگا بھی تو نامکمل، نادرہ نے بھی لکھ دیا تھا کہ عرصہ سے سلیم بھائی کا خط نہیں آیا، نہ جانے کہاں ہیں، چچا دن بدن ہی بوڑھے ہوتے جا رہے ہیں، اور یہی سبب اس کے دل کو تڑپا رہا تھا، لیکن وہ دوسر دل کی خوشی میں شریک تھی، کیونکہ اس کے محسن خوش تھے، اور اب رعنا نے طلعت کو بھی چھیڑا، خوب ہماری نگار باجی کو پھنسا کر آپ امریکہ جانے کی ٹھان رہی ہیں، مگر آج ہی پھوپی جان سے کہوں گی، اگر اپنی نگار کا بدلہ چاہیں تو اس بچی کو رکھ لیں بڑی نیک بڑی معصوم اور بہت اچھی ہے، بے حد فرشتہ صفت، "

"توبہ توبہ رعنا۔ کیا مصیبت ہے جو کھا منہ مارتی ہے، زبان ہے یا میرٹھ کی مقراض نگار نے ہنستے ہوئے کہا"

"خیر خیر آپ، تو بولیے ہی مت رعنا پھر چہکی "میز بہ کیسی بھیگی بلی بنی بیٹھی تھیں، پھوپی جان دامی جان کا خیال کر کے رہ گئی ورنہ

خوب ہی چڑاتی۔

"رعنا کی بچی بس اب کان مت کھاؤ ورنہ خوب مرمت کرونگی" نگار نے غصہ سے کہا۔

"میں ان دھمکیوں میں آنے والی نہیں بیگم۔ بس اب خیر منایئے اب کی بار آئیں گے تو لے کر ہی جائیں گے، اب تو ہی فیصلہ کر کے ٹلیں گے حضور" اور رعنا نے بڑے انداز سے کہا، اور وہ دونوں ہنسنے لگیں۔

"نگار بڑی زندہ دل ہے تمہاری یہ ہونے والی نند" طلعت نے ہنس کر نگار کو چھیڑتے ہوئے کہا:

نگار سر جھکائے بیٹھی مسکرا رہی تھیں اور طلعت پھر کہنے لگیں واقعی تم سب کچھ بھول کر ان کی پر مذاق باتوں میں کھو جایا کرو گی، تم بھی فضول باتیں کرنے لگیں طلعت یہ تو بہت خراب لڑکی ہے، اب ہماری بہن نہیں رہی؛ نگار نے شرما کر کہا۔ رعنا نے دوڑ کر نگار کی گردن میں باہیں حمائل کر دیں: نہیں نہیں بھیا ابھی تو آپ میری باجی ہیں، ابھی سے تو نند نہ بنایئے۔

"بس بس اب تم بہت بڑھ رہی ہو، رعنا ہٹو یہاں سے بیہودگی نہ کرو۔ نگار کو اب سچ مچ غصہ آگیا تھا؛

"اچھا بھئی، اب ہم اپنی باجی سے کچھ نہیں کہیں گے، رعنا نے مسخرہ پن سے کہا؛ آؤ طلعت بہن ہم تم ملکر گل و بلبل اور آب گل

کی باتیں کریں اور پھر یہ تینوں کھل کھلا کر ہنس پڑیں ہنسنا اور ہنسانا ہی رعنا کا دل پسند مشغلہ تھا۔

رات کو جب یہ سب لوگ کھانے کے بعد ڈرائنگ روم میں جمع ہوئے تو نگار بولی ہاں بھیّا اب دے دیجئے نا ہمارے تحائف جو آپ انگلینڈ سے لائے ہیں۔ ظفر ہنس کر کہنے لگے، اچھا بابا جاؤ وہ سفید سوٹ کیس جو ہے اسے اٹھا لاؤ۔ رعنا بھاگ کر گئی اور ظفر کا سوٹ کیس اٹھا لائی، جو بہت ہی مختصر سا تھا، یہ سب لوگ اٹھ کر قالین پر جا بیٹھے۔ ظہیر نے شاید کسر شان سمجھا، وہ کرسی پر ہی چڑھے بیٹھے رہے، اور پھر جمال نے سوٹ کیس کھول کر وہ تمام تحائف ڈھیر کر دیئے جو وہ سب کے واسطے لائے تھے، کسی کی ساڑھیاں تھیں اور کسی کے سوٹ، بچوں کو ڈھیروں کھلونے۔ الغرض سب ہی کے واسطے کچھ نہ کچھ آیا تھا، رعنا کے لئے چند انگلش ناول چوڑیوں کا مرصع سیٹ اور ساڑھی تھی۔ رعنا یہ سب تحفے پا کر پھولی نہ سمائیں، اور اب آخر میں نگار کا نمبر تھا، چند ناول، انگلینڈ کی خوبصورت سنیریز کے فوٹو موتیوں کا سیٹ، گھڑی، چوڑیاں اور نہ جانے کیا کیا تھا نگار اپنے عزیز ترین بھیا کی محبت پر خوشی سے پھولی نہ سمائیں۔ مگر اب انہیں یہ خیال ستانے لگا کہ طلعت کے لئے کیا ہوا بھیا کو خبر تھوڑی تھی کہ وہ سب کچھ لاتے مگر آخر طلعت بس

اس کی عزیز دوست بن چکی تھی کچھ نہ کچھ تو ہونا ضروری تھا اور پھر سب اپنے اپنے تحفے ایک دوسرے کو دکھانے لگے میاں ظہیر ایسے وقت کب چوکنے والے تھے کہنے لگے:۔

توبہ توبہ لوگ کیسے بداخلاق ہیں کچھ لکھ پڑھ کر سب چوپٹ کر دیا۔ یہ بھی توفیق نہیں ہوئی کہ بھولے منہ سے شکریہ کے دو الفاظ ہی ادا کر دیں، نگار سمجھ گئی کہ یہ چوٹ کس پر ہوتی ہے مگر دھیرے سے مسکرا کر رہ گئی، لیکن رعنا آخر ظہیر کی بہن تھی وہ یہ چوٹ کیوں سہتی جھٹ بول اٹھی، اجی ہمارے ظفر بھیا آپ کی طرح نہیں کہ چیز دے کر احسان منوائیں، یہ عادت تو بس آپ ہی کو مبارک رہے کہ پہلے تحفہ دیں گے۔ جیسے بڑی محبت ہے اور پھر مار مار کر شکریہ ادا کروائیں گے ہا ہا بھلا کیوں شکریہ ادا کریں بھائی دینے کے لئے اور بہنیں لینے کے لئے، اور بہنیں لینے کے لئے ہی تو ہوتی ہیں، اور پھر یہ محفل برخاست ہو گئی۔

نشاط اور رعنا کو کہیں جانا تھا وہ سامان طلعت کے سپرد کر کے چلی گئیں اور پھر فرزانہ بیگم بھی معہ بھاوج اپنے کمرہ میں چلی گئیں بس اب یہاں چنڈال چوکڑی تھی جو ادھم مچانے کو تنہائی کی منتظر تھی، اور اب ظفر بولے بھئی نگار ایک تحفہ اور باقی ہے اور وہ تحفہ اسے ملے گا، جو اپنے منہ سے مانگے۔ ظہیر نے پھر

ٹانگ اڑائی:

تم خاموش ہی بیٹھے رہو تو بہتر ہے مسٹر۔ ظفر نے کہا:
" اب تو ہمارے بھیا اور طلعت باجی کے علاوہ اور کوئی بھی نہیں جسے تحفہ نہ ملا ہو۔ آپ ہی مانگ لیجئے نا بھیا "۔ رعنا بولی " یہ عادت تمہیں کو مبارک " ظہیر نے پھر چوٹ کی "بس وہ تحفہ تو صرف مس طلعت کے لئے ہوگا۔

جی مجھے .... مجھے تو تحفہ کی ضرورت نہیں ظہیر صاحب۔"
" طلعت نے گھبرا کر بے ربط سی بات کہہ دی اور سب کو ہنسی آگئی، طلعت نشاط کی چیزیں اٹھا کر چلنے کے لئے اٹھ کھڑی ہوئی مگر نگار نے اس کو پکڑ لیا۔
" بھاگی کہاں جاتی ہو۔ بیٹھو تو سہی اور طلعت کو مجبوراً بیٹھنا ہی پڑا۔ ظفر خاموش بیٹھے رہے اور ظہیر مسکرا کر کہنے لگے اس کی سند نہیں جو ہاتھ پھیلائے اسی کو ملے گا۔ بھلا یہ بھی کوئی دستور ہے، یعنی جس کی چیز ہے وہ خود ہاتھ بڑھائے۔ نگار اور رعنا نے بہت اصرار کیا مگر طلعت ٹس سے مس نہ ہوئی، تو پھر نگار نے ظفر سے کہا لائیے آپ مجھ ہی کو دے دیجئے میں خود دیدوں گی اور رعنا نے ہاتھ بڑھا کر ظفر سے ننھی سی ڈبیہ لے لی، جس کو دیتے وقت نہ جانے کیوں وہ اداس ہو گئے تھے۔ طلعت نے پھر انکار کیا مگر نگار نے قسم دلا کر اور یہ کہہ کر کہ یہ میری دوستی

کی نشانی ہے۔ طلعت، اور تم کو قبول کرنا ہی پڑے گا۔ اسے لینے پر مجبور کر دیا۔

رعنا نے ڈبیہ کھولی تو بڑی حسین سی ایک انگوٹھی جگمگا رہی تھی، ظفر لائے تو یہ بھی نگار کے واسطے ہی تھے مگر پھر خیال بدل دیا اور طلعت کو دے دی، اس نے بہت پس و پیش کے بعد ہاتھ بڑھایا۔ اور نگار نے وہ خوبصورت سی انگشتری اس کی نازک سی انگلی میں پہنا دی، اس نے تشکرانہ نظر پہلے نگار پر اور پھر ظفر پر ڈال کر سر جھکا لیا، کیونکہ ظفر اس کی جانب دیکھ رہے تھے، اور شریر رعنا نے جھک کر اس کے کان میں چپکے سے کہا، اس کی لاج رکھنا طلعت،" اور طلعت نہ جانے کیوں شرما گئی۔

○○ ○○ ○○

۱۱

محبت اثر کرتی ہے چپکے چپکے
محبت کی خاموش چنگاریاں ہیں۔

ظفر وغیرہ کو آئے پندرہ دن گزر چکے تھے، اور ان پندرہ دنوں میں کوٹھی میں وہ چہل پہل اور رونق رہی کہ لوگ مہینوں کبھی نہ بھلا سکے، ہر دم قہقہے گونجا کرتے تھے۔ فرزانہ بیگم بیحد مسرور تھیں، ظفر اور ظہیر روز دعوتیں اڑاتے پھر رہے تھے، ابھی تک اطمینان سے بیٹھنے کا موقع نہیں ملا تھا، فخر اور مسرور احمد و اختر زیادہ رک نہیں سکتے تھے لہذا وہ لوگ واپس جا چکے تھے۔ نشاط و غزالہ اور عذرا بیگم کو کسی طرح کسی نے جانے نہیں دیا، گو نشاط نے بہت کہا کہ میری ڈسپنسری کا حرج ہو رہا ہے

مگر نہ تو ظفر نے ان کا عذر قبول کیا اور نہ فرزانہ بیگم نے ادھر نگار و طلعت ایک جان دو قالب بن چکی تھیں، دونوں میں بہت بے تکلفی ہو گئی تھی۔ رعنا بھی ہر دم ساتھ ہی رہتیں اور سب کو ہنساتی رہتی تھیں۔ ان کی فطرت ہی میں ہنسنا اور ہنسانا تھا، طلعت نگار کو پا کر بہت خوش تھی، مگر پھر بھی وہ اپنی محسنہ اور عزیز دوست نادرہ کو فراموش نہیں کر سکتی تھی، اکثر اس کی یاد طلعت کو بہت ستاتی، وہ کبھی کبھی بڑی پوشیدگی سے اس کو خط بھی لکھ دیا کرتی تھی، مگر بہت کم، ویسے اب وہ نگار کو اپنے سے بہت قریب تر پا رہی تھی، یہ تو ہو ہی نہیں سکتا تھا کہ وہ اپنی بچپن کی سہیلی نادرہ کو بھلا بیٹھی تھی بلکہ یہ قدم احتیاطی تھا کہ کہیں راز افشاء نہ ہو جائے۔ اور یہی اس نے نادرہ کو لکھ دیا تھا، ادھر نادرہ بھی خوش تھی کہ اس کی سہیلی مطمئن اور پر سکون زندگی بسر کر رہی ہے مگر کبھی کبھی اسے طلعت کی یاد بہت آتی، اور طلعت بھی اکثر رات کی تنہائیوں میں نادرہ کو اپنے گھر کو اپنے باپ بھائی اور وطن کو بہت یاد کرتی جب بھی سکون ملتا اس کا طائر خیال اڑ کر اپنے مسکن کی طرف چلا جاتا، اور دل زیادہ بیقرار ہو جاتا، تو اٹھ کر چمن میں نکل جاتی اور پہروں تنہا بیٹھی رہتی اور خود سے باتیں کرتی رہتی، اپنے دل سے سرگوشیاں کرتی رہتی۔ آہ وہ گھر نہ جانے

کب تک کے لئے مجھ سے چھوٹ چکا جو میرا اپنا تھا، ابا جان مجھ بدنصیب کے باعث کس قدر اداس رہنے لگے ہیں نادرہ نے کہا تھا وہ بہت ہی کم اب کسی سے ملتے جلتے ہیں آہ ادھر بھیا نے بھی میری گمشدگی کی خبر پاکر آنے کا ارادہ ملتوی کر دیا اف ابا میاں آجکل کتنے رنجیدہ ہوں گے، انہیں کتنا صدمہ ہوا ہو گا، آہ میں کیا کروں میرے خدا تو ہی بتا کہ میرا انجام کیا ہو گا۔ بھائی جان کا پتہ بھی نہیں لگ سکا۔ اف نہ جانے وہ کہاں ہیں، آہ کتنی عجیب اور درد انگیز ہے، وکیل جمال الدین کی اکلوتی بیٹی کی زندگی، کاش کوئی میرے دل کے درد کو جان سکتا، خدایا، تو بڑا رحیم ہے۔ بڑا کریم ہے، اگر یہ لوگ مجھ سے اتنا اچھا سلوک نہ کرتے تو نہ جانے میرا کیا حال ہوتا، مگر۔ مگر میرے خدا اب یہاں رہنا بھی مشکل نظر آرہا ہے، کیا یہ گھر بھی مجھے چھوڑنا پڑے گا، کیا ان سب کو میں فراموش کر سکوں گی آہ نہیں کبھی نہیں، اپنے محسنوں کو بھلا کیسے بھلا سکوں گی، یہ دل میں نئی آگ کیسی سلگنے لگی، پروردگار یہ چنگاری کیوں دہکنے لگی۔

اف، کیا اسے محبت کہوں، کیا اسے پیار کا نام دوں۔ یا اسے کسی کی چاہت سمجھوں، مگر کس کی چاہت، بھلا میں کسے چاہنے لگی، ہوں۔ اف، کون ہستی ہے وہ جو میرے دل میں درد پیدا کرتی ہے، کیا وہ ہستی ڈاکٹر ظفر ہیں . . . . نہیں . . . آہ وہ

بہت بلند و بالا ہیں ایسا نہیں ہو سکتا کبھی نہیں وہ بڑی عظیم ہستی ہے اور میں ان کے چچا کے گھر کی ایک ادنیٰ ملازمہ ایک ایسی ہستی جس کے ماضی سے کوئی واقف نہیں جس کے وجود کے بارے میں کوئی نہیں جانتا۔ مگر یہ ظفر.......... کیوں آخر کیوں بار بار میرے لب پر آتا ہے کیوں میرے دل میں ہلچل مچاتا ہے کیوں بار بار میرے ذہن میں گونجتا ہے، اگر کوئی سن پائے تو کیا کہے یہی نا کہ کتنی نمک حرام نکلی، جس تھالی میں کھایا اسی میں چھید کیا۔ مگر نہیں میں ایسا ہرگز نہیں ہونے دونگی میں اپنی محبت کا گلا گھونٹ دوں گی، میں کبھی ان آنسوؤں آہوں کے طوفان کو ظاہر نہ ہونے دوں گی۔ جو اندر ہی اندر میرے سینے میں اٹھ رہا ہے۔ تو پھر کیا کروں گی۔ آہ میرے خدا میں کہاں آکر پھنس گئی یہ کیسی دلدل میرے گرد و پیش بڑھتی چلی آرہی ہے خدا جانے کب تک چلیں گی، اب میرا دل ایک منٹ کو یہاں نہیں لگتا، کتنی وحشت اور کسقدر گھبراہٹ طاری رہتی ہے، اف کتنا دل گھبراتا ہے" اور اس کے خیالات یہیں تک پہنچے تھے کہ اس نے دیکھا۔ ایک سایہ سا اس کی جانب بڑھ رہا ہے، وہ خوف سے کانپ اٹھی، اور ڈر کے مارے ۔ برا حال تھا، مگر پھر ظفر کو اپنے مقابل پا کر اس کی عجیب کیفیت ہو گئی۔

گھبرائیے نہیں مس طلعت میں ہوں ظفر۔ ظفر نے جلدی سے

اپنے کو ظاہر کر دیا کہ کہیں طلعت ڈر کر چیخ نہ مار دے!

"اف! آپ یہاں کہاں اس وقت طلعت نے بمشکل اپنے منتشر حواس جمع کرتے ہوئے کہا، اب وہ گھبرا رہی تھی کہ کہیں کسی نے دیکھ پایا تو کیا ہو گا، مگر ظفر نے فوراً ہی کہا، یونہی نکل آیا تھا، چمن کے کمرے میں گھٹن سی ہو رہی تھی اور نیند بھی نہیں آ رہی تھی، میں ٹہلتا ٹہلتا ادھر آیا تو آپ بیٹھی نظر آئیں میں مخل تو نہیں ہوا، ظفر نے محبت آمیز نگاہیں طلعت کے رخ روشن پر ڈالیں،

جی نہیں ظفر صاحب یہ گھر یہ چمن سب آپ کا ہے آپ کو ہر طرح کا اختیار ہے، مجھے ہونے کی کیا بات ہے مجھے بھی کمرے میں گھٹن سی محسوس ہو ئی تھی تو ادھر چلی آئی ذرا ہوا کی تلاش میں دراصل طلعت ظفر کی آمد پر بہت ہی خوفزدہ سی معلوم ہو رہی تھی، اور ظفر نے بھی اس بات کو محسوس کر لیا تھا وہ کہنے لگے، گھبرایئے نہیں مس طلعت میں ابھی چلا جاؤں گا، کیا یہ پوچھ سکتا ہوں میں کہ آپ کا دل یہاں کیوں نہیں لگ رہا معاف کیجئے یہ سوال مجھے کرنا نہیں چاہئے تھا، مگر آپ چونکہ ہماری مہمان ہیں تو ہمارا فرض ہے کہ آپ کی دلجوئی میں کمی نہ کریں اپنے مہمان کو خوش رکھنا میزبان کا فرض ہے، وہ مسکرا رہے تھے ایک عجیب سی مسکراہٹ طلعت یہ سن کر بہت سٹپٹا گئیں اور کہنے لگیں میں نے کب کہا ہے کہ میرا دل نہیں لگتا، ظفر نے مسکراتے

ہوئے اس کی جانب دیکھا اور کہنے لگے، معاف کیجئے طلعت صاحبہ میں نے اتفاق سے آپ کی سرگوشی کے آخری الفاظ سن لئے تھے، ظفر اس کی گھبراہٹ سے بہت ہی محظوظ ہو رہے تھے۔

"جی نہیں، ایسی تو کوئی بات نہیں، میں نہ جانے کیا بات کہہ رہی تھی، اور میرا تو ویسے یہاں کافی دل لگ رہا ہے، طلعت نے مزید حماقت کی اور سمجھ رہی تھی کہ اس طرح بات ختم ہو جائیگی۔

"بہت بہت شکریہ مس طلعت۔ خدا کرے کہ آپ نے سچ بولا ہو" ظفر نے بہت لطف اندوز ہوتے ہوئے کہا۔

"آپ کی غلط فہمی شاید اب تک رفع نہیں ہوئی۔ خیر اچھا اب میں چلتی ہوں، طلعت نے کھڑے ہوتے ہوئے کہا، ظفر اسے روکنا چاہتے تھے مگر روک نہ سکے، وہ جلدی جلدی قدم اٹھاتی اپنے کمرے کی جانب چل دی اور ظفر وہیں پر کھڑے ہوتے اس کے دور ہوتے ہوئے سائے کو دیکھتے رہے، اس وقت تک جب تک کہ وہ نظروں سے قطعی اوجھل نہ ہو گیا، اور پھر وہ اسی بنچ پر بیٹھ گئے جس پر چند منٹ قبل طلعت بیٹھی تھی، وہ سر کو ہاتھوں سے تھامے سوچ رہے تھے،

"اوہ میرے خدا، آخر وہ کس قسم کی لڑکی ہے جس کو نہ کبھی میں نے کھل کر ہنستے دیکھا نہ شوخ شوخ باتیں کرتے ہوئے سنا ہمیشہ اداس اداس مرجھائی کلی کی مانند نظر آتی ہے جیسے چنبیلی

کی زرد کلی ہو، مگر اس میں شک نہیں کہ بہت ہی سلیقہ مند بیحد
شائستہ اور بے حد درجہ خوش خلق ہے۔ اور پھر یہ سلیم کی
اس درجہ مشابہت نہ جانے کیا راز ہے۔ شاید اتفاق ہو مگر،
... مگر میں اس کے متعلق کیوں سوچا کرتا ہوں، اس کے بارے
میں مجھے تو کچھ بھی سوچنے کا حق نہیں ہے میں ہر چند اس کے خیال کو
جھٹلاتا ہوں، لیکن پھر بھی وہ معصوم حسین چہرہ وہ روح پرور تصور
ہر دم میرے ذہن پر چھایا ہی رہتا ہے، کتنی گھبراہٹ اور معصومیت
سے فرما رہی تھیں: "واہ میرا دل تو خوب لگتا ہے" جیسے ان کے
نازک لبوں سے نکلے ہوئے الفاظ میں نے تو سنے ہی نہ ہوں
کاش وہ جان لیتے کہ اس کے بغیر یہ گلشن اور اس کی بہاریں اداس
ہو جائیں گی، ... مگر میں یہ سب کیوں سوچ رہا ہوں کیا خبر
اس کے خوابوں کی دنیا کس خوش قسمت ہستی کے وجود سے منور
ہے۔ کیا پتہ اس کی تمناؤں اور آرزوؤں کا مرکز کون خوش نصیب
ہے۔ اس کی امیدوں کے چراغ کس کے تصور سے روشن ہیں،
اس کی خوشیوں کا تاجدار کوئی بھی ہو، مگر میں یہ معصوم شکل بھلا
نہیں سکوں گا، خدا کرے کہ طلعت، کہ تم مجھے جان سکو، اف اس دل
کو انگلستان کی حسین سے حسین ماہ وش لڑکیاں بھی فتح نہ کر سکیں
مگر تمہاری ایک نگاہ برق پاش میں نہ جانے کیا تھا کہ میرا دل بھی
میرے بس میں نہیں رہا، تمہارے معصوم پاکیزہ سے تبسم نے میرا

دل جیت لیا، اب ظفر تم کو کبھی فراموش نہیں کر سکتا، طلعت کاش
تم میری بن سکتیں میرے مستقبل کی ساتھی. مگر کون جانے اور کسے
خبر کہ تم کس کی قسمت کا تابندہ و درخشاں ستارہ ہو، اور
تمہاری معصوم اداؤں نے کسی کے دل میں ہلچل مچا رکھی ہے،
تمہارے زیر لب تبسم اور جھکی جھکی نگاہوں نے کسی کے دل کو
مجروح کر دیا ہے ؎

یہاں تک جذب کر یوں کاش تیرے حسن کامل کو
تجھی کو سب پکار اٹھیں گذر جاؤں جدھر ہو کر

اور ابھی ان کے خیالات کا سلسلہ یہیں تک پہنچا تھا کہ ظہیر کی
آواز نے چونکا دیا جو قریب کھڑے پوچھ رہے تھے، میں نے
کہا میاں مجنوں یہ کس سے محو گفتگو ہو، جانے والی تو جا بھی چکی،
ظفر ان کی آمد سے بہت پریشان ہو گئے تھے اچانک کھڑے ہوئے
"تم یہاں کہاں ظہیر؟" انہوں نے پریشانی سے پوچھا، ظہیر کے لبوں
پر شریر مسکراہٹ رقص کر رہی تھی، شاید وہ ظفر کا آخری جملہ
سن چکے تھے، مسکرا کر کہنے لگے، بس کیا بتاؤں جہاں قیس وہیں
فرہاد بھی کسی نے کیا حسب حال کہا ہے ؎

آ عندلیب مل کر کریں آہ و زاریاں
تو ہائے گل پکار میں چلاؤں ہائے دل

ظہیر کی اس ادا پر ظفر کو بھی ہنسی آ گئی اور ظہیر بھی اسی بینچ
پر بیٹھ گئے. صبح کے چار بج گئے تھے اب سونے کا کوئی

وقت ہی نہیں تھا، لہٰذا ظہیرؔ نے پھر ظفر کو چھیڑا،

تو حضرت جناب آپ کی یہ آدھی رات میں تفریح کرنے کی کیوں کو سوجھ پڑی، میری اچانک آنکھ کھلی تو جناب غائب تھے چند منٹ انتظار کیا اور پھر ہم بھی آپ کی تلاش میں چمن نوردی کو نکل پڑے، صحرا کی جانب اس لیے تلاش کی خاطر نہیں گئے کہ ہم ٹھہرے بیسویں صدی کے عاشق، بھلا وہاں کے خارِ مغیلاں سے اپنے پائے مبارک کون لہولہان کرتا، اور معلوم ہوتا ہے کہ تم بھی اسی باعث نکل پڑے ہو، میرے پیارے کیا خلوت یاد آرہی تھی، ظہیرؔ نے جھک کر ظفر کو دیکھا،

" اف توبہ — تم کو تکلیف بولنے میں تو بڑی ہی مہارت ہے ارے بابا صاف بات ہے کہ اندر گرمی زیادہ محسوس ہوئی تو ہوا کی تلاش میں یہاں آگیا، اور تم نہ جانے کیا سوچ لیا ذرا سی بات کا فسانہ بنانا اسی کو کہتے ہیں۔ ظفر نے اپنی صفائی پیش کرتے ہوئے مسکرا کر کہا:

ظہیر بھلا اس موقع پر چوکنے والے کب تھے، ہاتھ بڑھا کر برابر کی جھاڑی سے گلاب کا ایک پھول تازہ توڑتے ہوئے ہنس کر کہنے لگے، یا اس آفتِ جاں کے حسن کی آتش نے تمہارے دل نازک کو اتنا گرمایا کہ تمہیں چمن کی سیر کرنی پڑی۔

" کیا بک رہے ہو تم میاں ظہیرؔ میں سیدھی بات کرتا

ہوں اور تم ہمیشہ انہی لے جاتے ہو۔ ظفر نے قدرے الجھ کر کہا۔ اور وہیں سیٹ پر دراز ہو گئے

" اوہ میری جان دائی سے پیٹ نہیں چھپایا جا سکتا۔ ہم خوب سمجھتے ہیں کہ یہ آدھی رات کو گرمی نے تمہیں کیوں ستایا تھا، کیوں ہوا کھانے کے بہانے نکلے تھے۔ لو یہ پھول سونگھو تو شاید جدائی کے تلخ لمحات زائل ہو جائیں۔ اور تمہارے دل بے قرار کو قرار آجائے۔ ظہیر نے پھول ظفر کی ناک میں ٹھونستے ہوئے کہا، اور ان کی اس حرکت پر ظفر کو بے اختیار ہنسی آگئی وہ اٹھ کر بیٹھ گئے اور ظہیر سے کہنے لگے تمہیں خدا سمجھے ظہیر بڑے ہی کند ذہن ہو تم کبھی کوئی بات نہیں سمجھ سکتے۔ اور اور تمہیں وہی قتالہ عالم سمجھے جس نے تمہارے جیسے پتھر کو پگھلا دیا ہے۔ ظہیر نے منہ بناتے ہوئے مسکرا کر کہا"

" بڑے حسین نظر آرہے تھے ابھی ابھی۔ ظفر نے گھور کر اسے دیکھتے ہوئے کہا۔

" کیوں نہیں کیوں نہیں سرکار آخر بات تو آپ ہی کے دل کے بارے میں کر رہا ہوں۔ ظہیر نے گستاخوں کی مانند سر ہلا کر کہا۔

" اوہ بہت ہی اچھے لگ رہے ہو خدا نہیں کے لکھے پڑھ کر سب ڈبو دیا۔ مو مانی جان سے کہوں گا کہ آپ نے ہی کس گد سے

پر کتابیں لاد دی ہیں۔ ظفر بھی ہنسے بغیر نہ رہ سکے۔
اور اگر اس بھانڈ پر میں تمہیں سانڈ کہوں تو برا نہیں مانو
گے، رہی مجھ پر کتابیں لادنے کی بات تو جان من تم مجھ سے بڑے
گدھے ہو، کیونکہ صرف چار ماہ بڑے ہو اور تم پر بھی اسی کیمرج میں
کتابیں لادی گئی ہیں جہاں مجھ پر لادی گئی تھیں، ظہیر نے کہا کہ اور
ظفر کی جانب دیکھ کر مسکرانے لگے
"آخر تمہارا مطلب کیا ہے؟" ظفر نے ہنس کر اسے دہراتے
دیکھ کر پوچھا،
ظہیر نے سینہ پر ہاتھ رکھ کر قدرے خم ہو کر کہا، کہ شہنشاہ
عالم اس وقت چمن کی سیر نہ کریں، گورا بنڈہ (بدن) ہے کہیں
پریوں کا سایہ نہ پڑ جائے، اور اب تک اگر پڑ بھی چکا ہو
تو میں کہہ نہیں سکتا، اس کے علاوہ حضور کے بغیر کمرہ میں اس
نیاز مند کا دل نہیں لگ رہا، لہذا اب تشریف لے چلئے اب تو
دماغ کافی ٹھنڈا ہو گیا ہو گا، میرے سرکار کا، ظفر کا ہنسی سے
برا حال تھا باوجود ضبط کے ہنسی کسی طرح نہیں رک رہی تھی۔
اچھا بابا چلو، اب چار بج چکے ہیں کپڑے بدل لیں تو پھر گومتی
پر ٹہلنے چلیں گے، ظہیر نے اٹھتے ہوئے کہا، ہاں تو اب کی ہے
آپ نے کام کی بات، دونوں اٹھ کر کمرے میں آئے حوائج
ضروری سے فراغت پا کر نماز فجر ادا کی اور تیار ہو کر گومتی کی جانب

نکل گئے۔ ظفر کے ذہن پر رات کی ملاقات کا اثر اب تک طاری تھا، کیوں کہ ظہیر نے ان کے ہونٹوں پر کئی بار تبسم دیکھا تھا اور پھر آخر ان سے ضبط نہ ہو سکا۔ ایک بات بتاؤ گے ظفر۔"

ظفر جمال نے چونک کر ظہیر کی جانب دیکھا کیا پوچھو گے میرے دوست۔

"پہلے وعدہ کرو ظفر کہ سچ بتاؤ گے، جو میں پوچھوں گا۔ اس سے قبل میں کوئی بات نہیں کروں گا۔ ظہیر نے گھاس پر بیٹھتے ہوئے کہا جس پر شبنم کے قطرے موتیوں کی مانند بکھرے پڑے تھے۔

تم تو بلائے بے درماں کی مانند مجھ پر مسلط ہو رہے ہو، پوچھو تو سہی اگر بتانے کی ہوگی تو بتا دیں گے ورنہ انکار کر دیں گے، ہم کوئی ٹھیکیدار تو نہیں۔ ظفر نے بھی شرارت سے کہا۔

واہ میرے دوست کیا میرا تنول والا طرز اختیار کیا ہے کیا انگلستان سے اسی کی سند لے کر آئے ہو، ظہیر نے ظفر کی مسخری ادا سے محظوظ ہوتے ہوئے کہا۔ ظفر بھی اس کی برابر گھاس پر بیٹھ گئے۔ اور قدرت کے شاہکاروں کا نظارہ کرنے لگے۔

ہاں سب سے آگے والی لائن میں تو تمہاری ہی کرسی

بھئی کیا اتنی جلدی اپنی کلاس بھول گئے، ظفر نے پھر
شرارت کی۔

" اچھا اچھا بس اب ٹالنے کی مت سوچو اور سیدھی طرح
یہ بتاؤ کہ رات باغ میں کس سے محو گفتگو تھے، تم عرصہ پندرہ
بیس دن سے کھوئے کھوئے کیوں ہو؟ اور تمہارے ذہن
پر ہر دم کون چھایا رہتا ہے، ظہیر نے مسکرا کر کہا۔

" نہیں بتاتے تم سے مطلب" ظفر نے ایک زوردار قہقہہ
لگاتے ہوئے کہا۔ کہ ظفر ان کے دل کی حالت سے واقف
نہ ہو جائے۔ "مطلب، ارے بتاؤں پھر کہ کیا مطلب" ظہیر نے
سیدھے ہو کر ظفر کی گردن ناپتے ہوئے کہا۔ "اگلو، جلدی سے
میرے شیر کر دو تم سب بکھرا رازوں کی باتیں، ورنہ گردن
دبا کر یہیں دریا میں لاش ڈال جاؤں گا پھر سب روتے
پھریں گے، اور وہ آفت روزگار بھی جس کو تم نے دل
میں بسایا ہے اور جناب ہم مفت میں پھانسی چڑھیں گے،
تیرے بھی امی کے اکلوتے ہیں، راز پر تو کم از کم رحم کرو"

ارے ارے یہ کیا حماقت سیدھے بیٹھو دیکھو لان میں
اور لوگ بھی آ رہے ہیں، ظفر نے اپنی گردن چھڑانی چاہی
ظہیر دوسرے لوگوں کی آمد سے بے بس ہو گئے اور پھر
ہٹ کر بیٹھ گئے تو ہاں اب شروع ہو جاؤ جلدی سے۔

"ارے کوئی بات بھی نہیں ہے۔ ظہیر بس اکثر یہ خیال ستانے لگتا ہے کہ بے فکری کے ایام ختم ہو گئے۔ اب تو نئی نئی ذمہ داریاں ہیں ہزاروں فکرات ہیں غم روزگار بڑا بھیانک اثر رہا ہے۔ ظفر نے ظہیر کی جانب دیکھ کر کہا۔

بس ان جھگڑوں میں یہ خاکسار اڑنے والا نہیں جس وقت تک بھی کچھ اڑے تھے تو کوئی بھی خیال نہیں تھا بہت خوش وخرم تھے۔ خیر نہ بتاؤ دوست، ہم بھی سب کچھ جانتے ہیں کہ آپ کو غم روزگار کے ساتھ غم محبت بھی لاحق ہو چکا ہے کہو تو صاف صاف۔ نام بھی بتا دوں ظہیر نے شرارت سے کچوکا دیکر ظفر کے زانو میں چٹکی لیتے ہوئے کہا۔

"اف تم انسان ہو یا جنگلی خدا کی پناہ کتنے زور سے چٹکی لی ہے۔ اوہ تو خوب گویا آپ علم نجوم میں بھی مہارت رکھتے ہیں ظفر نے زانو سہلاتے ہوئے کہا۔

اور نہیں تو کیا تمہاری طرح جاہل ہوں"۔ ظہیر نے فخریہ سینہ پھلا کر جواب دیا۔ پھر وہ مسکرانے لگے۔ آخر تم نے ہمیں سمجھ کیا رکھا ہے، کہو تو بتا دوں ساری تفصیل۔ پھر تو قائل ہو جاؤ گے ہمارے علم نجوم کے۔

"ہاں ہاں ضرور بتاؤ ہم بھی دیکھیں گے کہ تم کتنے پانی میں ہو۔ ظفر نے بڑے اعتماد سے کہا وہ بیچارے اس خوش فہمی

میں مبتلا تھے کہ یہ راز مجھی تک محدود رہے، مگر تاڑنے والے تو قیامت کی نظر رکھتے ہیں۔ ظہیر نے ان کے انداز سے سب کچھ معلوم کر لیا تھا، اور پھر طلعت کی معصومیت سے کچھ بھی بعید نہ تھا، بتاؤں گا تو ضرور ظفر صاحب مگر وعدہ کرو کہ انکار نہیں کرو گے، کیونکہ میں کچھ غلط نہیں بتاؤں گا، ظہیر نے ظفر کا ہاتھ تھام کر محبت سے دبایا۔ یہ تو کوئی بات نہ ہوئی ظہیر صاحب، اب ظفر ذرا چونکے اور سنبھل کر بیٹھ گئے۔

بات کہے نہ ہوئی، تم کو اقرار تو کرنا ہی پڑے گا میری جان ظہیر نے مسکرا کر کہا۔ ورنہ میں نہیں بتاؤں گا۔"

"اچھا اچھا چلو وعدہ سہی، اب کچھ کہو بھی چکو ظفر کا دل دھڑک رہا تھا، وہ کچھ پریشان سے تھے، بتاؤ تم کیا جانتے ہو۔؟"

"یہی کہ ہز ہائنس صاحبزادہ ڈاکٹر ظفر جمال ایک حسینہ پری خوش جمال و خوش خصال "حور طلعت" کے عشق میں گرفتار ہو چکے ہیں اور اگر بار خاطر نہ ہو تو یہ بھی فرما دوں کہ عرصہ پندرہ دن سے اس کے ہی تصور سے آپ کی دنیا آباد ہے، اسی کے تصور میں غرق رہنا آپ کی معراج ہے کہہ دو یہ سب جھوٹ ہے، مگر میں تو مان ہی نہیں سکتا" ظہیر نے بڑے فاضلانہ انداز میں سر ہلا ہلا کر انکشاف کیا۔

"اوہ یہ کیا بے ہودگی ہے، میرا خیال تھا کوئی کام کی بات بتاؤ گے، تم نہ جانے کہاں لا زن کی کھینچنے لگے بڑے ہی احمق ہو" ظفر نے قدرے جھلا کر کہا، وہ دل میں کافی وحشت اور گھبراہٹ سی محسوس کر رہے تھے،

"بس اب بنو نہیں جناب، کہو تو نام بھی بتا دوں مگر نام تو بتا بھی چکا ہوں عقلمند ہو گے تو تم سمجھ بھی گئے ہو گے، ویسے بھی، خیر سے ڈاکٹر ہو جو صورت دیکھ کر ہی مرض کی تشخیص کر دیتا ہے"

"تم بہت گدھے ہو" ظفر نے اکتا کر کہا،

"معلوم ہوتا ہے کہ آپ بھی گدھے ہیں، کیونکہ ایک گدھے سے ہمکلام ہیں" ظہیر نے پانسہ پلٹا

"اف تم نے تو کان کھا لئے" ظفر نے اٹھتے ہوئے کہا،

"ارے بھاگے کہاں جاتے ہو بیٹھو تو سہی" ظہیر نے انہیں پکڑ لیا۔

"تم بہت احمق ہو، اور ساتھ ہی ساتھ نالائق بھی" ظفر نے ہاتھ چھڑاتے ہوئے کہا۔

"یا اللہ کتنے خطابات سے نوازیئے گا، حضور بس ایک "گدھا" ہی کافی ہے، یہ تو اپنے ہی واسطے محفوظ رکھو، بغیر اقرار نہ کرو تمہارا ہی نقصان ہے" ظہیر نے جواب دیا،

"کیا نقصان ہے میرا" ظفر جلدی سے بولا۔

"یہی کہ بغیر ہماری مدد کے اس تک رسائی ناممکن ہے" ظفر نے سینہ

بھلا کر کہا: اب اگر کہو تو نام بھی بتا دوں:
"اچھا بابا بتاؤ ہم بھی سنیں کہ تمہاری سمجھ کتنی ہے: ظفر نے عاجز ہو کر کہا۔
"اوہ! جیسے آپ کو تو پتہ ہی نہیں، سرکار بھول کیوں جاتے ہیں، ابھی تو بتا چکا ہوں اور اگر یاد نہ رہا ہو تو پھر بتاتا ہوں کہ اس آفت روزگار کا نام طلعت جہاں ہے۔ کہو اب کیا خیال ہے:
"تمہارا سر: ظفر نے کافی بوکھلاہٹ سے کہا۔ وہ کسی پر اپنی محبت کی داستانیں ظاہر کرنا نہیں چاہتے تھے، مگر اتفاق سے ظہیر نے سن ہی لی، وہ بات جسے وہ چھپانا چاہتے تھے، تم باز نہیں آؤ گے ظہیر کیوں خواہ مخواہ کسی کو بدنام کرنے پر تلے ہو، خبردار جو آئندہ ایک لفظ بھی نکلا تمہارے منہ سے:
"ہاں تو اب آئے راہ راست پر اسے بھائی بدنام کیوں کرتا خیر بڑی اچھی جگہ لڑکی کا انتخاب کیا ہے، خدا مبارک کرے لیکن پہلے میں نے طلعت کے متعلق سوچا تھا، اور اب سوچ رہا ہوں کہ سچ مچ ہی تمہارا رقیب بن جاؤں گا، بڑا مزہ آئے گا۔ کہو دوست کیا خیال ہے: ظہیر نے قہقہہ لگا کر کہا۔
"خدا کے لیے ظہیر رحم کرو۔ بار بار ان کا نام نہ لو خواہ مخواہ کوئی سن پائے تو مفت کی بدنامی ہو اور پھر مجھے تم سے ایسے سنگدلانہ اقدام کی توقع نہیں: ظفر نے قدرے پریشانی سے کہا۔

"کس اقدام کی میں سمجھا نہیں" ظہیر نے بن کر پوچھا،
"یہی کہ تم اسے اپنانے کی کوشش کرو گے جو انجانے میں میرے
دل میں بس گئی" ظفر نے آخر کار ہتھیار ڈالتے ہوئے کہا۔
"دہ مارا" ظہیر نے اتنی زور سے کہا کہ آس پاس چہل قدمی
کرنے والے لوگ بھی چونک کر ادھر دیکھنے لگے "اب آئے تم اصل
موضوع پر چلو کسی طرح قبول تو کر لیا، مگر میرے دوست کیا تم نے
اس پر اچھی طرح غور کر لیا ہے، کہ تمہارے اور اس کے درمیان زمین
آسمان کا فرق ہے، اس کی اور تمہاری حیثیت میں بڑا فرق ہے، کیا پھوپی
اماں تمہارے اس فیصلہ پر خوش ہوں گے، ؟ کیا اس لڑکی کو
تمہاری دلہن کی حیثیت سے قبول کر لیں گی ؟" ظہیر نے اندیشہ ہائے
دور دراز پر نگاہ جماتے ہوئے کہا،
ظفر نے سر اٹھا کر بڑے اعتماد سے جواب دیا،" ہاں ظہیر
مجھے یقین ہے کہ میں نے غلط انتخاب نہیں کیا، امی میرا کہنا
کبھی نہیں ٹالیں گی، طلعت کی نگاہوں میں حسرت و یاس کا
مسکن ہے۔ میرے دوست وہ غریب ہے اور ایسے بڑے
سہارے کی ضرورت ہے، قابل ہے، حسین ہے، لائق ہے،
فرمانبردار ہے سابقہ سعیاد ہے بس پھر اور کیا چاہئے میرے دوست
اور پھر انہوں نے سر جھکا لیا
جیسے کچھ کو تج رہے ہوں

"یہ سب کچھ سہی ظفر صاحب مگر وہ کون ہے، کہاں سے آئی ہے کیا قصہ ہے یہ کوئی بھی نہیں جانتا؟" ظہیر نے کہا۔

"یہ سب ٹھیک ہے، اول تو فی الحال مجھے اس کی ضرورت نہیں، امی البتہ یہ بات سوچیں گی تو، میں نے پہلے ہی یہ عزم کر لیا ہے کہ اس کے مکمل حالات کا جلد از جلد پتہ لگا کر امی سے درخواست کروں گا، فی الحال یہ راز تم ہی تک محدود رہنا چاہیے۔" ظفر نے تاکیداً کہا اور پھر اٹھ کر کھڑے ہو گئے، کافی دن نکل آیا تھا یہ لوگ گھر واپس پہنچے، چمن میں داخل ہوتے ہی ظفر کی کسی سے مڈبھیڑ ہو گئی، اور وہ تھی ہماری ہیروئن: "طلعت جہاں"۔

ان لوگوں کو آئے اب کافی دن ہو چکے تھے، نشاط کے ہاں تیسرا بچہ ہونے والا تھا، لہذا فرزانہ بیگم نے انہیں جانے ہی نہیں دیا اور ان کے باعث عزالہ بھی نہیں گئیں، عذرا بیگم بھی موجود تھیں، سرور احمد بھی، حسن و فخر جا چکے تھے۔

عذرا بیگم کی دیرینہ آرزو تھی کہ نگار بیگم کو اپنی بہو بنائیں مگر ابھی اس خیال سے خاموش تھیں کہ ظہیر کسی قابل ہو جائیں تو اپنی خواہش کا اظہار کریں، اب ظہیر خیر سے ہر طرح ایک کامیاب انجنیئر تھے لہذا ایک دن وہ موقع پا کر اپنے دل کی بات زبان پر لے ہی آئیں۔

"باجی اب خیر سے نگار شادی کے قابل ہو چکی آپ کو کیا اس کے متعلق کچھ فکر نہیں ہے، اب تو شادی کرنی ہی چاہیے

یہی دن بچوں کے کھیلنے کھانے کے ہوتے ہیں۔"

"اے ہے دلہن میری بھی تو سنو۔" فرزانہ بیگم نے مسکرا کر بھاوج سے کہا: "جیسے مجھے تو بس فکر ہی نہیں۔ اللہ جانتا ہے دن رات یہی دعا کرتی رہتی ہوں کہ اللہ عزت آبرو کے ساتھ اسے اپنے گھر کا کر دے تو پھر اپنے ظفر کے لئے بھی سوچوں۔ دو تین پیام آئے ہوئے ہیں، تم ہی لوگوں کا انتظار تھا۔ اب ذرا سکون نصیب ہوا تو فخر چلے گئے، ان کو بھی بلوا لوں، ظفر بھی آ گئے ہیں، تو پھر سب مشورہ کر کے کسی ایک کو جواب دے دیا جائے۔ اور پھر خدا نے کیا تو جلد ہی اس فرض سے سبکدوش ہونے کی کوشش کروں گی۔"

"کن کن لوگوں کا پیام ہے مجھے تو بتلائیے؟" عذرا بیگم نے ہمہ تن گوش ہو کر کہا۔

"ایک تو میر سرعتیق الرحمٰن کے لڑکے خلیق کا ہے۔ دوسرا کمال احمد اور تنویر الرحمٰن چچی کے پوتے شمیم احمد کا۔ اے تم بتاؤ کونسا بہتر رہے گا؟"

"اے ہے باجی میرے دل کی بات پوچھیں تو مجھے تو ایک بھی نہیں بھایا۔" عذرا بیگم ناک سکیڑتے ہوئے بولیں: "ویسے آپ کی مرضی ہے۔"

"یہ کیا بات ہوئی دلہن؟" فرزانہ بیگم نے مجسم سوالیہ نشان بنتے ہوئے پوچھا۔

"کوئی خاص بات تو نہیں اور سچ تو یہ ہے باجی کہ اب کی تو میں خود بھی امیدوار بن کر آئی ہوں، میرے ہوتے نگار کسی غیر کے جائے یہ کبھی نہیں ہو سکتا ظہیر بھی آپ کے بھائی کا لڑکا ہے، آپ کا بھتیجہ ہے، اسمیں اگر کوئی کمی ہو گی بھی تو آپ کو درگزر کرنی پڑے گی رہیں بڑی امید اور ارمان لے کر آئی ہوں، کہیں مایوس نہ کر دیجئے گا، میں اب کی بات طے کر کے اور انگوٹھی پہنا کر ہی جاؤں گی" عذرا بیگم نے دل کی بات کہہ ہی ڈالی"۔

"اے ہے دلہن تمہاری بھی بھلا کیا باتیں ہیں" فرزانہ بیگم مسکرا کر بولیں "نگار کوئی غیر نہیں تمہاری اپنی لڑکی ہے۔ ظہیر میرے بھائی کی اولاد اور دل کی ٹھنڈک ہے مجھے اس پر کامل اعتماد ہے کیونکہ وہ بڑا ہونہار بچہ ہے ظفر اگر میری داہنی آنکھ ہے تو ظہیر بائیں اس سے زیادہ مسرت کی کیا بات ہو گی کہ نگار تمہارے گھر جائے، میرے پاس نہ رہی ماموں کے گھر چلی گئی، ایک ہی بات ہے مگر ہتھیلی پہ سرسوں نہ جماؤ فخر کو آلینے دو ان کے سامنے بات طے کرنا ٹھیک ہو گی کیونکہ ان کے بغیر کوئی بھی کام کرنے کو میرا دل نہیں چاہتا وہ ہر معاملہ میں میری خوشی مقدم رکھتے ہیں تو اس موقع پر میں ان کو کیونکر فراموش کر دوں، آج تار دلوا دیا جائے تو وہ کل پرسوں تک آجائیں گے۔

"یہ سب ٹھیک ہے مجھے اس سے کب انکار ہے"

عذرا بیگم نے جواب دیا: "باقی سب باتیں تو فخر کی آمد پر رکھئے مگر ایک بار مجھ سے یہ کہہ دیجئے کہ نگار تمہاری ہے، اور اس گھر کے علاوہ اور کہیں نہیں جائے گی۔"

"اللہ رے بے صبری" فرزانہ بیگم مسکرائیں: "کہہ تو رہی ہوں کہ نگار تمہاری ہے اور اس گھر کے علاوہ اور کہیں نہیں جائیگی" اور تمہاری بہو بن کر انشاء اللہ اس گھر جائے گا جس گھر سے بہو بن کر میں آج سے پچیس سال قبل نکلی تھی، مجھے ظفر کے بعد ظہیر پیارا ہے اور اس گھر کے بعد وہ گھر دنیا میں سب سے زیادہ عزیز اور پیارا ہے۔ لیکن تم نے بات تو اٹھائی ہے مگر ظہیر سے بھی تذکرہ کر دیا ہے کہ نہیں ۔ اب یہ نہ بھولو یہ زمانہ بدل چکا ہے، ہماری تمہاری والی بات کہاں کہ چپکے سے جس کے ساتھ باندھ دیا چل دیئے۔"

"لیجئے آپ کی بھی باتیں ۔ بھلا میں کیا اتنی سی بات نہیں سمجھتی اول تو میں نے اس سے پوچھ لیا ہے، اور اگر نہ بھی پوچھتی تب بھی مجھے اس پر کامل اعتماد ہے کہ وہ کبھی انکار نہ کرتا اور مجھے یہ بھی یقین ہے کہ فخر بھیا کو بھی اعتراض نہ ہوگا۔ آپ اس کی جانب سے قطعی اطمینان رکھئے، اور آج ہی تار دلوا دیجئے، میں منگنی کی رسم ادا کر کے ہی جاؤں گی، عذرا بیگم خوشی سے بے خود ہوئی جا رہی تھیں۔

"تم نے تو بے صبری کی انتہا کر دی دلہن، فرزانہ بیگم

مسکرا کر بولیں "مسٹر احمد کو بھی پتہ ہے یا تم ہی ہر کام کرنے تلی ہو"
" جی کیوں نہیں ان کی مرضی کے بغیر کیا ہو سکتا تھا" عذرا بیگم نے کہا" وہ تو خود آتے مگر وقت نہیں، ملا شاید خط آئے"
فرزانہ بیگم کچھ سوچتے ہوئے بولیں" خط کی کیا ضرورت ہے بس تمہارا ہی کہا کافی ہے" اور پھر فرزانہ بیگم نے ظفر کو بلا کر تمام بات بتائی اور تاکید کی کہ ابھی جا کر فخر کو تار دے دیں، فاطمہ غزالہ بھی بازار سے واپس آچکی تھیں، اس نئے ہنگامے کو سن کر بہت خوش ہوئیں۔ عذرا بیگم بہت خوش تھیں۔ رضا کو جب پتہ چلا کہ معاملات طے ہوئے کو ہیں تو وہ بہت خوش ہوئی —— اور ظہیر کو یہ خوشخبری سنائے بغیر نہ رہ سکی۔
" بھیا آپ کے لئے بڑی اچھی خبر لائی ہوں" رضا نے ظہیر کے شانے پر جھکتے ہوئے کہا، وہ کوئی اسکیچ بنا رہا تھا
" کیا خوشخبری ہے رنو" اس نے چونک کر پوچھا،
" پہلے مٹھائی بعد میں خبر" رضا نے مسکرا کر کہا
" اچھا نہ سناؤ ہم نہیں سنتے" ظہیر بولے،
" نہ سنیئے آپ ہی کا نقصان ہوگا" رضا نے شرارت سے مسکرا کر کہا،
" اچھا بابا لو" ظہیر نے پانچ روپیہ دے دیئے وہ خبر سننے کو نہ جانے کیوں بے تاب تھے۔

"ارے بس اتنی سی بات کہ نگار باجی عنقریب میری بھابی بننے والی ہیں"۔ اور وہ مسکراتی ہوئی کمرے سے نکل گئی۔

اس کے جانے کے بعد پھر ظہیر سے کام ہو ہی نہیں سکا ان کے خیالات کا سلسلہ جڑتا ہی چلا گیا

"نگار! میرے خوابوں کی رانی میری ہو جائے گی۔ وہ نگار جو سوتے جاگتے میرے ذہن پر چھائی رہتی ہے، جو میرے دل و دماغ پر حکومت کرتی ہے، جس کے حسین تصور سے میری خلوتیں آباد ہیں۔ اف میں کتنا خوش قسمت ہوں کاش میں خود اسے یہ خبر سنا سکتا۔ مگر ہائے ..... ظالم رواج۔ ابھی وہ اسی سوچ میں غرق تھے کہ حشمت نے کھانا لگنے کی اطلاع دی اور وہ جبراً و قہراً اپنے تصورات کے حسین تانے بانے کو توڑ کر کھانے کے کمرے کی جانب چل دیے جہاں ان کے دل کی ملکہ نگار بھی رونق افروز تھی، مگر شرمائی لجائی سی، کتنی پیاری لگ رہی تھی وہ"۔

۞ ۞ ۞

زندگی زندہ دلی کا نام ہے
مردہ دل خاک جیا کرتے ہیں

اس وقت ڈرائنگ روم میں بڑی چہل پہل تھی سب جمع تھے فرزانہ بیگم، عذرا بیگم، نشاط، عزاد، ظفر جمال اور فخر کمال، نگار کی منگنی کا مسئلہ درپیش تھا۔ عذرا بیگم فخر کمال سے پردہ نہیں کرتی تھیں کیونکہ وہ ان کے چچازاد بھائی تھے، عذرا بیگم مصر تھیں کہ جلد بات طے ہو تاکہ دو ماہ بعد شادی کی رسم ادا ہو جائے اور پھر وہ فخر سے مخاطب ہو کر کہنے لگیں۔

"فخر میاں ظہیر بھی تمہارا بھتیجہ ہے، اور نگار بھی اب تم ہی فیصلہ کرو۔ اور باجی محترمہ سے میری بھی سفارش کر دو، میں بڑی امید لے کر آئی ہوں:

فخر مسکرائے اور کہنے لگے "مگر باجی مسرور بھائی کیوں نہیں آئے یہ معاملہ ان کی موجودگی میں طے ہوتا تو اور بھی اچھا تھا"

"بھیا انہیں چھٹی نہیں ملی، اب تو سب کچھ تمہیں کو کرنا ہے" عذرا بیگم بولیں۔

"عذرا باجی میں آپ کی وکالت بھلا کیونکر کر سکتا ہوں، جب کہ ہم سب کی بزرگ محترمہ بھابی جان بیٹھی ہیں۔ ان کا ہر فیصلہ ہمیں منظور ہوگا۔ یہی آپ کو کچھ جواب دے سکتی ہیں" فخر کمال نے مسکرا کر جواب دیا۔

"یہ تمہاری سعادت مندی ہے فخر میاں کہ تم مجھ کو اپنی بزرگ تصور کرتے ہو۔ خدا تم کو ہمیشہ خوش خرم رکھے، میں تمہاری رائے کے خلاف کچھ بھی کرنا نہیں چاہتی، اب تو نگار کے چچا ہو اجب تم باپ ہو تو تم ہو۔

"بھابی میں شکر گزار ہوں کہ آپ نے مجھے اس قابل سمجھا ہے" ان کی آواز بھرا گئی "کاش آج بھائی صاحب بھی ہوتے تو کتنا اچھا ہوتا، مگر اب تو آپ ہی بڑی ہیں"

"میں تو ان سے قبل ہی کہہ چکی ہوں کہ نگار ان کی ہے" شوہر کی یاد میں فرزانہ بیگم بھی نڈھال ہو گئیں "ظہیر اور ظفر کو میں جدا جدا نہیں سمجھتی ظفر میرا بچہ ہے تو ظہیر میرے بھائی کا"

فخر نے مسکرا کر عذرا بیگم کی طرف دیکھا "کہئے باجی اب کیا خیال ہے" "اچھا چلو تبادلہ کر لو، رعنا کو ہمیں دے دو اور نگار کو تم لے جاؤ"

"بھیا ابھی اس کے بارے میں کچھ خیال نہیں ہے ابھی تو وہ بہت ہی چھوٹی ہے اور پھر زیر تعلیم بھی"۔

"کیوں ظفر میاں تمہارا کیا خیال ہے۔" فخر بولے۔

"چچا جان میں نگار و ظہیر دونوں سے معلوم کر کے اپنی رائے دے دوں گا، کیونکہ ان ہی دونوں کو زندگی گزارنی ہے ہمیں تو نہیں"۔ ظفر نے جواب دیا۔

"ہاں ہاں ٹھیک ہے۔ کل تک معلوم ہو جانا چاہیئے۔" فخر نے کہا۔

"مگر ظہیر سے تو میں معلوم کر چکی ہوں بھیا۔" عذرا بیگم نے کہا۔ اور سچ تو یہ ہے کہ اسی کی تحریک پر میں نے یہ بات زبان سے نکالی ہے اور بڑے بھروسے پر میں نے تم لوگوں کے سامنے آج اپنا دامن پھیلایا ہے، امید ہے مجھے مایوس نہیں کرو گے"۔

"خیر نگار کی رائے کل تک معلوم ہو جائے گی۔" ظفر نے کہا۔

"نگار سے معلوم کرنا بڑی بات نہیں بیٹا۔" فرزانہ بیگم نے ظفر سے کہا۔ "مجھے اس کی سعادت مندی سے توقع ہے کہ وہ ہمارے فیصلہ کو ہرگز نہیں ٹھکرائے گی۔ میں زیادہ رسمی باتوں کی قائل نہیں۔ نگار ظہیر کے لئے ہے اور اب اسی گھر جائے گی جس گھر سے میں آئی ہوں"۔

"یہ ٹھیک ہے امی جان۔" ظفر بولے۔ "پھر بھی معلوم کر لینا تو شریعت نے بتایا ہے۔"

"ہاں ہاں معلوم کر لو۔ مگر میری طرف سے جواب آخری سمجھ لو کہ بات طے ہے" فرزانہ بیگم بولیں۔

"باجی بہت بہت شکریہ" عذرا بیگم بولیں۔

"خالی شکریہ سے کام نہیں چلے گا عذرا باجی اب مٹھائی کھلوا دیجئے۔ آپ کا کہا کر رہا ہوں، ویسے بھی آپ صدا کی ضدی ہیں اور اب یہاں بھی اپنی بات منوا کر چھوڑی" فخر مسکرا کر بولے۔

"بھیا یہ سب تمہاری محبت و توجہ کا طفیل ہے، اور دونوں بچے تمہارے ہیں۔ لہذا تم ہی مٹھائی کھلاؤ"

"اوہ ..... خوب، آپ نے ہماری ہی گردن پکڑ لی اچھا خیر میں ہی کھلا دوں گی" فخر نے مسکرا کر جواب دیا "ہاں ظفر تم نے بھی جلد جواب دینا تاکہ کوئی قطعی فیصلہ ہو سکے"

"آپ اطمینان رکھئے چچا جان" ظفر بولے، "شام تک میں ضرور آپ کو اپنی رائے سے آگاہ کر دوں گا"

"ہاں، بھیا تم بھی ذرا جلدا پنا اطمینان کر کے بتا دو" عذرا بیگم نے مسکرا کر بھابی سے کہا۔ "تاکہ پھر جلدی ہی کسی دن منگنی کی رسم ادا کر کے جانے کا سامان کر دوں"

"اس کی کیا ضرورت ہے دلہن" فرزانہ بیگم بولیں "یہ سب رسمی باتیں مجھے پسند نہیں بس سادگی سے سب کام ہونا چاہیے۔ کیا ہماری زبان کافی نہیں"

"ہاں۔ فخر بولے: بس منہ سے کہنا ہی کافی ہوتا"۔

"مگر پھر بھی آپ لوگ جانتے ہیں کہ ظہیر میرا ایک ہی بچہ ہے میں تو اپنے دل کا ہر ارمان نکالوں گی" عذرا بیگم نے جواب دیا۔ اور پھر حرج بھی کیا ہے۔ اللہ کا دیا سب ہی کچھ تو ہے پھر کیوں نہ دل کا حوصلہ نکالیں کوئی قرض اور ادھار کا معاملہ تھوڑا ہی ہے"۔

"خیر جیسی تمہاری مرضی" فرزانہ بیگم نے سر تسلیم خم کرتے ہوئے کہا۔

اس کے بعد محفل برخاست ہو گئی۔ ظفر اپنے کمرے میں چلے گئے۔ دل میں طے کر چکے تھے کہ دونوں سے خود ہی معلوم کر دوں گا، درمیان میں کسی کو ڈالنا فضول ہے۔ مگر چچا کی تحریک۔ سنہ ان کی طبیعت قدرے اداس تھی۔ انہیں رعنا انہیں طلعت کی ضرورت تھی۔ مگر فی الحال انہوں نے تصویر جھٹک دیا اور پلنگ پر لیٹ گئے۔ ظہیر انہیں کے انتظار میں پڑے کروٹیں بدل رہے تھے۔ اور ظفر کو آتے دیکھ کر سوتے بن گئے تھے مگر جب انہوں نے دیکھا کہ ظفر لیٹ گئے اور کوئی بات نہیں کی تو ضبط نہ کر سکے اور اٹھ کر بیٹھ گئے۔

"کہئے ظفر صاحب" ظہیر نے ظفر کو مخاطب کیا! آپ کی طلبی کیوں ہوئی تھی، اور ہماری قسمت کا کیا فیصلہ کر آئے"۔

"کیوں۔ تمہیں فیصلہ کی بے قراری کیوں ہے! ظفر نے چھیڑتے ہوئے پوچھا۔ مگر پھر فوراً ہی کسی خیال کے تحت سنجیدہ ہو کر کہنے لگے "چچا جان نے انکار کر دیا"۔

"ہیں.... کیا کہا" ظہیر گھبرا کر بولے۔ اور اٹھ کر بیٹھ گئے۔ ان کے منہ پر ہوائیاں اڑ رہی تھیں: "ظفر کیا کہہ رہے ہو۔؟"

"میں اس سے زیادہ کچھ بتانے کو تیار نہیں" ظفر نے اور بھی کچھ سنجیدگی سے کہا۔

"پھر بھی کچھ نہ کچھ تو بتانا ہی پڑے گا میرے دوست" ظہیر نے انتہائی کرب سے کہا۔

"اچھا اگر تم مصر ہی ہو تو بتاؤ قطعی سنجیدگی کے ساتھ کہ بات کرنے کے قابل ہو گئے یا نہیں" ظفر نے بیٹھتے ہوئے کہا۔

"ظفر خدا کے لئے اس طرح پہیلیاں نہ بجھواؤ کہ میں خودکشی کے امکان پر غور کرنے لگوں۔ میں قطعی سنجیدہ ہوں، تم کہو" ظہیر نے بہت اداسی سے نگاہیں اس پر جما دیں۔

ظہیر ظفر کے طرز تکلم سے بہت گھبرا رہے تھے، گو انہیں یہ فیصد یقین تھا کہ انکار نہیں ہو سکتا، مگر وہ ظفر کے طرز گفتگو سے گھبرا گئے تھے۔

"تو کہو پھر" ظفر نے ان کی گھبراہٹ سے لطف اندوز ہوتے ہوئے ٹول دینا چاہا۔

"کہہ بھی چکو ظفر۔ میں واقعی حد درجہ سنجیدہ ہوں خدا کے لئے کہہ دو۔" ظہیر نے کہا۔

"ممانی جان نے تمہارے واسطے نگار کو مانگا ہے" ظفر نے سنجیدگی سے اس پر نگاہیں جماتے ہوئے کہا، ان کا کہنا ہے کہ یہ قدم

تمہاری ہی مرضی سے اٹھایا گیا ہے۔ کیا یہ سچ ہے؟ یا صرف ممانی جانی کے پوچھنے پر ان کی خوشی کی خاطر تم نے سعادت مند بیٹوں کی طرح گردن جھکا لی۔ یہ زندگی بھر کا سودا ہے ظہیر۔ اور میں تم سے قطعی جواب چاہتا ہوں تا کہ میرا اطمینان ہو جائے۔ یہ دو زندگیوں کی قسمت کا فیصلہ ہے۔ اور مجھے نگار بہت عزیز ہے۔ بہت ہی پیاری ہے۔ اس سے تم بھی بخوبی واقف ہو۔"

"اف توبہ۔" ظہیر نے اطمینان بھرا سانس لے کر کہا۔ "تم نے تو میری جان ہی نکال دی تھی اور ذرا سی بات کیلئے میرا اچھا پاؤنڈ خون خشک کر دیا۔ ہاں تو تم نے اپنے دوست ظہیر کو اب تک بھی نہیں سمجھا ظفر وہ اتنا کم ظرف نہیں۔" فخریہ سر ہلا کر ظہیر مسکرا کر بولے۔ "ظفر اس وقت تم کو نگار کا بھائی نہیں صرف اپنا بھائی سمجھ کر اپنا عزیز ترین دوست جان کر اپنا ہمدرد راز داں تصور کر کے کہتا ہوں کہ نگار کو اپنانا میری دیرینہ آرزو ہے۔ اسے پا لینا میری زندگی کی سب سے بڑی خواہش یہی ہے۔ اس کی قربت کو میں حاصل حیات تصور کرتا ہوں۔ تم نہیں جانتے دوست۔ اور واقعی یہ تحریک میرے ہی اصرار پر ہوئی ہے امی بھی بہت خوش ہوئیں اور یہ میں جانتا ہوں کہ تم نگار کو کتنا چاہتے ہو تم یقین رکھو ظفر میرے دوست کہ میں تمہاری پیاری بہن کو اپنی جان سے بھی زیادہ عزیز رکھوں گا۔ اسے کبھی رنجیدہ نہیں ہونے دوں گا۔ مگر اب خدا کے لئے کوئی عذر نہ کرنا میرے دوست۔"

"شاباش میرے دوست میرے ظہیر" ظفر نے جوشِ مسرت سے اس کا ہاتھ دبا کر کہا "میں تمہاری صاف گوئی اور اس جرأت پر بہت خوش ہوں، اور اسی بات پر تم کو خوشخبری سناتا ہوں کہ تمہارا دامنِ امید خالی نہیں پھرا، بلکہ گوہرِ مراد سے بھر دیا گیا ہے۔ لیکن ابھی ایک مرحلہ اور باقی ہے اور تم ذرا اور صبر کرو، کیونکہ میں نگار کی اجازت بھی مقدم سمجھتا ہوں بلکہ اگر ممکن ہو تو تم خود ہی معلوم کر سکتے ہو، میری طرف سے پوری اجازت ہے۔ مجھے قطعی اعتراض نہیں"۔

"نہیں ظفر" ظہیر نے سر جھکا کر خوشی کو دباتے ہوئے کہا۔ "مجھ سے یہ کام نہیں ہو سکتا، میں یہ خدمت انجام نہیں دے سکتا۔ میں شکرگذار ہوں کہ تم نے مجھ پر اطمینان کیا اور میں پھر تمہارے مزید اطمینان کے لئے کہتا ہوں کہ نگار مجھے بے حد عزیز ہے اور شادی کے بعد وہ اور وہ بھی مجھ سے قریب ہو گی، تب اور بھی عزیز رکھوں گا، کیونکہ وہ میرے عزیز ترین دوست اور بہت ہی پیارے بھائی ظفر کی بہن ہے"۔

"بس یا اور کچھ بھی؟" ظفر نے شرارتاً پوچھا "کیا صرف میری بہن ہی تصور کر کے ہی عزیز رکھو گے دوست؟"

"نہیں بھئی بہت کچھ سمجھ کر ظفر" ظہیر نے جھینپی سی مسکراہٹ سے جواب دیا "اور اب زیادہ نہ پوچھو ورنہ ہم شرما جائیں گے" ظہیر کی شرارت اچانک عود کر آئی۔

"ارے جس دن تم پیدا ہوئے تھے اس دن نہ جانے کتنے بے شرموں

نے انتقال کیا ہو گا۔" ظفر نے ہنس کر ظہیر کی کمر پہ ایک دھول جماتے ہوئے کہا۔

"او ہو! شرم والے تو بس آپ ہیں ڈاکٹر صاحب قبلہ" ظہیر نے برجستہ گھونسہ رسید کرتے ہوئے کہا۔ اور پھر اٹھ کر اپنی مسہری پہ جا لیٹے

ادھر رعنا اور طلعت نے غریب نگار کی گت بنا رکھی تھی۔ رعنا تو سن ہی چکی تھیں کہ قریب قریب بات طے ہے۔ بس پھر خوب موقع ہاتھ لگا، نگار کے بنانے کو، وہ بیچاری شرمائی جاتی تھیں۔ اور یہ دونوں بھی چھیڑنے پہ تلی تھیں ــ دل بھر کر ستا رہی تھیں۔

"نگار بہن ــ ارے بھئی یہ کیا معاملے ہیں!" طلعت نے نگار کو گدگداتے ہوئے کہا۔ "چلو نہ اندر کیوں گھسی پڑ رہی ہو۔ ادھر ظہیر بھیا بھی گھسے پڑے ہیں آؤ ہم تم دونوں کی ملاقات کرا دیں نہ بچارے حسرت دیدار میں پڑے تڑپ رہے ہیں۔"

"ارے چلئے بھابی محترمہ ــ ورنہ پھر بھیا کو یہیں لاتی ہوں بلا کر۔" رعنا نے ہاتھ پکڑ کر کھینچا

"ہوش کی دوا کرو لڑکی۔" نگار نے ہاتھ چھڑا کر رعنا کے چپت رسید کرتے ہوئے کہا۔ "چل نکل میرے کمرے سے خبردار جو اب یہاں قدم رکھا۔"

"یا اللہ خیر! ابھی سے منہ بنا کر لڑنے لگیں، تو پھر میرا تو اللہ ہی حافظ ہے۔" رعنا نے شوخی سے کہا۔

"ارے بھئی بگڑنے کی کیا بات ہے نگار بہن" طلعت نے بھی دلچسپی لیتے ہوئے کہا۔ ظہیر بھیا کوئی غیر تو نہیں اور جناب آپ تو کل ہی ان کے ہمراہ بیڈ منٹن کھیل رہی تھیں چلو، آج پھر کھیلیں۔ بات ہی کیا ہے"

"تم بھی ہمیں کو چھیڑتی ہو طلعت" نگار نے بے اختیار باہیں طلعت کی گردن میں حمائل کرتے ہوئے کہا، کیا تم ہماری دوست نہیں ہو؟

"واہ بھئی واہ" طلعت نے شرارتاً کہا "اس وقت ہم خالص ظہیر بھیا کی بہن بن گئے ہیں۔ سچ بڑا مزہ آرہا ہے تمہیں چھیڑنے میں اور اگر ہم لوگ آجکل بھی تمہیں نہ ستائیں تو پھر کب یہ دن ملیں گے۔

"سچ تو ہے نگار باجی اس وقت تو آپ لاجونتی کا پھول معلوم ہو رہی ہیں" رعنا نے پھر ٹانگ اڑائی۔

"اچھا منیڈکی کو بھی زکام ابھی تک گیا نہیں" نگار نے گھورا "تیرا تو مار مار کر بھرکس نکالدوں گی رعنا کی بچی"

"نکالئے جناب بھرکس، ہم کب برا مانتے ہیں خدا وہ دن تو کرے کہ ہماری بھابی ہمارا بھرکس نکالیں" رعنا نے شرارت سے مسکراتے ہوئے کہا "یہ دن تو کبھی کبھی آتے ہیں۔ پھر جب شادی ہو جائے گی تو نہ پھر ہمیں چھیڑنے میں مزہ آئے گا، نہ پھر آپ ہی چڑیں گی، اور آپ کے ہاتھ کی مار میں تو بہت ہی مزہ آتا ہے"

"آیئے طلعت۔ ذرا بھیا کی گت بھی بنائیں، وہ تو بہت خوش ہوں گے"

طلعت وہاں جانا نہیں چاہتی تھیں وہ تو اپنے کمرے میں چلی گئیں
بچوں کو دیکھنے اور رعنا سیدھی ظفر کے کمرے میں جا گھسیں۔ نگار نے
اس موقع سے فائدہ اٹھایا اور کواڑ بند کر کے چپ چاپ اپنی مسہری
پر جا لیٹیں، اور اب وہ اطمینان سے لیٹی اپنی دنیا کے تصور میں غرق
تھیں، یا اللہ یہ کیا ہوا اب میں بھلا ممانی جان کا سامنا کیسے کروں گی
مجھے تو بڑی شرم آئے گی اور پھر چچا جان، چچی جان، امی، بھائی جان
ان سب سے تو اور بھی شرم محسوس ہو رہی ہے۔ اور ظہیر۔۔۔ اف
ظہیر سے کس طرح آنکھیں چار کر سکوں گی۔۔۔ توبہ۔۔۔ ظہیر،
وہ آہستہ آہستہ کہنے لگی، ظہیر۔۔ آخر تم نے نگار کو جیت ہی لیا۔
اس نگار کو جس نے تم سے ہمیشہ دور رہنا چاہا، مگر نہ رہ سکی۔
۔۔۔ اف میں جتنا تمہارے تصور سے بھاگی اس نے اتنا ہی میرا
پیچھا کیا، میں تم سے کتنی ہی دور رہنے کی کوشش کرتی رہی، تمہاری
یاد کو کتنا ہی مٹانا چاہا، مگر پھر بھی ہر دم تمہارا ہی تصور ذہن
پر چھایا رہا، ظہیر تمہاری یاد اور تمہاری خاموش و پاکیزہ محبت
نے مجھے حاصل کر کے ہی چھوڑا، مگر آہ۔۔ اب امی، بھائی جان
شہانہ۔ یہ گھر، یہ فضا، یہ وطن، یہ زندگی، سب چھوٹ جائیں گے
جہاں آج تک میں نے زندگی گذاری جسے میں ہمیشہ اپنا سمجھتی رہی
جہاں میرے بچپن کی ہزاروں یادیں دفن ہیں، وہ سرزمین وطن اب
ایک خواب بن جائے گی، میرے واسطے اجنبی ہو جائے گی۔

یہ لکھنو میرا اپنا وطن ہے مگر اب غیر ہو جائے گا، آہ اس چمن کی حسین شام اور سہانی صبح داستان پارینہ بن جائے گی، اور یہ سب دیکھتے دیکھتے ان کی سیاہ متوالی آنکھوں میں اشک بھر آئے اور وہ بے اختیار رونے لگیں۔ آہ زمانے کی ریت بھی کتنی انوکھی ہے، نظام قدرت کتنا عجیب ہے، رواج دنیا لڑکی کے لئے کتنا عجیب ہے۔ کتنا نرالا دستور ہے۔ جہاں پیدا ہو، پروان چڑھے وہ سب اس کے واسطے اجنبی ہو جاتا ہے، اف ظہیر ملے تو یہ سب چھوٹ جائے گا، ایک چاہنے والی ہستی ملے تو دس چھوٹ جاتے ہیں، کتنے عجیب ہیں قانون قدرت۔ سچ ہے محبت قربانی کے بغیر پایۂ تکمیل کو نہیں پہنچ سکتی ــــ اچانک کسی نے دروازہ کھٹکھٹایا اور نگار کے خیالات کا سلسلہ ٹوٹ گیا۔

"کون ہے"؟ اس نے جلدی سے آنسو خشک کر کے پوچھا۔

"کواڑ کھولو نگار" ظفر کی آواز آئی۔

"اچھا بھیا" کہتی ہوئی وہ اٹھی اور آہستہ سے کنڈی کھول کر اپنی مسہری پہ جا بیٹھی، ظفر کی شکل پہ نظر پڑی تو وہ اپنے آنسو ضبط نہ کر سکی اور صبر کا دامن ہاتھ سے چھوٹ گیا، ظفر پہلے ہی دیکھ چکے تھے کہ اس کی آنکھیں سرخ ہو رہی ہیں تو وہ سمجھے کہ شاید نگار اس شادی سے خوش نہیں۔ وہ اس کے قریب ہی بیٹھ گئے اور اسکی گردن میں اپنا بازو حمائل کر دیا اور آنسو پونچھ کر کہنے لگے کہ

" میری جان برادر — میری بہن — کیا بات ہے جو تم اسقدر پریشان ہو، یہ آنکھیں سرخ کیوں ہیں — خدا کے لئے اپنے بھائی سے کچھ نہ چھپاؤ"۔ نگار قبل ہی بہت رو چکی تھی اب اپنے عزیز ترین بھائی کی قربت پاکر اور ہمدردانہ الفاظ نے اسے تڑپا دیا، وہ ضبط نہ کر سکی، اور ظفر کے سینے پر سر رکھ کر بے اختیار سسکیاں بھرنے لگی، ظفر اس مسلسل اشک سوزی سے پریشان ہو گئے۔ وہ اس کے سر پر ہاتھ پھیرتے جا رہے تھے اور سوچ رہے تھے یقیناً یہ رشتہ نگار کو پسند نہیں، یہ سب نگار کی منظوری کے بغیر ہی طے ہو رہا ہے، حالانکہ اسے پسند نہیں، کیا نگار ظہیر کو پسند نہیں کرتی، اور پھر.... پھر آخر.. اور وہ اس کے آگے اور کچھ نہ سوچ سکے، وقت کم تھا اور پیاری بہن کو بدحال دیکھ کر ان کا دل بھی بھر آیا تھا، ان کے صبر کا پیمانہ بھی چھلک پڑنے والا تھا مگر پھر اپنے پر قابو پاکر انھوں نے نگار سے کہا،

" نگار میں تم سے کچھ پوچھنے آیا تھا، مگر وہ خاموش تھی انھوں نے اس کی ٹھوڑی پکڑ کر منہ اوپر اٹھایا، چہرہ آنسوؤں سے تر ہو رہا تھا، ظفر نے عالم اضطراب میں بے اختیار اس کی پیشانی چوم لی،

" میری پگلی بہن بات بتاؤ نا۔ آخر کیوں روتے جا رہی ہو؟" مگر نگار کی آواز جیسے حلق میں پھنس کر رہ گئی ہو، ظفر اب خاموش بیٹھے تھے، چند منٹ کے بعد جب ذرا اس کی طبیعت سنبھلی تو ظفر نے

لگے "، نگار رونے کی ضرورت نہیں تم خود عاقل و بالغ ہو اور انتہائی سمجھدار بھی، تمہاری مرضی کے خلاف کچھ نہیں ہو سکتا، غالباً تم نے یہ سن لیا ہوگا کہ ممانی جان تمہیں ہم سے مانگ کر اپنے گھر کی زینت بنانا چاہتی ہیں، وہ اپنے گھر کی رونق بڑھانے کیلئے تمہیں لے جانے پر بضد ہیں ظہیر کی دلہن بنا کر — امی جان، چچا و چچی جان سب تیار ہیں مگر میں نے اپنی رائے محفوظ رکھی تھی کہ جب تک تمہارا عندیہ نہ لے لوں نہ سن لوں، ظہیر سے معلوم کر چکا ہوں، وقت کم ہے زیادہ تمہید مجھے منظور نہیں۔ بے کار شرم کی ضرورت نہیں۔ اگر تم کو یہ رشتہ نا منظور ہے تو مجھے بتا دو اور پھر مجھ پر چھوڑ دو۔ اقرار کی صورت میں تو کوئی بات ہی نہیں، انکار کی شکل میں بھی میں تمہارے ساتھ ہوں تم اتنا بتا دو کہ تم کو اس پر کوئی اعتراض تو نہیں، ویسے ظہیر پر مجھے اعتماد کامل ہے اور میں اس سے اس قدر ہی مطمئن ہوں جتنا اپنے سے۔ نگار خاموشی سے کام نہیں چلے گا تم کو اپنی قسمت کا آپ ہی فیصلہ کرنا ہے خوب سوچ سمجھ کر جواب دیدو "، نگار بالکل ساکت بیٹھی تھی، اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ بھائی کو کیونکر جواب دے، ظہیر ہی تو اس کا سب کچھ ہے، وہ یہ کیسے بھائی کو بتائے، مگر ان کی بات کا جواب دینا ضروری ہے۔ کیونکہ اس کے رونے سے انہیں غلط فہمی ہو گئی ہے۔ جسے نگار نے محسوس کر لیا تھا،

پھر وہ بہت ہی آہستہ سے اٹھ کر میز کے پاس پہنچی اور

یہ چند سطریں گھسیٹ کر کمرے سے باہر چلی گئی

"بھیا! مجھے غلط نہ سمجھئے، امی، چچا جان وغیرہ کا فیصلہ میری راحت ہی کا سامان ہوگا پھر بھلا اس فیصلہ کو میں کیوں کر ٹھکرا سکتی ہوں، آپ کا اصرار ہے کہ میں جواب دوں، لہٰذا جو آپ کی مرضی وہی آپ کی بہن کی، اگر آپ یقین رکھتے ہیں کہ آپکی بہن دولت کی متلاشی ہے تو یہ آپ کی بھول ہے، ورنہ مجھے صرف سکون و محبت کی ضرورت ہے، میں آپ لوگوں کے فیصلہ پر خوش ہوں —— آپ کی بہن نگار

ظفر نے یہ پرچہ پڑھ کر اطمینان کا سانس لیا اور اتنا کہہ کر "خدا تم کو محبت و سکون بھری زندگی سے نوازے"؛ وہاں سے اٹھ کر چلے گئے۔ اور پھر ماں کو اپنی رائے سے مطلع کر دیا کہ ظہیر سے زیادہ ہمیں کوئی عزیز نہیں۔ ممانی جان کو آخری جواب دے دیجئے"

فرزانہ بیگم یہ سن کر بہت خوش ہوئیں اور عذرا بیگم کی مسرتوں کا تو ٹھکانہ ہی نہیں تھا، فخر جانے کی جلدی کر رہے تھے لہٰذا تیرے دن منگنی کی رسم ادا کر دی گئی۔ نگار کی انگلی میں ہیرے کی انگوٹھی جگمگا جگمگا کر رعنا و طلعت کو چھیڑنے کی دعوت دے رہی تھی وہ بہت شرما رہی تھی۔ اور پھر وسط اگست میں شادی کی تاریخ طے کر کے عذرا بیگم مع رعنا و ظہیر کے چلی گئیں۔

نشاط کے یہاں اسی ماہ بچہ ہونے والا تھا لہٰذا فخر انہیں لکھا و نج کے پاس ہی چھوڑ کر چلے گئے، نشاط کی ڈسپنسری میں ایک دوسری ؛ ڈاکٹر کام کر رہی

تھی، لہٰذا وہ اس طرف سے مطمئن تھیں، جون کا آدھا مہینہ گزر چکا تھا شادی میں صرف دو ماہ باقی تھے، دونوں طرف خوب زور شور سے تیاریاں ہو رہی تھیں نگار کا زیادہ تر وقت اپنے ہی کمرے میں گزرتا یا پھر نشاط کے بچہ کی دیکھ بھال میں — وہ اکثر کچھ سوچنے لگتی — میری معصوم اور پاک محبت کا بدلہ ظہیر کے روپ میں مل رہا ہے۔ مگر اس کے لئے اسے کتنی قربانی دینی پڑے گی۔ امی، بھائی جان، شہناز سب چھوٹ جائیں گے۔ مگر دستور دنیا یہی ہے۔

اور پھر انہیں تیاریوں میں دو ماہ بیت گئے اور آخر وہ دن بھی آ ہی پہنچا جس کے سب منتظر تھے، ظہیر دولہا بن کر آئے اور عصر مغرب کے درمیان نگار اور ظہیر دونوں نے زندگی بھر ساتھ رہنے کا عہد کر لیا فرزانہ بیگم بیٹی کی جدائی سے بہت اداس تھیں۔ مگر نظام قدرت یہی تھا، جہیز بہت کافی دیا تھا، کسی چیز کی کمی نہیں تھی۔

نشاط نے بھتیجی کو جڑاؤ گلو بند دیا، غزالہ نے جڑاؤ کنگن اور طلعت نے ٹیر ہن — ظہیر کو ہزار روپے سلامی میں ملے، اور پھر نگار ماں، بہن، بھائی اور میکہ سے رخصت ہو کر ہزاروں دعاؤں اور تمناؤں کے درمیان سسرال جا پہنچیں، ظہیر بہت خوش تھے۔

دلہنا کی مسرتوں کا ٹھکانہ نہیں تھا، چاندنی بھاوج پا کر پھولی نہیں سما رہی تھیں، عذرا بیگم نے بھی بہو کو ہاتھوں ہاتھ لیا، اور خوب خاطر تواضع ہوتی تیسرے دن نگار واپس آئیں، ہفتہ بھر خوب چہل

پہنچ رہی۔ اور پھر رفتہ رفتہ سب مہمان رخصت ہونے لگے۔
پندرہ بیس دن نشاط، غزالہ، طلعت بھی آگرے کے لئے
رخصت ہو گئیں، اور نگار بھی علی گڑھ چلی گئیں۔ اور اب پھر وہی
فرزانہ بیگم تھیں اور ان کا گھر۔
شہانہ ظفر اور نگار کی کمی انہیں بہت محسوس ہوتی تھی، مگر
رفتہ رفتہ عادی ہوتی جا رہی تھیں، یہی دستور دنیا اور نظام قدرت
بھی یہی ہے ؎۔

۰:۰ ۰:۰ ۰:۰

(۱۳)

خوشی کے ساتھ دنیا میں ہزاروں غم بھی ہوتے ہیں
جہاں بجتی ہے شہنائی وہاں ماتم بھی ہوتے ہیں

وکیل جمال الدین صاحب کی کوٹھی "جمال منزل" میں آج کل بہت سناٹا نظر آ رہا ہے۔ حکیم، ڈاکٹروں کا تانتا لگا رہتا ہے۔ بیٹی کی گمشدگی اور بیٹے کی بے رخی نے آخر کار انہیں شدید بیمار ڈال دیا۔ دل میں درد اٹھتا ہے اور پھر پہروں بے ہوش رہتے ہیں۔ دونوں بچوں کی تباہی کا شدید غم گھلائے ڈال رہا ہے۔ وہ یہی تصور کرتے ہیں کہ میرے ہی باعث دونوں گھر سے بے گھر ہوئے۔ اس خیال سے بے حد نڈھال ہیں۔ ان کی دلی تمنا ہے کہ ایک بار سلیم و طلعت مل جائیں تو ان سے معافی مانگ لیں، تاکہ اپنے تصور پر شرمسار نہ مریں۔ اکثر ہاتھ ملنے لگتے ہیں۔ "خدایا، بس تو ہی میرے بچوں کو زندگی میں مجھ سے ملائے گا۔ آہ نہ جانے کہاں کہاں کی ٹھوکریں کھاتے پھر رہے ہیں۔

بچھڑ رہے ہوں گے دونوں۔ بس اسی تصور سے دل بے قرار ہے،
وہ کافی نحیف و نزار ہو چکے ہیں۔

اور آخر ایک دن جب نادرہ سے ان کا تڑپنا نہ دیکھا گیا تو اس نے چپکے سے طلعت کو تار دے دیا۔ "فوراً پہنچو چچا کی حالت نازک ہے۔ (نادرہ)۔"

اور طلعت یہ تار پا کر چکرا گئی، وہ کھڑے سے دل تھام کر بیٹھ گئی یا اللہ خیر، خدایا کیا یہ سہارا ابھی چھننے والا ہے، کیا کرے دل میرے خدا۔ مگر باپ کی نازک حالت کا سن کر بھلا دل کب مانتا تھا۔ لیکن ان لوگوں کو کیا بتائے کیا کہے۔ اسی کشمکش و پیچ میں ایک گھنٹہ گذر گیا کہ نشاط ڈسپنسری سے آ گئیں اور طلعت کو نہ پا کر کمرے میں آئیں، دیکھا اس کا چہرہ سفید ہو رہا ہے، گھبرا کر پوچھا تو اس نے تار آگے بڑھا دیا، اور جلدی جلدی نشاط کو مختصراً چند باتیں بتا دیں۔ انہوں نے اجازت تو دے دی مگر تنہا بھیجنے پر تیار نہیں، وہ خود بھی نہیں جا سکتی تھیں آخر مجبوراً اپنی پرانی ملازمہ حشمت بوا کو ساتھ کر دیا۔ طلعت نے جلدی جلدی مختصر سا سامان چھوٹے سوٹ کیس میں رکھا اور رات کی ٹرین سے سوار ہو گئی، راستہ بھر اس کا دل دھڑکتا رہا، وہ دعا مانگتی رہی خدایا تو ہی ابا جان کو زندہ و سلامت دکھائے گا۔

خدا خدا کر کے بریلی کا اسٹیشن نظر آیا اور پچھو سات گھنٹوں کا تھکا دینے والا سفر ختم ہو گیا۔ تانگہ کر کے جمال منزل کا پتہ بتایا،

اور گھر کی جانب چل دی۔ ابا جان کتنے کمزور ہو گئے ہوں گے، وہ راستہ بھر ان ہی خیالوں میں کھوئی رہی۔ کوٹھی آ گئی مگر اسے کچھ پتہ نہ چلا حشمت بوا کی آواز پر چونکی جو اترتے ہوئے کہہ رہی تھیں۔
جمال الدین نے جو غیر متوقع طور پر بیٹی کو آتے دیکھا تو گھبرا کر اٹھ کر بیٹھ گئے۔ طلعت بے اختیار چیخ مار کر باپ سے لپٹ گئی اور پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی، اس کی لاتعلقی نے کتنا صدمہ پہنچایا ہے، اور جمال صاحب بیٹی کو گلے لگائے مسلسل آنسو بہا رہے تھے بے اختیار وبے ساختہ آخر نادرہ کی آواز نے طلعت کو چونکا دیا۔
"چچا بہت کمزور ہیں طلعت۔۔ تمہیں خیال کرنا چاہیئے"
اور طلعت کو جیسے ہوش آگیا ہو وہ اٹھ کر پھر اپنی عزیز ترین اور بچپن کی سہیلی نادرہ کے گلے لپٹ گئی، اور آنسو بہاتی رہی۔ حمیدہ بیگم بھی کافی خندہ پیشانی سے ملیں مگر طلعت کو تو اب جیسے اس عورت سے شدید نفرت تھی۔
جمال صاحب کھوئی ہوئی بیٹی کو دوبارہ پا کر بہت خوش تھے وہ اپنے میں اب کافی توانائی محسوس کر رہے تھے تمام دن بیٹی کو پاس بٹھائے باتیں کرتے رہے، حالات پوچھتے رہے، کبھی معافی مانگنے لگتے، کبھی اسے پیار کرتے کبھی گلے لگاتے الغرض انکی عجیب حالت تھی۔۔۔ اور کبھی مرحوم بیوی سلیمہ اور گمشدہ بیٹے سلیم کو یاد کر کے رونے لگے تھے، طلعت انہیں بار بار سمجھاتی کبھی ان کا سر سہلاتی

لیکن باپ کی گری ہوئی حالت دیکھ کر خود اس کے بھی اوسان خطا تھے۔ دن بھر وہ انہیں کے کمرے میں رہی رات بھر بیٹھی رہی گو نادرہ نے بہت کہا تم لیٹ جاؤ تھکی ہوئی ہو۔" مگر طلعت اپنے چراغ سحر باپ باپ سے جدا ہونے کو کسی طرح تیار نہیں تھی۔ خدا خدا کر کے سحر نمودار ہوتی جمال صاحب نے آنکھیں کھولیں۔ بیٹی کو قریب بیٹھے دیکھا تو نحیف آواز میں کہنے لگے۔

" بیٹی تم لیٹ جاؤ تھک گئی ہوگی"

مگر اسے تھکان کہاں تھی۔ لیٹے ہی لیٹے باپ کو نماز فجر ادا کرائی اور پھر نشاط وغیرہ کا تذکرہ کرنے لگی۔ فرزانہ بیگم کے ذکر پر جمال صاحب بہت چونکے مگر پھر کچھ سوچ کر خاموش ہو گئے۔ آخر جب ضبط نہ کر سکے تو پوچھ ہی بیٹھے

" کیا ان کے شوہر کا نام بدر کمال ہے۔؟"

طلعت بولی:" جی ہاں ابا جان ۔ بدر کمال نام تھا ان کا اب تو انتقال ہو چکا ہے بہت عرصہ ہوا۔

" اچھا" جمال صاحب نے تعجب سے کہا:" مگر مجھے آج تک بھی خبر نہیں۔ اچھا بیٹی طلعت تم ذرا ان کو خط لکھو" طلعت حیران تھی مگر باپ کی حکم عدولی کیونکر کر سکتی تھی۔ پین اور پیڈ لے کر برابر پڑی کرسی پر بیٹھ گئی۔ جمال صاحب آہستہ آہستہ بولنے لگے۔

" فرزانہ بہن تسلیم ۔ میں چراغ سحر ہوں اور تم سے شرمسار

اپنی خطا کی معافی چاہتا ہوں، یہ نازک وقت ہے، امید ہے اس موقع پر تم ہر پرانی بات کو بھلا کر ضرور آجاؤ گی اس وقت تو بڑے بڑے دشمن بھی مل جاتے ہیں، خدارا تم بھی گزشتہ واقعات بھول جاؤ اور مع بچوں و مسرور احمد کے آؤ، بہن اب سلیم کے بعد میں تمہارا ہی منتظر ہوں، موت کا سرد ہاتھ میری طرف بڑھ رہا ہے خدا کیلئے دیر نہ کرنا ورنہ میں سلیمہ کے سامنے شرمسار رہ جاؤں گا، بچوں کو پیار۔

تمہارا بھائی

(جمال الدین)

طلعت کو انہوں نے پتہ لکھوایا، اس کے ہاتھ کانپ رہے تھے، لفافہ پر پتہ لکھ کر پوسٹ کرانے اپنے قدیم ملازم خدا بخش کو بھیج دیا، وہ پھر حیران سی باپ کے قریب کرسی پر آ بیٹھی، اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ فرزانہ بیگم سے ابا جان کا کیا تعلق ہے ان سے کیا غرض وابستہ ہے، وہ یہ سب معلوم کرنے کو بے تاب تھی، مگر جمال صاحب آنکھیں بند کئے کسی گہری سوچ میں غرق تھے۔ اس نے چھیڑنا مناسب نہیں سمجھا، اس نے نشاط کے ذکر کے ساتھ ساتھ فرزانہ بیگم کا تذکرہ بھی بڑے زور شور سے کیا تھا، مگر اس وقت تو اس نے سوچا بھی نہیں تھا کہ ان سے کوئی تعلق نکل سکتا ہے، اگر وہ اپنے بقول خضر ظفر کا پتہ نہ لکھتی تو شک کی گنجائش بھی تھی، مگر اب تو کوئی شبہ ہی نہیں تھا

اور ظفر کا خیال آتے ہی اس کا دل دھڑک اٹھا۔ تو کیا اب یہ لوگ یہاں آئیں گے۔ کیا ظفر بھی آئیں گے۔۔۔۔ یا اللہ میں کیا کروں جب وہ لوگ یہاں آئیں گے اور مجھے یہاں دیکھیں گے اور حالات کا پتہ چلے گا تو نہ جانے کیا رائے قائم کریں۔ اف۔ کیا جھگڑا پڑا میرے رب:" وہ پریشان سی سر لٹکائے اپنے کمرے میں مسہری پہ بیٹھی تھی کہ نادرہ آگئیں۔

جمال صاحب اس وقت سو رہے تھے۔ انہیں بیٹی کے آجانے سے بڑا سکون ملا تھا۔ نادرہ نے اس کی پریشانی بھانپ لی۔ پوچھنے پر طلعت نے باپ کی علالت کی وجہ بتا کر ٹال دیا۔ وہ ابھی اپنے دل کے راز میں کسی کو شریک نہیں کرنا چاہتی تھی۔ نادرہ کے چھ ماہ کے بچے شجاع الرحمٰن کو گود میں لے کر کھلاتی رہی مگر اس کے پریشان خیالات کو کسی طرح سکون نہیں ملا۔

حمیدہ بیگم اپنے کمرے میں تھیں۔ طلعت کے آنے سے ان کی عجیب کیفیت تھی۔ یہ لڑکی انہیں ایک آنکھ نہ بھاتی تھی ان کو اس سے للہی بغض تھا۔ مگر یہ وقت کسی عداوت کے نکالنے کا نہ تھا۔ یہ موقع ایسا نہ تھا کہ ہر لہ اتارنے بیٹھ جاتیں۔ طلعت انہیں جو چوٹ دیکر گئی تھی، وہ اسے فراموش نہ کر سکی تھیں دل ہی دل میں فیصلہ کر رہی تھیں کہ " باپ تو چراغ سحر ہیں ان کے بعد ہی بیٹی کو سمجھوں گی۔ انہیں یہ خبر نہیں تھی کہ جمال صاحب نے فرزانہ بیگم کو

کو خط لکھوایا ہے۔

"نادرہ کہنے لگی: "سنا ہے صفدر صاحب پھوپا میاں کی دیکھ بھال کے لئے آنے والے ہیں۔"

"خدا نہ کرے جو وہ منحوس شکل اب یہاں آئے۔" طلعت نے نفرت سے کہا۔

"تمہارے جانے کے بعد بڑی آفت مچائی حمیدہ بیگم نے:" نادرہ نے کہا۔

طلعت آہ سرد بھر کر بولی: "بہن میری قسمت میں یہی تھا کہ لوگوں کو جھوٹ سچ ملانے کا موقع ملے، خدا پر خوب روشن ہے کہ میں نے کتنی مجبور ہو کر یہ قدم اٹھایا تھا، اور خدا کا شکر ہے کہ وہ لوگ بہت ہی اچھے ہیں، اب دیکھو نشاط باجی نے مجھے تنہا نہیں آنے دیا، حشمت بوا کو ساتھ بھیجا ہے۔"

نادرہ بولی: "واقعی وہ لوگ بہت اخلاق کے ہیں، ضیاء اکثر ذکر کرتے رہتے ہیں، ان کی تو جرمنی میں نشاط و فخر صاحب دونوں سے ملاقات ہو چکی ہے:"

"ہاں بہن بڑے ہی مخلص لوگ ہیں، میرے ساتھ نشاط باجی کو بہنوں جیسی محبت ہے، خدا ان سب کو خوش رکھے:" طلعت کے دل سے دعا نکلی اور لبوں پہ بکھر گئی۔

نادرہ ادھر ادھر دیکھ کر کہنے لگی: "سنا ہے صفدر صاحب پھر

آنے والے ہیں۔ مگر اب کہیں کوئی نیا گل نہ کھلائیں خدا محفوظ رکھے بڑا ہی شیطان صفت انسان ہے "۔

طلعت نے منہ سکوڑ لیا جیسے کوئی کڑوی چیز اس کے منہ میں چلی گئی ہے۔ "اب اتنی ہمت نہیں ان میں ابا جان کو خدا سلامت رکھے، اب وہ دل گئے۔ جب ان کا ڈنکا بجتا تھا، اب تو منہ کی کھا کر جائیں گے "۔

"خیر خدا بہتر کرے، اچھا اب چلو ناشتہ کرلو۔ دفتر سے آتے ہوں گے پھر آؤں گی "۔ نادرہ اپنے بچے کو لے کر بنگلے کی جانب چلی گئی۔

طلعت نے باپ کی کھانسی کی آواز سنی تو اٹھ کر ان کے قریب ہی بیٹھ گئی۔ ہر چند چاہا کہ فرزانہ بیگم کے متعلق استفسار کرے لیکن ہمت نہیں پڑتی تھی، باپ نے اس کی کشمکش کو بھانپ لیا وہ نرم لہجے میں کہنے لگے:

"طلعت بیٹی — تم شاید ابھی تک صبح والے خط کے متعلق ہی سوچ سوچ کر حیران ہو رہی ہو۔ فرزانہ بہن کا تذکرہ تم سے سنکر میں نے اطمینان کا سانس لیا تھا کہ تم اتنے عرصہ کسی غیر کے گھر نہیں اپنے گھر رہ کر آئی ہو "۔

"مگر ابا جان ان سے کیا ہماری عزیزداری ہے "۔ طلعت سے ضبط نہ ہو سکا اور پوچھ ہی لیا۔

"ہاں وہ میری عم زاد بہن ہیں "۔ جمال صاحب نے جواب دیا۔

"مگر اس سے قبل تو میں نے کبھی ان کا تذکرہ بھی نہیں سنا تھا۔
طلعت حیرانی سے بولی:" ہاں طلعت بیٹی حالات ہی کچھ ایسے پیدا ہو گئے
کہ ان سے ترک تعلق کو سترہ سال گزر گئے، مگر اب تمہاری زبان سے
ان کا ذکر سن کر ضبط نہ کر سکا اور پھر اب جبکہ میں محسوس کر رہا ہوں کہ میں
چراغ سحری ہوں تو مجھے وہی یاد آئیں، وہ آجائیں تو میں ان سے معافی مانگ
لوں، اور ان کی عزیز ترین سہیلی کی امانت ان کو سونپ دوں تو پھر سکون
کے ساتھ مر سکوں گا، ورنہ میری روح کو قرار نہیں آسکے گا۔
"مگر ابا جان۔ اس ترک تعلق کی کچھ تو وجہ ہو گی ہی" طلعت
کو جیسے کرید لگ گئی تھی اور تمام حالات معلوم کرنے کو بے چین تھی۔
"بات دراصل یہ ہے کہ جب تمہاری ماں کا انتقال ہو گیا تو وہ تمہیں
اپنے ساتھ لیجانے پر مصر تھیں، مگر میں نے انکار کر دیا، دراصل وہ تمہیں
ہمیشہ کے لئے مانگ رہی تھیں، مگر میں نہیں چاہتا تھا کہ ابھی سے ان کے
حوالے کر دوں، پھر وہ حمیدہ کے ساتھ شادی کرنے پر بالکل ہی ناراض
ہو گئیں اور قطعی ترک تعلق کر لیا، تمہاری ماں سے انہیں پیار تھا اور
دونوں ایک جان دو قالب کی مانند تھیں۔ مگر ان کے بعد وہ ایسی روٹھیں
کہ سترہ سال گزر گئے، انہوں نے لوٹ کر پوچھا بھی نہیں، مگر اب میں
چاہتا ہوں کہ وہ آجائیں تاکہ میں سکون سے اس دنیا کو خیرباد کہہ
سکوں، جمال صاحب نے ماضی میں جھانکتے ہوئے کہا، بار بار آپ ایسی
بات نہ کیجئے ابا جان میرے دل کو تکلیف ہوتی ہے: طلعت بولی: جان پدر

جمال صاحب محبت بھرے لہجہ میں بولے " حقیقت سے کون انکار کر سکتا ہے۔ اور موت ایک حقیقت بھی تو ہے۔
" خدا کے لئے ابا جان رحم کیجئے " طلعت عاجزی سے بولی "
" اچھا اب کچھ نہیں کہہ رہا —— مگر سلیم کا تصور اب بے چین رکھتا ہے نہ جانے وہ کہاں ہوگا۔ شدت جذبات سے انکار گلہ رندہ گیا، اور وہ خاموش ہو کر کچھ سوچنے لگے۔
طلعت بیٹی باپ کی صورت تک رہی تھی، کتنے زرد ہو گئے تھے، چند منٹ خاموش رہے پھر کہنے لگے، بیٹی کم از کم ان لوگوں واسطے تین کمرے ٹھیک کرا لینا ہر طرح کا خیال رکھنا ذرا نہ حمیدہ بیگم سے سخت متنفر ہیں۔ تمہیں کو خیال رکھنا پڑے گا بہت اچھا کہہ کر طلعت اپنے کمرے میں آگئی۔ وہ اس نئے انکشاف پر خوش تھی۔ بے حد خوش، وہ اپنی مسہری پر لیٹی ہوئی دنیائے تصور میں غرق تھی۔ یا خدا تو کتنا رحیم و کریم ہے۔ ان لوگوں سے تو نے خون کا رشتہ نکالا یا جن کو میں اپنا آقا تصور کرتی تھی ــ اور ظفر ــ ڈاکٹر ظفر.. اف... ان سے بھی عزیز داری نکل آئی۔ وہ اس تصور پہ بہت خوش تھی مگر ظفر نے کبھی اشارتاً بھی اظہار محبت اس سے نہیں کیا تھا لہٰذا اس خیال سے اس کو بڑی اذیت ہوئی ــ کہ کیا پتہ وہ کس کو چاہتے ہیں، کون جانے ان کی دنیائے محبت کی ملکہ کون ہے

ان کی محبوبہ کون ہے ... میں ... آہ ... میں اِس قابل کہاں کہ ان کے متعلق سوچوں .... کہاں وہ کہاں میں کیا وہ میری اس حیثیت کو فراموش کرسکیں گے جو ان کے چچا کے یہاں میری تھی، مگر یہ عزیزداری .... یہ رشتہ .. شاید صبح بہاراں کا پیغام ہو، نگار جیسی پیاری لڑکی اور رعنا جیسی چنچل و شوخ ہستی میری بہنیں ہی نکلیں اور مجھے خبر بھی نہیں تھی، خون کا رشتہ تھا تب ہی تو میں ان لوگوں سے اتنی قربت اور اپنائیت سی محسوس کرتی تھی ـــ اب یہاں وہ لوگ آئیں گے ـــ فرحانہ پھوپی آئیں گی، رعنا نگار آئیں گی، ظہیر بھیا آئیں گے، اور ظفر ـــ ہاں شاید ظفر بھی آئیں، مگر آپ آیا کریں مجھے کیا خدا کرے میرے سلیم بھیا بھی آجائیں، تب تو پھر مزہ ہی رہے ـــ آہ ـــ مجھ بدنصیب کے باعث وہ روپوش ہو گئے، اف میرا وجود کتنا منحوس ہے، ٹھیک ہی تو کہتی تھیں حمیدہ بیگم ـــ اور ابھی اس کے خیالات کا سلسلہ یہیں تک پہنچا تھا کہ قسمت بوا نے آکر بتایا کہ اس کے ابا جان بلا رہے ہیں، وہ ہڑ بڑا کر اٹھ بیٹھی اور دوپٹہ سنبھالتی ہوئی باپ کے کمرے میں چلی گئیں، وہ بہت خوش نظر آرہے تھے، بیٹی کو بڑا باتیں کرتے رہے فرحانہ بیگم کا ذکر کرتے رہے اور اسی طرح یہ تمام دن گزر گیا۔

دوسرے دن طلعت نے گھر سے درست کرنے شروع کئے

توحمیدہ بیگم نے حیرت سے پوچھا۔ کون آرہا ہے۔ طلعت نے مختصراً کہا، مجھے پتہ نہیں ابا جان کا حکم تھا، حمیدہ بیگم اس جواب پر خون کا گھونٹ پی کر رہ گئیں۔ کرہی کیا سکتی تھیں۔ آج کل تو طلعت ہی کا راج تھا، وہ تو بھیگی بلی بنی رہتی تھیں اور پھر وہ خاموش اٹھ کر باورچی خانے کی طرف چلی گئیں۔ جہاں جمال صاحب کے لئے یخنی تیار کرنی تھی۔

چوتھے دن فرزانہ بیگم کا تار ملا "کل پہنچ رہے ہیں ہم لوگ"۔ اور طلعت و جمال صاحب کی مسرت کا ٹھکانہ نہ رہا، جمال صاحب خوش تھے کہ ان کی استدعا منظور کر لی اور سترہ سال کی بچھڑی بہنیں آرہی ہیں۔ طلعت خوش تھی کہ اس کو ایک چاہنے والی پھوپی اور بہنیں مل رہی ہیں۔ اس کی مسرتوں کا ٹھکانہ نہیں تھا، نگار وغیرہ کے علاوہ ظفر بھی تو آئیں گے۔ اس کے من مندر کے دیوتا، وہ انجانے ہی میں اس سے قریب ہوتی چلی گئی تھی۔ مگر چونکہ ظفر نے اپنا ہسپتال کھول لیا تھا، لہٰذا ان کے آنے کی امید کم تھی، اور پھر طلعت کو یہی خیال آتا، کیا خبر ان کے دل کا مکین کون ہے۔ میں نے خواہ مخواہ ہزاروں امیدیں و آرزوئیں قائم کر رکھی ہیں۔ نادرہ نے یہ چہل پہل دیکھی تو پوچھنے لگی، کون آرہا ہے جو تم اتنا خوش ہو۔

ابا جان کی عم زاد بہنیں فرزانہ پھوپی" ظفر کا دل کرن نے دھڑکتے

اڑا دیا تھا:

"اچھا" مگر اس سے قبل تو ہم نے کبھی نہیں سنا کہ چچا کی کوئی بہن بھی ہیں" نادرہ نے تعجب سے کہا: "ہاں نادرہ سترہ سال بعد آرہی ہیں، تم کیا میں نے ہی کبھی نہیں سنا، یہ انکشاف تو پرسوں ہی ہوا ہے۔ اور لطف یہ کہ وہ نشاط باجی کی جٹھانی ہیں۔ میں تو مل چکی ہوں" طلعت نے مسرت دباتے ہوئے جواب دیا:

"اوہو تب ہی میری بنوں کا چہرہ لالہ زار بنا ہوا ہے ہزاروں شفقیں پھوٹی پڑ رہی ہیں، مگر کہاں سے آرہی ہیں نادرہ نے مسکرا کر کہا:"

"لکھنؤ سے" طلعت بولی۔

"اور کون کون آئے گا ان کے ہمراہ۔؟ نادرہ نے شرارتاً کہا۔

"میں کیا جانوں جب آئیں گی تو دیکھ لینا۔ طلعت نے مسکراتے ہوئے کہا" تم تو بہت ہی خوش نظر آرہی ہو کیا بات کوئی خاص ہے۔" نادرہ نے چھیڑتے ہوئے کہا" تم تو ہو گئی ہو دیوانی اب میرے پاس کیا علاج" طلعت نے مسکرا کر کہا" اور پھر دونوں اٹھ کر جمال صاحب کے کمرے میں چلی گئیں۔ وہ اس وقت نماز مغرب میں مصروف تھے۔ لہٰذا یہ لوگ باہر برآمدے میں آ بیٹھیں اور ادھر ادھر کی باتیں کرتی رہیں، جب سے فرزانہ بیگم کا تار ملا تھا جمال صاحب کافی خوش اور مطمئن نظر آرہے تھے، ویسے اب بھی

ان کی نقاہت دن بدن بڑھتی جا رہی تھی جس سے طلعت بہت زیادہ متاثر اور فکرمند نظر آتی تھی۔

دوسرے دن فرزانہ بیگم مع سردار احمد بیگم بچوں کے آن ائیر یلا اسٹیشن پر خدا بخش کو موٹر لے کر بھیج دیا گیا تھا۔ اور ساتھ میں طلعت کے سوتیلے بھائی نسیم کو بھی بھیج دیا تھا۔ طلعت و حمیدہ بیگم نے دروازہ پر خیر مقدم کیا اور فرزانہ بیگم یہاں طلعت کو دیکھ کر حیران رہ گئیں۔ نگار، رعنا، ظہیر، ظفر سب ہی تعجب سے اسے دیکھ رہے تھے۔ اور طلعت ہر بات سے بے نیاز سر جھکائے مسکرا رہی تھی۔ ان لوگوں کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ یہ کیا قصہ ہے۔ سب ہی حیرت زدہ تھے، آخر فرزانہ بیگم ضبط نہ کر سکیں تو پوچھ ہی بیٹھیں۔

"طلعت بیٹی یہاں کیسے"؟

"ابا جان کے کمرے میں چلئے وہاں سب کچھ معلوم ہو جائے گا۔ طلعت نے جھکی جھکی نظروں سے جواب دیا۔ اور یہ قافلہ حیران و پریشان سا جمال صاحب کے کمرے میں داخل ہو گیا۔ فرزانہ بیگم سترہ سال بعد اپنے پھوپی زاد بھائی کو اس حال میں دیکھ کر بے اختیار ہو گئیں ان کے قریب بیٹھ کر وہ رو پڑیں، جمال صاحب بھی بہن کو سفید کپڑوں اور ننگے ہاتھ دیکھ کر بہت متاثر ہوتے۔ وہ گاؤ تکیہ کے سہارے بیٹھے تھے، سردار احمد بھی بڑھ کر گلے ملے، جمال صاحب نے اپنا نحیف و نزار ہاتھ باری باری سب کے سر پہ پھیرا۔ آج ان کی طبیعت کافی اچھی نظر آ رہی تھی، وہ اتنے عرصہ بعد بچھڑی بہن و بھائی کو پا کر بہت مسرور تھے مگر پھر مرحومہ بیوی کی یاد سے دل بھر آیا۔ اور یہ سب لوگ ان کے ساتھ کتنی ہی دیر تک آنسو بہاتے

رہے۔ حمیدہ بیگم بھی کافی خندہ پیشانی سے ملیں مگر وہ ان لوگوں سے مل کر کچھ زیادہ خوش نہیں ہوئیں۔ طلعت نے باری باری سب کا تعارف کرا دیا اور جب ظفر کا نمبر آیا تو وہ کچھ ٹھٹھک کر رہ گئی، مگر پھر مختصراً بتا دیا۔ یہ ڈاکٹر ظفر بھائی ہیں اور پھر حمیدہ بیگم ناشتہ کے انتظام کے واسطے اٹھ کر چلی گئیں۔ فرزانہ بیگم پرانی یادوں کو کریدتی رہیں گذشتہ واقعات دہراتی رہیں، شکوہ شکایت کے دفتر کھول ڈالے اور پھر طلعت کے متعلق استفسار کئے بغیر نہ رہ سکیں۔ طلعت بیٹی آخر یہ کیا ماجرا ہے، کچھ تو بتاؤ، تم نے اتنے دن تک نشاط کے پاس کیوں رہیں اور مجھ سے یا اور کسی سے کبھی بھول کر بھی تذکرہ نہیں کیا کہ تم جمال بھیا کی لڑکی ہو؟

طلعت نے اس بات پر سر جھکا لیا، اس کے پاس جواب ہی کیا تھا وہ شرمندہ سی نظر آ رہی تھی، اور سب ہی نظریں اس کے چہرے پر مرکوز تھیں۔ جمال صاحب نے انتہائی کرب سے کہا۔ بہن طلعت بے قصور ہے، واقعات ہی ایسے رونما ہو گئے تھے کہ ان کا گھر سے چلا جانا ہی بہتر ہوا، ورنہ میری آنکھوں پر غفلت کا پردہ پڑا رہتا وہ کبھی نہیں اٹھ سکتا تھا، اور میں دھوکے میں آ کر اپنی معصوم بچی کا گلا اپنے ہی ہاتھوں گھونٹنے پر تیار تھا، اف، میں نے اس کی ذرا بھی پرواہ نہیں کی تھی، بہن اور میں شرمندہ ہوں کہ تمہارا کہنا نہ سنا اور آج اپنے کو ایک بڑی تباہی کے غار پر کھڑا پاتا ہوں، میری ذات سے میرے ہی جگر کے ٹکڑوں کو وہ وہ اذیتیں پہنچی ہیں کہ جن کا تصور بھی گراں ہے ۔۔ آہ ۔۔ بہن سلیم کا اب تک بھی پتہ نہیں میں بستر مرگ پر پڑا ہوں، کاش وہ آ جاتا۔ تاکہ اس کی ماں کے روبرو میں سرخرو ہو جاتا ۔۔ تاکہ پھر سکون کے ساتھ بارگاہ ایزدی میں سرخرو حاضر ہو جاؤں۔ اف

میرا بچہ ۔ میرا بیٹا ۔ سلیم ۔ اور پھر وہ خاموش ہو گئے۔
ان کی درد بھری باتوں نے سب ہی پر رقت طاری کر دی تھی طلعت کی تو روتے روتے ہچکی بندھ گئی تھی نگار۔ رعنا۔ عذرا بیگم و فرزانہ بیگم سب ہی آبدیدہ تھے۔ اور پھر فرزانہ بیگم آنسو صاف کر کے کہنے لگیں: "بھیا میں نے جب نشاط کے ساتھ پہلی مرتبہ اس بچی کو دیکھا تھا تو بے اختیار میرا دل اسکی جانب کھنچا تھا، مگر وجہ سمجھ نہیں سکتی تھی، آج معلوم ہوا کہ خون کی کشش اسی کو کہتے ہیں مگر وہ ایسے کونسے حالات پیدا ہو گئے تھے جس کے باعث ان جوان جہاں کنواری بچی کو گھر سے بے گھر ہونا پڑا، اور سلیم بھی روپوش ہو گیا۔ جمال صاحب نے آنسو خشک کئے اور آہستہ آہستہ تمام حالات بتائے۔ فرزانہ بیگم نفرت سے ہونٹ سکوڑ سکوڑ کر رہ گئیں اور پھر کہنے لگیں "بھیا میں نے آپ سے پہلے ہی کہا تھا کہ اگر سلیم کو ان کے چچا نہال الدین امریکہ بنتے جا رہے ہیں تو اسے ان کے ہمراہ جانے دو اور اس بچی کو مجھے دیدو، میں پرورش کر لوں گی۔ یاد ہے کہ سلیم سے میری کیسی بنتی تھی، ہم دونوں کو ایک دوسرے کے بغیر کبھی چین نہیں آیا۔ یہ طلعت تو صرف چھ ماہ کی تھی، جب ان کا انتقال ہوا تھا۔ مگر آپ نے مجھے اپنا دشمن جانا اور نہ بچی کے دینے کو صاف انکار کر دیا میں پھر بھی خاموش رہی، مگر حمیدہ بیگم کا وجود میرے لئے ناقابل برداشت تھا، اسی باعث سترہ سال میں نے ادھر کا رخ نہیں کیا، اور اگر اب بھی آپ کا معافی نامہ نہ جاتا تو میں ساری عمر نہ آتی۔
سردار احمد بہن کی باتیں سن کر کہنے لگے "باجی اب ان باتوں کو بھول جایئے

شکوہ شکایت سے بھائی کو اور رنج ہوگا۔ آپ دیکھ نہیں رہیں کہ ان کی حالت کیا ہے۔

"نہیں مرد، فرزانہ حق بجانب ہیں، انہیں نہ روکو، انہیں کہنے دو، میں مجرم ہوں، میں نے اپنے دوست ریاست کے کہنے میں آکر اپنا گھر اپنے بچے۔ اپنی صحت اپنی زندگی سب برباد کرلی۔ اور پھر تم جیسے مخلص لوگوں کو بھی اپنا دشمن سمجھنے لگا۔ فرزانہ بہن تمہاری شکایت بجا ہے، میں اسی قابل ہوں، مگر اب خدا کے لئے پہلے سلیم کی فکر کرو مجھے اس کا غم کھائے جاتا ہے کہیں اسے دیکھے بغیر ہی مر گیا تو یہ حسرت ساتھ ہی دفن ہوگی۔

جمال صاحب اس وقت بہت شرمسار نظر آرہے تھے، ظفر ان باتیں سنتے رہے بہت متاثر تھے، وہ کہنے لگے۔ آپ اطمینان رکھئے میں کسی اخبار میں اشتہار شائع کرائے دیتا ہوں۔ انشاء اللہ جلد پتہ چل جائیگا میری ان سے جرمنی کے دوران قیام ملاقات ہوئی تھی، انہوں نے آپ کا پتہ بتایا تھا مگر پھر اچانک آنے کا پروگرام ملتوی کر دیا شاید طلعت بہن کی گمشدگی کی اطلاع مل گئی تھی۔

"ہاں بھائی جان آپ اطمینان رکھئے جب خدا نے اتنے بچھڑے ہوؤں کو ملایا وہی سلیم کو بھی ملائے گا، ظفر آج ہی اشتہار دیدیں گے اور انشاء اللہ جلد سلیم آپ کے پاس آجائے گا۔

"خدا کرے ایسا ہی ہو۔ بیٹے ظفر خدا تم کو خوش رکھے بجو بہو مرحوم کی شکل ہے۔ بڑا ہوشیار بچہ ہے ـــــ جمال صاحب اب کافی

نحیف ہو چکے تھے۔ ظفر نے ان کا بہت غور سے معائنہ کیا اور خاموش ہو گئے۔ فرزانہ بیگم نے پوچھا تو صرف اتنا ہی کہا، نقاہت زیادہ ہے رفتہ رفتہ ہی جائیگی۔ مگر وہ قدرے فکر مند تھے رہ رہ کر طلعت کا خیال آتا تھا کہ باپ جیسی شفیق ہستی بھی بچھڑنے کی تیاری کر رہی ہے ان کے دل کا جیسے کام تمام ہو گیا تھا بس شاید سلیم میں روح لٹک رہی تھی۔

طلعت نے دیکھا نگار بار بار پہلو بدل رہی ہے اس کے چہرے پر تھکاوٹ کے آثار نمایاں تھے۔ ادھر یہاں بھی دوسری باتیں چھڑ گئیں تو وہ رعنا و نگار کو لے کر اپنے کمرے میں آ گئی۔ نگار واقعی بہت تھکان محسوس کر رہی تھی۔ اسے خیر سے تیسرا مہینہ ختم ہو رہا تھا۔ اسی باعث وہ کافی کمزور نظر آ رہی تھی۔۔ اور پھر طلعت سے شکوہ شکایت کے دفتر کھل گئے۔ ہمیں غیر سمجھا بتایا بھی نہیں کہ جمال ماموں کی لڑکی ہیں وغیرہ وغیرہ مگر طلعت نے ہنس کر کہا۔ اب مجھے کیا پتہ تھا کہ تم میری بہن بھی ہو۔ میں نے تو آقا کے روپ پایا تھا اور دوست کی حیثیت سے چاہا تھا۔ اس پر نگار، رعنا، و طلعت تینوں ہنسنے لگیں۔ ظہیر سے بھلا کب برداشت ہو سکتا تھا کہ ان کی محبوب بیوی نگار ان کی آنکھ سے اوجھل ہو لہذا وہ بھی ظفر کا ہاتھ تھامے آئے مگر وہ طلعت کا کمرہ تلاش ہی کر رہے تھے کہ حشمت بُوا نظر پڑیں اور انہیں سے پتہ چلا کہ طلعت معہ نگار و رعنا کے اپنے کمرے میں ہیں اور وہ ہی انہیں دروازہ تک چھوڑ گئیں۔ ظفر عجیب گو مگو کے عالم میں تھے مگر ظہیر کے ہاتھ میں ہاتھ تھا لہذا کچھ بول بھی نہیں سکتے تھے۔ ظہیر نے دروازے

پر پہنچ کر آواز لگائی۔ کیا ہم بھی اندر آسکتے ہیں طلعت بہن۔

ضرور! بھلا اجازت کی کیا ضرورت تھی بھیا۔ یہ کمرہ تو ویسے بھی آپ ہی کا ہے۔ طلعت نے دونوں کو آتے دیکھا تو دوپٹہ ٹھیک کرکے کہا، اور پھر وہ ظفر کو دیکھ کر گھبرا کر کھڑی ہو گئی۔

اچھا! او ہو بیگم صاحبہ بھی یہیں براجمان ہیں۔ شوخی سے نگار کو دیکھ کر ظہیر بولے اور پھر پوچھنے لگے۔ کیسی طبیعت ہے نگار آپ کی۔

نگار نے ظہیر کے ساتھ بھائی کو آتا دیکھا تو اٹھ کر بیٹھ گئی۔ سر پر دوپٹہ ٹھیک کیا اور مسکرا کر کہنے لگی۔ اچھی ہوں، مہربانی ہے آپ کی۔ ظفر نے بہت کہا کہ وہ لیٹ جائے مگر بھابی کے سامنے لیٹ رہنے کو اس کا دل نہیں چاہ رہا تھا، لہٰذا مسکرا کر خاموش ہو گئی۔ ظفر نے بھی پھر کچھ نہیں کہا، اور دونوں کرسیوں پر بیٹھ گئے۔

یہ لوگ بیٹھے باتیں کرتے رہے ہنسی مذاق، لطیفے، الغرض آج جمال منزل قہقہہ زار بنی ہوئی تھی وہ ظہیر و رعنا کی پر لطف باتوں پر مسکرا رہی تھی، ظفر چوری چوری اس حسن کی دیوی کو دیکھ لیتے تھے، طلعت نے یہ سب محسوس کیا، پھر اور بھی زیادہ شرمانے لگی۔ اور پھر کام کے بہانے وہاں سے چلے جانا ہی مناسب سمجھا، اس نے نادرہ کو بھی بلوا لیا تھا سب سے باری باری تعارف ہوا۔

نادرہ ان سب لوگوں سے مل کر بہت خوش ہوئیں اور ظفر سے

تو اس کے لبوں پر بڑی معنی خیز مسکراہٹ رقص کرنے لگی۔ اس نے نظر اٹھا کر طلعت کو دیکھا مگر وہ سر جھکائے نہ جانے کس سوچ میں غرق تھیں۔

حمیدہ بیگم دل ہی دل میں کڑھ رہی تھیں مگر زبان سے کچھ نہیں کہتی تھیں نہ کچھ کہنے کی ہمت ہی تھی۔ ان کے زمانۂ عروج کو زوال آ چکا تھا۔ جمال صاحب بھی سخت متنفر تھے، مگر اپنے بچے نسیم کے باعث اس عورت سے نباہ رہے تھے جو اب صرف پانچ سال کا تھا۔ کھانے کا وقت ہو چکا تھا۔ طلعت نے نادرہ کو بھی روک لیا۔ سب نے کھانا کھایا اور پھر کچھ دیر آرام کرنے کی غرض سے سب ہی لیٹ گئے۔ گو نگار کا دل نہیں چاہ رہا تھا کہ وہ ظہیر کے ساتھ دوسرے کمرے میں جا کر لیٹے مگر اس کی تھکان کے باعث نہ ظہیر نے چھوڑنا مناسب سمجھا نہ طلعت درعنا نے ہی منظور کیا۔ مجبوراً وہ اپنے کمرے میں مسہری پر جا لیٹی اور ظہیر سے باتیں کرتے کرتے ہی نہ جانے کب سو گئی۔

ان لوگوں کو آئے تیسرا دن تھا۔ جمال الدین ظفر کے زیر علاج تھے اور کافی افاقہ محسوس کر رہے تھے۔ فرزانہ بیگم نماز ظہر سے فارغ ہو کر وظیفہ پڑھنے لگیں اور جب فارغ ہوئیں تو حمیدہ بیگم سے ادھر ادھر کی باتیں کرنے لگیں، پھر جمال صاحب کے کمرہ میں چلی گئیں وہ گاؤ تکیہ سے سہارے بیٹھے نماز پڑھ رہے تھے۔ تھوڑی دیر کے بعد سرور احمد عذرا بیگم سب وہیں آ گئے۔ حمیدہ بیگم بھی موجود تھیں، وہی پرانی باتیں، پرانی داستانیں فرزانہ بیگم محسوس کر رہی تھیں کہ جمال بھائی کافی خوش ہیں مگر کل سے وہ کسی

سوچ میں غرق رہنے لگے ہیں۔ شاید سلیم کی فکر ہو، مگر وہ کوئی خاص نتیجہ اخذ نہ کر سکیں۔ حمیدہ بیگم چائے کے انتظام کے واسطے اٹھ گئیں اور پھر چند منٹ سکوت کے بعد جمال الدین بولے۔

"بہن فرزانہ قریب آؤ مجھے تم سے ضروری باتیں کرنی ہیں، فرزانہ بیگم بھائی کے پاس کرسی پر جا بیٹھیں، وہ چند لمحے کچھ سوچتے رہے اور پھر آہستہ آہستہ کہنے لگے۔ بہن ایک ذرا سی بات پر ہم دونوں میں ترک تعلق ہو گیا تھا، مگر اب وہ بات ختم ہو گئی۔ پرانے زخم کریدنے سے کچھ حاصل نہ ہوگا۔ اب جب میں چراغ سحری ہوں اور بستر مرگ پر دراز الیے میں بہن تم گذشتہ واقعات بھول جاؤ کہ جن پر میں نادم بھی ہوں اور اپنے کئے کی سزا بھی بھگت چکا ہوں، گو میں تمہارا بڑا بھائی ہوں مگر بحیثیت مجرم میں تم سے معافی کا خواستگار ہوں۔

ارے بھائی یہ کیا کہتے ہیں آپ ہمارے تو بزرگ بس اب آپ ہی ہیں فرزانہ بیگم نے گھبرا کر کہا، اور مسرور احمد بھی بول پڑے ایسا نہ کیجیے بھائی صاحب ہمیں اذیت ہوتی ہے۔

" اب تم لوگ مجھے نہ روکو جو میں کہنا چاہتا ہوں کہنے دو جو کرنا چاہتا ہوں کرنے دو میں چراغ سحری ہوں، زندگی کا دیا ٹمٹما رہا ہے، جو مجھے کہنا ہے، اسے غور سے سن لو، اگر ممکن ہو تو میرے سامنے ہی عمل بھی کر کے دکھا دو تا کہ میں سکون کے ساتھ اس دار فانی کو خیر باد کہہ سکوں۔ ہاں تو میں کہہ رہا تھا کہ پرانی باتوں کو فراموش کر دو۔ میں تم لوگوں سے معافی مانگ رہا ہوں معاف کر دو اپنی

عزیز ترین سہیلی سلیمہ کے لئے معاف کر دو ۔۔ بہن ۔۔ وہ تمہاری عاشق زار تھی۔ مگر اب نہ وہ زندہ ہیں نہ ہمارے وہ ولولے سلیم مجھ سے جدا ہو گیا تھا اور آج تک جدا ہی رہا۔ پتہ نہیں اسے دیکھ بھی پاؤں گا یا نہیں ۔۔ اور ۔۔ بہن اب سلیمہ کی ایک امانت رہ جاتی ہے ۔۔ طلعت ۔۔ میری معصوم ۔۔ اور بے زبان بچی جس پر انجانے میں میرے ہی ہاتھوں مظالم ٹوٹے مگر اس نے اف نہیں کیا، اس کی ماں سوتیلی ہے اور ان کے ہاتھوں سے بھی غریب نے ہمیشہ رنج اٹھائے، بڑے ظلم سہہ کر لئے۔ مگر اب میں نہیں چاہتا کہ پھر اس بے زبان کو ایسی ظالم عورت کے سہارے چھوڑ دوں ۔۔ مگر ۔۔ مگر پھر کیا کروں ۔۔ ان کی سانس پھول گئی اور وہ آنکھیں بند کر کے خاموش ہو گئے۔

فرزانہ بڑی محویت سے بھائی کی باتیں سن رہی تھیں، ان کی تباہی پہ آبدیدہ بھی تھیں، چند منٹ سکوت کے بعد کہنے لگیں۔ طلعت کی شادی کر دیجئے۔ پھر آپ کو کوئی فکر نہیں رہے گی۔

جمال صاحب نے چونک کر آنکھیں کھولیں اور حسرت بھرے لہجہ میں کہنے لگے۔ میں خود یہی چاہتا ہوں فرزانہ بہن، کاش اس کی شادی ہو جاتی تاکہ مجھے قطعی سکون ہو سکتا۔ مگر طلعت چونکہ دو سال گھر سے باہر رہی اور ایسی حالت میں جب کہ اس کے متعلق مجھے بھی کوئی خبر نہیں مل سکی تھی، یہاں اسکی گمشدگی کے متعلق بہت سی غلط افواہیں گشت کر چکی ہیں، ایسی صورت میں کون شادی

پر تیار ہو گا اور وہ بھی کھڑے کھڑے فوراً۔ نہیں ایسا نہیں ہو سکتا اور
یہ سب میرے گناہوں کی سزا ہے۔ سلیمہ مرحومہ سے کئے ہوئے وعدہ
کو فراموش کر بیٹھا اور آج ذلیل و خوار ہوں، تم ہی لوگ بتا دیں کیا کروں
میری روح سلیم کے بعد طلعت میں اٹک رہی ہے، سلیم تو پھر بھی لڑکا ہے۔ مگر
یہ تو غریب، نہ کچھ کہہ سکتی ہے نہ سن سکتی ہے۔ بس اس کا غم ہے۔

"کیسی باتیں کرتے ہیں بھائی صاحب،" مسرور احمد نے کہا: طلعت
ماشاء اللہ سمجھدار اور بالغ ہے، وہ بہت باشعور ہے پھر فکر کیوں۔

"بھائی مسرور ۔۔۔ لڑکی ذات کا معاملہ بڑا ہی نازک ہوتا ہے تمہارے
بھی لڑکی ہے اور ایک بیٹی کا باپ ہونے کی حیثیت سے میرے جذبات
کا اندازہ لگاؤ جب کہ اب مجھے اپنے جینے کی بھی امید نہیں۔ اب وہ تھک
کر خاموش ہو گئے تھے۔ ان کا چہرہ بے حد زرد ہو رہا تھا،

فرزانہ بیگم نے مسکرا کر بھائی جان کی طرف دیکھا اور پھر سر جھکا لیا
اور کچھ سوچنے لگیں۔ چند منٹ کے بعد سر اٹھایا جیسے انہوں نے دل میں کوئی
فیصلہ کر لیا ہو، ان کی نگاہوں سے مسرت کی شعاعیں پھوٹ رہی تھیں اور
پھر مسکرا کر کہنے لگیں۔

"بھیا،، آپ غم نہ کیجئے، جو ہونا تھا ہو چکا اور گذر گیا، ماضی کو یاد کرنے
سے اب کچھ فائدہ نہیں ہو گا۔ سوائے اس کے کہ دلوں کو دکھ ہو، بھائی
دل پہلے ہی دکھے ہوئے ہیں۔

سلیمہ بھابی سے مجھے جو انسیت تھی وہ آپ یا کسی سے پوشیدہ نہیں

گو نظام قدرت سے ہم اس طرح جدا ہوئے کہ پھر کبھی نہ مل سکے اور طلعت کے واسطے آپ کو فکرمند ہونے کی قطعی ضرورت نہیں ایک بار میں نے اسے پرورش کرنے کی غرض سے مانگا تھا محض اپنی عزیز ترین سہیلی کی یادگار جان کر مگر آپ نے دینے سے انکار کر دیا تھا، آج میں پھر اسے مانگ رہی ہوں، اپنے گھر کی زینت بڑھانے کے لئے گو ظفر میں بہت سی خامیاں ہیں، مگر آپ کو انہیں نظر انداز کرنا ہی پڑے گا وہ دو سال کسی غیر جگہ نہیں اپنے ہی گھر رہی جہاں بھیجنے پر آپ کسی طرح تیار نہیں ہوئے تھے مگر اب میں اسے باقاعدہ لے جاؤں گی میرے بھائی کی بچی ہے میری سلیمہ بہن کا جگر گوشہ ہے۔ مجھے دل و جان سے عزیز ہے بس اب میں اسے اپنے گھر کی رونق بناؤں گی۔ کیوں مسرور میاں کیا خیال ہے تم بھی سفارش کرو نا بھائی صاحب سے۔ مسرور احمد مسکرا کر بولے: باجی آپ کا فرمانا بجا اور آپ کا فیصلہ درست ہے۔ ایسے حالات میں، ہمیں طلعت کو یہاں ہرگز نہیں چھوڑنا چاہیئے۔ وہ ہماری اپنی بچی ہے۔ عذرا بیگم نے بھی تائید کی اور فرزانہ بیگم مسکرا کر بھائی سے کہنے لگیں کہیئے اب کیا خیال ہے ظفر آپ کا بھانجہ ہے۔ اس نے لکھنؤ میں چھوٹا سا اسپتال قائم کر لیا۔ اب آپ کو قطعی فکرمند نہ ہونا چاہیئے میرے لئے جیسے نگار ویسی طلعت اور یہ تو میری خوش نصیبی ہے کہ بھائی جمال کی آنکھ کا تارا اور مرحومہ بھابی سلیمہ کے جگر کا ٹکڑا میرے اجڑے گلشن میں بہاریں سمیٹے آجائے۔ اللہ تمہیں اس کا اجر دیگا بہن فرزانہ تم نے مجھ پر سے ایک بڑا بوجھ

کم کر دیا ہے،" جمال صاحب اطمینان بھرے لہجہ میں بولے: "میری خوش نصیبی ہے کہ طلعت تمہارے گھر جائے اس طرح ہم ٹوٹے ہوئے تعلق کو مستحکم کر لیں گے ــــ مگر میں یہ چاہتا ہوں کہ میری زندگی میں ہی یہ کام بھی انجام پا جائے تاکہ مجھے قطعی اطمینان ہو سکے۔

اس کی فکر نہ کیجئے، ظفر کو ضروری کام نکل آیا تھا جو اس کا آجانا ضروری ہو گیا، میں آج ہی اس کو تار دلوا دوں گی۔ اور اسی ہفتہ انشاءاللہ نکاح ہو جائے گا۔" فرزانہ بیگم نے کہا: "ہاں بس یہی ٹھیک رہے گا، عذرا بیگم و مسرور احمد بیگ ہم زبان ہو کر بولے۔ مگر ابھی یہ بات ہم تک ہی محدود رہنی چاہئے، ظفر آئیں تب دیکھا جائے گا۔ جمال صاحب بولے۔"

جی ہاں کسی کو ابھی خبر کرنے کی ضرورت نہیں،" فرزانہ بیگم نے کہا۔ اور پھر بھائی سے کہنے لگیں ظہیر کو بھیج کر ابھی تار دلوا دو۔

ظہیر، نگار، رعنا، طلعت سب ہی حیران تھے کہ کل تو ظفر گئے ہی ہیں، آج پھر تار دے کر کیوں بلایا جا رہا ہے۔ مگر فی الحال سب نے یہی سوچا کہ وہ چونکہ جمال صاحب کے معالج ہیں لہٰذا اس سلسلہ میں بلایا ہوگا طلعت البتہ رہ رہ کر الجھ رہی تھی، مگر اس کی سمجھ میں کچھ بھی نہیں رہا تھا۔ فرزانہ بیگم کافی خوش تھیں۔ ابھی انہوں نے نگار سے بھی ذکر نہ کیا تھا مبادا وہ رعنا و طلعت سے نہ کہہ دے۔ انہیں طلعت بہت پسند تھی بے حد پسند اور خدا نے ان کی آرزو پوری کر دی۔

تیسرے دن ظفر پھر بریلی کے اسٹیشن پر تھے۔ ظہیر کو چاروں طرف

دیکھا مگر وہ نظر نہیں آئے، مجبوراً قلی کے ساتھ وہ باہر نکل رہے تھے کہ ظہیر نظر پڑے انہوں نے بڑھ کر جمال صاحب کی خیریت پوچھی اور ظہیر نے اطمینان کی خبر سنائی۔ مگر اب وہ حیران تھے کہ امی نے فوراً کیوں بلایا ظہیر سے پوچھا مگر انہوں نے بھی لاعلمی کا اظہار کیا اور یہ لوگ بذریعہ کار "جمال منزل" کی جانب چل پڑے۔ ظفر خیالات میں غرق تھے۔ مگر انکی سمجھ میں کچھ نہیں آیا۔ کار ایک جھٹکے سے جمال منزل پر جا کر رک گئی۔ اور ظہیر ظفر کا ہاتھ تھامے اندر پہنچے وہ جلدی جلدی جمال صاحب کے کمرے تک پہنچے اور جیسے ہی دروازہ میں قدم رکھا، طلعت سے مڈبھیڑ ہو گئی۔ وہ ظفر سے ٹکراتے ٹکراتے بچی، اور وہ شرما کر نکل چلی گئی، گھبراہٹ میں سلام تک کرنا یاد نہیں رہا، اور ظہیر نے شوخی سے کہا، "ذرا دیکھ کر چلا کیجئے محترمہ ابھی اس سنگ مرمر کے بت سے ٹکرا جاتیں تو کیا ہوتا ظفر مسکرا کر خاموش ہو گئے۔ طلعت نظروں سے اوجھل ہو چکی تھی، ظفر معہ ظہیر کے اندر پہنچے۔ فرزانہ بیگم نے بیٹے کو آتے دیکھا تو توڑ کر گلے سے لگا لیا۔ ظفر نے جمال صاحب کو سلام کیا اور خیریت پوچھنے لگے۔ وہ بہت خوش ہو کر اپنا حال بتاتے رہے، ظہیر نہ جانے کیوں منہ پھیر کر مسکرا رہے تھے، اور پھر وہ ماں سے پوچھنے لگے کہ مجھے کیوں یاد فرمایا گیا ہے امی جان۔

فرزانہ بیگم نے مسکرا کر ظفر سے کہا، تم بہن کے کمرے میں چلو نہا دھو کر انسان بنو مجھے تم سے ایک ضروری مشورہ کرنا ہے۔ ظفر نے مجھے

ابھی ظہیر کے ہمراہ اس کے کمرہ میں آ گئے۔ نگار مسہری پر لیٹی تھی۔ بھائی کو آتا دیکھ کر اٹھ کر بیٹھ گئی اور پھر بے اختیار بھائی کے گلے میں باہیں ڈال کر لپٹ گئی۔ ظفر نے اس کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے پیار سے گلے لگا لیا اور پھر جب یہ بیٹھ گئے تو ظفر کہنے لگے نگار سمجھ میں نہیں آ رہا کہ امی جان نے کیوں بلایا ہے۔

"اجی مجھے تو دال میں کالا نظر آ رہا ہے، ظہیر نے کہا"۔

"بس تم تو چپ ہی رہو، تو بہتر ہے"۔ ظفر نے جل کر جواب دیا۔

"چپ کیوں رہیں بھائی، ہمارے بغیر بھلا تمہاری دال کہاں گلتی ہے"۔ ظہیر نے پھر شرارتاً کہا۔

"اچھا بابا بک بک بند کرو میں نہا لوں تب ذرا سکون ہو، اور ظفر کپڑے لے کر ملحقہ غسل خانے میں چلے گئے۔ نہا دھو کر کپڑے تبدیل کئے اور پھر نگار والی مسہری پر آ کر لیٹ گئے نگار کرسی پر جا بیٹھی وہ کافی تھکے ہوئے معلوم ہوتے تھے، نگار اٹھ کر ظفر کے پاس ہی جا بیٹھی۔ ظفر ماں کو آتے دیکھ کر بیٹھ گئے۔ فرزانہ بیگم نے کرسی پر بیٹھتے ہوئے کہا۔

"ظفر میاں تم حیران تو ہو گے کہ پرسوں تو میں گیا ہی تھا آج کیوں بلایا گیا ہے۔ خیر ابھی یہ عقدہ کھلا جاتا ہے اور پھر انہوں نے تمام روئداد سنا دی۔ نگار خوشی سے پھولی نہیں سما رہی تھی، ظہیر زیر لب مسکرا رہے تھے، اور رعنا بھی اچھل رہی تھی، اور ظفر ــ ظفر کا

تو بس ٹھیک ہی نہیں تھا۔ ان کے چہرے پر تو ایک رنگ آ رہا تھا اور ایک جا رہا تھا، فرزانہ بیگم کی تجربے کار نگاہوں نے بیٹے کے چہرے پر دلی سکون کی جھلک دیکھ لی تھی، اور وہ بھی اب مطمئن تھیں، اور پھر وہ کہنے لگیں، کل جمعہ ہے اور انشاءاللہ کل ہی یہ کام انجام پا جانا چاہیے۔ بھائی کی حالت بھی اب اطمینان بخش نہیں ہے وہ ویسے بھی جلدی کر رہے ہیں، اور مجھے تمہاری سعادت مندی سے امید ہے کہ تم میرا سر نہ جھکنے دو گے۔ مجھے یقین ہے کہ میرے فیصلہ پر تم کو اعتراض نہ ہو گا۔ اور اسی بھروسہ و اعتماد پر میں نے تم سے مشورہ کئے بغیر ہی بات طے کر لی ہے۔

امی بھلا آپ کا حکم میرے سر آنکھوں پر آپ جو بھی سوچیں گی میرے بھلے کی ہی بات ہو گی، میں ہر طرح خوش ہوں اور حاضر بھی ظفر سعادت مندی سے بولے۔

"ہاں مجھے تم سے یہی امید تھی میرے بچے"۔ اور پھر وہ نگار سے کہنے لگیں، ہم یہاں فوراً کچھ بھی نہیں کر سکتے، کم از کم ایک جوڑا تو ہونا ہی چاہیئے، جو نکاح کے وقت پہنایا جا سکے، نگار خوشی کے لہجے میں سرشار بولی؛ آپ فکر نہ کریں امی جان میرا سرخ بنارسی سوٹ سالمو ہے اور بالکل نیا ہے، بس وہی پہنا دیں گے۔ ظفر سر جھکائے سوچ رہے تھے، کیا طلعت سے معلوم کر لیا گیا، کیا وہ اس رشتہ سے خوش ہے، کیا اسے میری رفاقت پسند ہے، کیا یہ سب اس کی

رضامندی سے ہو رہا ہے۔ یا صرف امی کی خواہش اور جمال ماموں کی ہی آرزو ہے۔ اور ابھی وہ اس سے زیادہ نہ سوچ پائے تھے کہ طلعت بدحواس کمرے میں آ گئی۔ جلدی چلئے پھوپی جان، ابا میاں کی طبیعت بگڑ رہی ہے۔ وہ آپ سب کو بلا رہے ہیں، اس کے چہرے پر ہوائیاں اڑ رہی تھیں۔ اور وہ فوراً جمال صاحب کے کمرے کیجانب بھاگی چلی گئی، یہ سب لوگ بھی جلدی جلدی وہاں پہنچے، ظفر نے جھک کر دل کی حالت دیکھی وہ بہت فکرمند نظر آ رہے تھے، اور پھر انہوں نے انجکشن لگا دیا، جس سے قدرے سکون ہوا۔ تو جمال صاحب نے آنکھیں کھول کر اپنے گردوپیش پر نظر ڈالی، طلعت بیقرار سی ان کے پیروں کے پاس بیٹھی تھی، وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے ایک ایک کو تک رہی تھی، جمال صاحب نے رک رک کر فرزانہ بیگم سے کہا، بہن اب مجھے اپنی زندگی کا ایک منٹ کے لئے بھی بھروسہ نہیں میرا دل بیٹھا جا رہا ہے، میری روح گھبرا رہی ہے تمہیں جو کچھ کرنا ہے ابھی اسی وقت کر دو تاکہ مجھے سکون ہو جائے۔ طلعت کا برا حال تھا۔ باپ کی باتیں سن سن کر اس پر خود فراموشی سی طاری تھی۔ اسے کچھ خبر نہیں تھی کہ باپ کیا کہہ رہے ہیں، اور کیا ہونے والا ہے۔ فرزانہ بیگم قریب المرگ بھائی کی استدعا نہ ٹھکرا سکیں، سرور احمد نے ظہیر کو قاضی لانے کے واسطے بھیج دیا، نگار طلعت کو پکڑ کر اپنے کمرے میں لے گئی اسے منہ ہاتھ دھلا کر سر میں کنگھا کرنے لگی مگر طلعت نے منظور نہ کیا وہ باپ سے ایک

منت کے لئے بھی جدا ہونا گوارہ نہیں کر رہی تھی۔ وہ اپنے باپ
کے پیروں کے پاس مسہری پر جا بیٹھی۔ ظہیر معہ قاضی صاحب کے واپس
آ گئے۔ نگار نے سرخ بنارسی دوپٹہ اسے لا کر اوڑھا دیا۔ طلعت حیران و
پریشان تھی کہ یہ سب کیا ہو رہا ہے۔ اسے کچھ ہوش نہ تھا، اور پھر ظہیر
و مسرور احمد کی گواہی میں طلعت و ظفر کو رشتۂ ازدواج میں منسلک کر دیا
گیا۔ اور یہ سب کچھ اتنی عجلت میں ہوا کہ نہ حمیدہ بیگم سمجھ پائیں اور
نہ طلعت ہی، چند منٹ کے لئے ہر فرد پر مسرت کی لہر دوڑ گئی۔ طلعت
نے پھر اپنا دوپٹہ اوڑھ لیا۔ جمال صاحب نے بیٹی کو قریب بٹھا کر اس
کے سر پر اپنا لرزتا ہوا ہاتھ بمشکل پھیرا اور نحیف آواز میں اٹک اٹک
کر کہنے لگے۔

طلعت بیٹی ۔۔۔ جانِ پدر ۔۔۔ خدا کا شکر ہے کہ تم میرے
سامنے دوسرے کی ہو گئیں، اب میں سکون سے مر سکوں گا۔ میں بہت
خوش ہوں، بیٹی فرزانہ بیگم بہن صرف تمہاری ساس ہی نہیں ماں بھی ہیں
اور شفیق پھوپھی بھی، اور تمہاری ہی بناء پر ان سے سترہ[۱۷] سال ترک
تعلق رہا۔ آج تم ہی نے پھر اسے اس ٹوٹے رشتہ کو از سر نو جوڑ لیا ہے۔
خدا تمہیں خوش رکھے، انہیں کبھی شکایت کا موقع نہ دینا، کبھی رنج نہ
دینا، یہ سیف کی چابی ہے۔ اس میں وصیت نامہ ہے اور کچھ زیورات
وہ سب تمہارے ہیں، باقی باتیں وصیت نامے سے پتہ چل جائیں گی،
آہ ۔۔۔ کاش ۔۔۔ آج اس خوشی کے موقع پر

نہ سلیمہ ہی ہیں اور نہ تمہارا عزیز بھائی سلیم۔ خیر خدایا تیرا شکر ہے کہ میں اپنے فرض سے سبکدوش ہو گیا۔ خدا تم دونوں کو سدا خوش رکھے۔
—— ظفر میاں بہت ہونہار ہیں ان کے حکم سے کبھی سرتابی نہ کرنا اور تم انشاءاللہ ان کی رفاقت میں ہمیشہ خوشی پاؤ گی۔

طلعت کی روتے روتے ہچکی بندھ گئی، وہ بہت نڈھال ہو رہی تھی، جمال صاحب نے اس کی بیقراری پر پھولے سانس پر قابو پانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا، اور تم کو خوش ہونا چاہئے کہ ماں کی شکل میں فرشتہ صفت پھوپی اور باپ کی شکل میں نیک مزاج چچا مل گیا ہے۔ جاؤ خدا تمہیں اپنے حفظ و امان میں رکھے، تمہارے باپ تم سے شرمسار جا رہا ہے، کہ تمہارے جائز حقوق ہمیشہ پامال کئے، مگر ایک مجبور محض سمجھ کر معاف کر دینا بیٹی۔

نگار کو اٹھا کر اپنے کمرے میں لے گئیں، تو جمال صاحب نے ظفر کو اشارے سے بلا کر اپنے پاس بٹھا لیا اور رک رک کر بمشکل کہنے لگے۔ ظفر بیٹے میری بات غور سے سن لو، ظفر نے کہا ابھی آپ زیادہ بات نہ کیجئے مگر وہ کہنے لگے۔ مجھے بولنے دو بیٹے۔ پھر یہ لمحات کبھی لوٹ کر نہیں آئیں گے، اب تو ہمیشہ کے لئے خاموش ہی ہونا ہے، آہ ظفر بیٹے —— وہ اٹک اٹک کر کہنے لگے —— خدا تم دونوں کو ہمیشہ خوش و خرم رکھے، یہی میری —— دعا ہے، ہاں

بیٹے میری بچی بہت بھولی و معصوم ہے اور بے حد دکھی بھی۔ خدا کے لئے اسے کسی قسم کا رنج نہ ہونے دینا، ورنہ میری روح کو قرار نہیں ملے گا، اس میں بہت کمزوریاں ہیں خدارا انہیں نظر انداز کرتے رہنا نادانستگی میں سرزد ہوئی گستاخیوں کو بھی معاف کرتے رہنا، وہ بہت نازک اور حساس دل ہے، یہ مخملی کیس میرے سرہانے رکھا ہے، اس میں تمہاری سلامی کی گھڑی اور انگوٹھی ہے، اسے پہن کر مجھے دکھاؤ تاکہ میرا دل خوش ہو، ظفر نے کیس اٹھا کر کھولا، گھڑی بے حد قیمتی تھی اور انگوٹھی بھی دونوں میں سات سات نگ ہیرے کے جگمگا رہے تھے، اور انہوں نے دونوں چیزیں پہن لیں، جمال صاحب بہت خوش ہوئے، خدا تم دونوں کو سدا خوش رکھے، اور پھر انہوں نے آنکھیں بند کر لیں، زردی ان کے چہرے پر پھیلتی جا رہی تھی، نقاہت حد سے تجاوز کر گئی تھی، سب ان کے پلنگ کے گرد حیران سے کھڑے تھے، حمیدہ بیگم پھٹی پھٹی آنکھوں سے شوہر کو تک رہی تھیں، جمال صاحب نے ان کی جانب دیکھا اور پھر چاروں طرف دیکھنے لگے جیسے کسی کو تلاش کر رہے ہوں، سرور احمد نے ظہیر سے کہا، طلعت کو بلاؤ، وہ ابھی تک نڈھال سی ہڈی اپنی مسہری پر روئے جا رہی تھی، نادرہ نگارہ رعنا تینوں اس کی دلجوئی میں مصروف تھیں، مگر طلعت کو قرار نہ تھا، ظہیر کی اطلاع پر سب پھر جمال صاحب کے کمرے میں آ گئیں طلعت سر ڈھانکے بڑی عجوب سی نظر آ رہی تھی۔ وہ باپ کے پلنگ...

بہر ان کی پٹی پر جا بیٹھی اور ان کا سر دونوں ہاتھ اٹھا کر اپنی آنکھوں سے لگا لیا اور بیقرار ہو کر رو پڑی۔ جمال صاحب نے بمشکل آنکھیں کھولیں اور نقاہت سے رک رک کر پھولی سانس پر قابو پانے کی کوشش کر کے کہنے لگے۔ میری بیٹی، تمہارا باپ تم سے رخصت ہوا چاہتا ہے۔ خدا تمہیں سدا خوش رکھے میری بچی۔ کاش سلیم بھی آجاتا مگر اب ....
آہ اب .... انتظار نہیں ہو سکتا ..... اف سلیمہ کی روح بیقرار ہے وہ مجھے بار بار بلا رہی ہے۔ طلعت میری بچی، یہ کبھی نہ بھولنا کہ حمیدہ بیگم تمہاری ماں ہیں انہیں رنج نہ دینا، اور نسیم کا بھی خیال رکھنا ــــ وہ دیکھو تمہاری امی مجھے لینے آئی ہیں، وہ مجھے بلا رہی ہیں۔ خدا حافظ۔ میرے بچو ...... اور پھر انہوں نے آنکھیں بند کر لیں۔ طلعت ساکت بیٹھی ان کی بگڑتی حالت دیکھ رہی تھی، سب حیران و پریشان کھڑے تھے، سرور احمد نے یٰسین شریف شروع کر دی اور گھنٹہ بھر کی کشمکش کے بعد جمال صاحب کی روح اپنی مرحوم بیوی سے ملنے کے لئے بیقراری کے ساتھ قفس عنصری سے پرواز کر گئی۔

انا للہ وانا الیہ راجعون

طلعت بیچیخ مار کر باپ کی بے جان نعش سے چمٹ گئی۔ حمیدہ بیگم ڈھاڑیں مار مار کر رونے لگیں، فرزانہ بیگم ہو کر رو پڑیں الغرض سب ہی گریہ و زاری میں مصروف تھے۔ سرور احمد نے ایک چادر سفید سے سر سے پیر تک انہیں ڈھانپ دیا۔ سب ہی رو رہے تھے،

طلعت بے قرار تھی مگر سونے والا قیامت کی نیند سویا تھا، موت سے شرط باندھ کر اب اسے شور محشر کے علاوہ کوئی بھی اس نیند سے غافل نہیں کر سکتا تھا۔ ظفر، ظہیر، مسرور احمد و نعیم سب رو رہے تھے اور پھر وہ ایک ایک کو سمجھانے لگے مگر کسی کے دل کو قرار نہ تھا، آخر کار گھنٹہ بھر کی آہ و بکا کے بعد فرزانہ بیگم کو ہوش آیا، انہوں نے دیکھا طلعت بھی بے ہوش پڑی ہے۔ حمیدہ بیگم اس سے لپٹی تھرتی رو رہی ہیں، نادرہ نگار، حمیدہ بیگم کو سمجھا رہی تھیں آخر بمشکل تمام وہ علیحدہ ہوئیں۔

طلعت کو ہوش میں لانے کی تدابیر کی جانے لگیں مگر دو گھنٹہ گزر جانے پر بھی اسے ہوش نہ آیا تو ظفر نے گھبرا کر انجکشن لگا دیا، تھوڑی دیر کے بعد اس نے آہستہ آہستہ آنکھیں کھولیں، چند منٹ تک ساکت لیٹی رہی واقعات پر غور کیا اپنے گرد سب کو جمع دیکھ کر اٹھ کر بیٹھ گئی، نادرہ نے کہا ــــ پیاری طلعت اٹھو۔ آنکھیں کھولو، چچا مرحوم تمہارے ان آنسوؤں سے ہرگز خوش نہ ہوں گے، اپنے دل کو ڈھارس بندھاؤ۔ خدا کو یاد کرو، نماز شکر ادا کرو کہ جس کی یہ امانت تھی اس نے بحفاظت لے لی، طلعت نے کھوئی کھوئی نظروں سے چاروں طرف دیکھا وہ بالکل خاموش تھی، پھٹی پھٹی آنکھیں چاروں سمت کچھ تلاش کر رہی تھیں، پھر وہ نگار کے سہارے سے باپ کی مسہری کے قریب آئی جہاں وہ ابدی نیند سو رہے تھے، طلعت نے جھک کر منہ سے چادر اٹھائی اور اس کی آنکھوں سے بے ساختہ آنسو

بہنے لگے، اور پھر بے اختیار اس نے جھک کر اپنے عزیز ترین باپ کی پیشانی کا بوسہ لے لیا جواب قطعی سرد تھی، خدا حافظ ابا جان اس کے لبوں سے نکلا اور پھر اس نے آنسو صاف کر ڈالے وہ آہستہ سے باہر گئی، وضو کیا نماز پڑھی اور قرآن پاک لے کر باپ کے سرہانے بیٹھکر تلاوت کرنے لگی۔ اب اس کے آنسو قطعی خشک تھے اور ظفر اس صورت حال سے پریشان تھے کہ طلعت کا انتہائی ضبط کہیں کوئی دوسری صورت نہ پیدا کردے، اس کا چہرہ بہت زیادہ زرد ہو رہا تھا وہ بار بار نگار سے کہتے تھے، طلعت، کا خیال رکھو نگار مجھے اس سے خطرہ ہے، کہیں دماغ پر کوئی اثر نہ پڑے وہ بہت بری طرح سے خاموش ہو گئی ہے، مگر اسے کچھ ہوش نہ تھا، وہ تلاوت کلام پاک میں مصروف تھی، تمام رات سب وہیں رہے، جمال صاحب کے ملنے والوں کا حلقہ بہت وسیع تھا، رفتہ رفتہ لوگ آنے لگے، جو بھی نئی بیوی آئی طلعت کے سر پر ہاتھ پھیر کر رونے لگی، مگر اس کو تو جیسے سکتہ ہو گیا تھا، بس چپ چاپ پڑھنے میں مصروف رہی، اس نے سر اٹھا کر یہ بھی نہیں دیکھا کہ کون آیا اور کس نے سر پر ہاتھ پھیرا، صبح سحر نمودار ہوئی مگر زندگی کے نہ جانے کتنے چراغ گل ہوجانے کے بعد دس بجتے بجتے جنازہ تیار ہو گیا۔ آخری دیدار کو مردانے میں گئیں، حمیدہ بیگم چیخ مار کر شوہر کی لاش سے لپٹ گئیں۔ سب نے علیحدہ کیا تو پھر انہوں نے چوڑیاں توڑ ڈالیں، اور پیر پکڑ کر بیٹھ گئیں،

طلعت نے باپ کی صورت آخری بار دیکھیں اور وہ بے تاب ہو کر ان کی پیشانی چومنے لگی، آنسو جیسے اس کی آنکھوں سے بالکل خشک ہو چکے ہیں، خدا حافظ میرے پیارے ابا جان اور پھر وہ لڑکھڑاتے ہوئے قدموں سے اپنے کمرے کی جانب چل دی، ظفر نگار سے کہنے لگے کہ طلعت کو رونے پر مجبور کرو، ورنہ اس کا دماغ خراب ہو جائے گا۔ اسکی آنکھوں سے دحشت اور اس کی حرکتوں سے پاگل پن نمایاں ہے۔

جنازہ چلا گیا اور گھر میں کہرام مچ گیا، مگر طلعت باپ کی مسہری پر ساکت لیٹی چھت کو تک رہی تھی، اور تکے چلی جا رہی تھی، نگار، نادرہ درعنا، فرزانہ بیگم سب حیران تھے کہ کیا کریں، طلعت کو آوازیں دیں مگر وہ بولی ہی نہیں بس چپ چاپ چھت کی جانب تک رہی تھی یا دیوار پر آویزاں باپ کے فوٹو کو تکنے لگی تھی، سب سے زیادہ نگار پریشان تھی، اسے رہ رہ کر ظفر کی بات یاد آرہی تھی، اتنے میں حشمت بوا نے نشاط و غزالہ کے آنے کی اطلاع دی، نگار کو قدرے سکون محسوس ہوا، کیوں کہ طلعت نشاط سے بے حد محبت کرتی تھی، وہ جلدی گئی اور نشاط و غزالہ کو لے کر آئی، اور طلعت سے کہنے لگی، طلعت نشاط جی آئی ہیں۔ طلعت نے چونک کر دیکھا اور چیخ مار کر اٹھ بیٹھی، نشاط جانے اس کی حالت دیکھی تو دنگ رہ گئیں، انہیں بھی طلعت سے بہنوں جیسا ہی پیار تھا، وہ اس کے سر پہ ہاتھ پھیرنے لگیں، اور طلعت بے اختیار رونے لگی۔ ہائے باجی میرے ابا جان بھی مجھے چھوڑ گئے۔ اف باجی،

اس گلشن کو میری بدولت آگ لگ گئی، اور پھر تو وہ اس قدر روئی کہ جس کی انتہا نہ رہی، بار بار اسے سمجھایا تھا، مگر رات سے ضبط کئے گئے جو یہ سوتا پھوٹا تو پھر رکنے ہی میں نہیں آتا تھا، نگار نے نشاط کو صورت حال سے آگاہ کر دیا تو وہ خاموش ہو گئیں، کہ طلعت خوب روئے تو بہتر ہے، وہ دیر تک روتی رہی، اب اسے چکر سا آ رہا تھا ایک تو رات سے کچھ کھایا نہیں تھا، اور پھر انتہائی غم، ان دونوں ہی نے مل کر اسے نڈھال سا کر دیا تھا، ظفر جلدی ہی واپس آ گئے، انہیں طلعت کا خیال تھا، بچی کو بیٹھا دیکھ کر اور طلعت کو نڈھال سا روتا پا کر قدرے سکون ہوا، تو انہوں نے اسے نیند کا انجکشن لگا دیا، نشاط نے سب کو کمرے سے باہر جانے کے لئے درخواست کی طلعت پر غنودگی طاری تھی، اسے مسہری پر لٹا کر پنکھا کھول دیا، اور یہ لوگ بھی باہر آ گئیں ـــــ مگر نشاط ان سب لوگوں کو یہاں دیکھ کر حیران ضرور تھی، ـــــ دوسرے دن اس نے نگار سے پوچھ ہی لیا، تو نگار نے تمام تفصیل بتائی اور ظفر کے ساتھ طلعت کی شادی کا سن کر تو وہ بہت ہی خوش ہوئیں، طلعت زیادہ تر اپنے کمرے ہی میں رہتی تھی، حمیدہ بیگم کے میکے والے بھی کافی آئے ہوئے تھے، چالیسویں تک کافی ہنگامہ رہا، اور پھر رفتہ رفتہ لوگ واپس ہونے لگے، ظفر قبل ہی جا چکے تھے اور بہن سے کہہ گئے تھے، کہ طلعت کو ساتھ لے کر آئیں۔ نشاط و عزا بھی دسویں کے بعد چلی،

گئیں تھیں، چالیسواں ہو گیا تھا۔ فرزانہ بیگم، عذرا بیگم نے بھی روانگی کی خواہش ظاہر کی، اب سوال طلعت کا تھا۔ نکاح تو ہو چکا تھا، نگار سر تھی کہ ساتھ لے کر چلیں، اور حمیدہ بیگم تھیں کہ بچی کو ہیں یونہی کیسے چلتا کر دوں، دوسرے وہ عدت میں تھیں، لہٰذا فرزانہ بیگم اور گو مگو کے عالم میں تھیں، آخر کار نادرہ کے مشورہ سے طے پایا کہ طلعت کو ابھی تک تو یہیں رہنے دیا جائے۔ حمیدہ بیگم کی عدت کے بعد باقاعدہ رخصتی ہو جائے گی، نادرہ نے وعدہ کیا کہ وہ ہر طرح کا خیال رکھے گی، اور ہر ہفتہ یہاں کی خیریت سے بھی مطلع کرتی رہے گی، طلعت پر ان لوگوں کے جانے کا بہت اثر تھا، مگر مجبوری تھی اور پھر چالیسویں سے چھٹے روز یہ لوگ بھی لکھنؤ کے لئے سوار ہو گئے، طلعت خاموش تھی، اور نگار اداس مگر موقع ہی ایسا تھا کہ نہ وہ لوگ ہی رک سکتے تھے نہ طلعت ہی جا سکتی تھی، حمیدہ بیگم مطمئن تھیں کہ طلعت ان کے قبضہ میں ہے اور طلعت فکر مند و مضطرب تھی ۔:۔

۔:۔ ۔:۔ ۔:۔

(۱۴)

نگار وغیرہ کے جانے سے طلعت بہت ہی تنہائی محسوس کر رہی تھی گو حمیدہ بیگم بھاوج یعنی صفدر کی والدہ اور بہنیں وغیرہ ابھی مقیم تھیں مگر ان لوگوں سے تو جیسے اسے وحشت ہوتی تھی، دن بھر منہ لپیٹے اپنے کمرے میں پڑی رہتی کبھی، باپ کو یاد کر کے رو پڑتی، کبھی سلیم یاد آ جاتا اور کبھی ظفر کا تصور اس کے ذہن کے پردوں پر چھا جاتا، وہ خود ہی خود باتیں کرنے لگتی، کیا ظفر اس شادی سے خوش ہوں گے، یا صرف ابا جان کی مجبوری پر ترس کھا کر مجھے قبول کر لیا ہے، مگر پھر اسے ان کے باغ کی ایک ملاقات یاد آ گئی، کتنی محبت سے باتیں کر رہے تھے۔ نہیں —— نہیں —— نہیں —— وہ ضرور خوش ہوں گے —— وہ ضرور مجھے پسند کرتے ہوں گے، مگر —— وہ کیا خبر —— میں نے تو کبھی محسوس نہیں کیا کہ ان کو مجھ سے کچھ ہمدردی بھی ہے، لیکن ان کی نگاہیں کبھی کبھی عجیب پیغام دیا کرتی تھیں، شاید وہ محبت کا ہی پیغام ہو مگر۔ مگر کیا

وہ یہ بھول سکیں گے کہ میں کبھی ان کے چچا کے یہاں بحیثیت ملازمہ رہ چکی ہوں
اف، دل انہیں چاہتا بھی ہے، اور اس چاہت سے ڈرتا بھی ہے، آرزوئیں ان کے لئے مچلتی بھی ہیں۔ مگر پھر — پھر اف آخر میں یہ کیا سوچ رہی ہوں، خدا کرے وہ سدا خوش رہیں، اور پھر وہ، نادرہ کی آواز پر چونک پڑی جو نگار کا خط لئے کھڑی تھی، اس نے جلدی سے لفافہ چاک کر ڈالا، اور بیتابی سے نگاہیں صفحہ پر دوڑنے لگیں۔

طلعت پیاری — خلوص بھرا سلام۔

تم سے رخصت ہو کر بخیریت پہنچے خدا کرے تم بھی خوش و خرم ہو، بھائی جان بہت خفا ہوئے مجھ پر کہ تمہیں چھوڑ کر کیوں آئی مگر پھر امی نے انہیں سمجھا دیا، کہ نہ وہ ابھی آسکتی ہے، اور نہ میں رک سکتی تھی، طلعت پیاری طلعت۔ تم ہر دم یاد آتی ہو، تمہارا اداس چہرہ ہر وقت نظروں میں گھومتا ہے، امی تمام دن تمہارا ہی ذکر کر کر کے خوش ہوتی رہتی ہیں، ان کو ایسی چاند سی بہو جو مل گئی ہے — تم خدارا اداس نہ ہونا ورنہ بھائی جان مجھ سے روٹھ جائیں گے، رعنا بھی ہر دم تمہارا ذکر کرتی ہے، اور شہیانہ تو ابھی سے یہ رٹ لگاتی رہتی ہے: امی بھابی جان کب آئیں گی؟ ارے تم شرما کیوں گئیں — امی کی جانب سے پیار پیار ہی پیار — رعنا سلام کہہ رہی ہے — اور میرے پیارے بھتیا کی طرف سے بھی ہزاروں پیار — تمہاری نگار —

طلعت نے یہ خط پڑھا، اور شرما کر مسکراتی رہی۔ نادرہ اس کے

چہرے کے اتار چڑھاؤ کو دیکھ رہی تھی اس کے مسکرانے پر پوچھنے لگی۔ کیا خبر ہے جو تم اتنی خوش نظر آ رہی ہو، اور طلعت نے یہ کہہ کر کہ تم ہی میری سب کچھ ہو نادرہ تم سے کیا چھپانا نگار کا خط دے دیا، وہ بھی پڑھ کر مسکرانے لگی، اللہ ری بے تابی ــــ اب میں بھی لکھ دوں گی کہ دونوں طرف ہے آگ برابر لگی ہوئی ــ ہماری بنو بھی دن بھر صاحب بہادر کی یاد میں منہ لپیٹے پڑی رہتی ہیں، طلعت مسکرانے لگی، اور پھر نگار کو فوراً جواب لکھنے بیٹھ گئی ــــ نادرہ اٹھ کر اپنے گھر چلی گئی۔

آج کل صفدر صاحب بھی آئے ہوئے تھے، اور ان کی آمد سے طلعت کافی پریشان سی تھی، کہ اب دیکھو کیا گل کھلتا ہے، مگر حمیدہ بیگم ابھی کافی سہمی ہوئی سی تھیں، ایک دن موقع نکال کر صفدر نے پھوپھی سے بہت سی باتیں کیں ــــ صفدر کو طلعت کے نکاح کا پتہ چلا، تو بہت جز بز ہوا، اور پھوپھی سے کہنے لگا وہ ایک زمانے سے مجھ سے منسوب تھی، پھر یہ نکاح کیوں ہوا، پھوپھی نے بہت سمجھایا کہ اب جو ہونا تھا ہو چکا، مگر صفدر کی رگ شیطان کہاں سکون سے بیٹھنے دیتی تھی، وہ جھلا کر کہنے لگا، میں اس ظفر کے بچے کو بھی وہیں پہنچا دونگا جہاں نکاح کرنے والے گئے، طلعت کی شادی میرے علاوہ کسی سے نہیں ہو سکتی، حمیدہ بیگم نے بہت کہا، اب اسے بھول جاؤ اس کی پشت پناہی بہت سے لوگ کر رہے ہیں گے۔ مگر وہ نہ مانا، اور یہ کہہ کر چلا گیا کہ تم بس خاموش بیٹھی تماشا دیکھنا کہ وہ اس کی ماں نے بھی بیٹے کی ہاں میں ہاں

ملائی، وہ اس سونے کی چڑیا کو کیوں چھوڑنے لگی تھیں۔ حمیدہ بیگم چپ تو ہو گئیں، مگر اب وہ عجیب مخمصہ میں پھنس چکی تھیں، کچھ بھی تھا، مگر مذہب کی تو پابند تھیں، طلعت کا نکاح ہو چکا تھا، مگر بھتیجہ کے آگے ایک نہ چلی اور چپ ہو رہیں مگر فکرمند کافی تھیں۔

صفدر نے دو تین دن سوچ بچار کے بعد کچھ فیصلہ کر ہی لیا۔ وہ تو انتقام کی آگ میں اندھا ہو رہا تھا، پہلے تو اسے خیال آیا کہ ظفر کا کام تمام کرا دے مگر پھر ابھی اس نے سوچا کہ اور تدبیریں کام میں لا کر دیکھوں ورنہ بغیر ظفر کو راہ سے ہٹائے کام نہیں بن سکتا تھا، اب وہ ضرور ٹیپ ٹاپ سے رہنے لگا تھا، طلعت سے بھی بات کرنے کے مواقع فراہم کرتا مگر وہ منہ ہی نہیں لگاتی تھی، اور پھر اس نے طلعت کی ڈاک غائب کرنی شروع کر دی، ادھر طلعت حیران تھی کہ اس کے خط کا جواب کیوں نہیں آتا، ادھر نگار و ظفر حیران مگر کوئی بات سمجھ میں نہیں آ رہی تھی۔ آخر تھک کر طلعت نے نادرہ کے ذریعہ خط ڈلوایا مگر چونکہ ڈاکخانہ میں اس کا ایک دوست ملازم تھا، لہٰذا وہ خط بھی صفدر کو مل گیا، طلعت حیران تھی کہ کیا کرے اور اسے پھر یہی خیال آ گیا کہ بس شاید اب یہ لوگ بھولنے لگے ہیں مگر پھر یقین نہیں آتا تھا۔

ایک دن وہ یونہی بیٹھی اکتا سی رہی تھی کسی کام میں دل نہیں لگ رہا تھا کہ گلشن نے اس کے نام ایک نیلا لفافہ لا کر دیا۔ تحریر دیکھ کر

وہ اچھل پڑی، ظفر کا خط — اور کتنے انتظار اور کتنی مدت کے
بعد خط ملا تو اس کے محبوب شوہر ظفر کا — مگر پھر فوراً اس تصور
نے اسے شرما دیا۔ کوئی اور دیکھ لیتا یہ خط تو کیا سوچتا۔ کتنے
بے صبرے ہیں — اور پھر اس نے جلدی سے لفافہ چاک کر کے پڑھنا
شروع کیا۔ نگاہیں کہتی تھیں کہ ایکدم خط پڑھ ڈالنے کو بیتاب
ہیں۔ مگر پھر رفتہ رفتہ اس نے سارا خط پڑھ ڈالا — اور اب
جیسے اسے سکتہ سا ہو گیا ہو۔ ہاتھ پیر سرد ہو گئے تمام جسم پسینے سے
شرابور ہو کر تھر تھر کانپنے لگا۔ چہرہ غم و غصہ کی آماجگاہ بنا ہوا تھا
زردی پھیلتی جا رہی تھی۔ گلشن نے محسوس کیا طلعت بیہوش ہو کر گرنے
والی ہے، تو اس نے جلدی سے تھام لیا۔ مگر وہ بے ہوش ہو چکی
تھی۔ گلشن نے بمشکل اسے سیدھا کر کے مسہری پر ڈالا اور دوڑ کر
حمیدہ بیگم کو بلا لائی۔ وہ گھبرائی ہوئی مع بھاوج اور بہن کے طلعت
کے کمرے میں آ گئیں۔ طلعت بے سدھ پڑی تھی۔ چہرے کی زردی لمحہ بہ
لمحہ بڑھتی جا رہی تھی۔ خط اس کے پہلو میں پڑا اس کی سیاہ بختی پر ماتم کناں
تھا۔ حمیدہ بیگم پریشان ہو گئیں۔ اسے ہوش میں لانے کی تدابیر کرنے
لگیں۔ شمہ نے اس کے پہلو میں پڑا ہوا خط اٹھا لیا اور پڑھ کر کہنے لگی۔
باجی ستم ہو گیا یہ تو ظفر کا خط ہے جس میں اس نے طلعت کو طلاق
دیدینے کی اطلاع دی ہے۔ حمیدہ بیگم یہ سنکر سناٹے میں آ گئیں
وہ بے ساختہ چلّا پڑیں۔ "کیا کہہ رہی ہو شمہ" شمہ بولی — "سچ

کہتی ہوں باجی۔ اور پھر وہ خط پڑھنے لگی۔

محترمہ طلعت صاحبہ!

آپ حیران ہوں گی کہ یہ خط کیسا۔ مگر آپ کو لکھنا ضروری تھا چونکہ ایک ضروری اطلاع پہنچانی تھی۔ جانتا ہوں حقیقت معلوم ہوکر آپکو صدمہ ہوگا مگر بغیر اس کے چارہ کار بھی نہیں۔ جمال ماموں کے بوقتِ مرگ اچانک جو ہمارا رشتہ ہوگیا تھا یہ بالکل مجبوری کی حالت میں ہوا میں اس باعث خاموش ہوگیا کہ آخری وقت انہیں صدمہ نہ ہو وہ کافی نڈھال تھے ہاں انگلینڈ سے واپس آنے سے چند ماہ قبل فلورا سے شادی ہوگئی تھی۔ امّی سے ابھی تک یہ بات پوشیدہ ہے۔ بلکہ کسی کو بھی نہیں معلوم۔ مگر چونکہ وہ زیادہ حقدار ہے۔ لہٰذا میں آجکل میں امّی کو منا کر فلورا کو کوٹھی لے آؤں گا۔ اس کے بغیر دل بھی اداس ہے لہٰذا میں آپ کو طلاق دے رہا ہوں امید ہے آپ زیادہ رنجیدہ نہ ہوں گی مجبوری جو ہے۔ میری خواہش ہے کہ بجائے میرے کسی اور کو زندگی کا ساتھی چن کر ہنسی خوشی زندگی گزار دیں یہی عقلمندی ہے۔ آپ سے شرمندہ ہوں۔ مجبور محض جان کر معاف کر دیجئے۔ " ظفر "

حمیدہ بیگم خط سنکر سناٹے میں آگئیں۔ ان کے وہم وگمان میں بھی نہیں تھا کہ صفدر اتنی گہری چال چلے گا۔ وہ ایسا جال بچھائے گا کہ پھنسنے والے پھنس کر ہی رہ جائیں گے۔ مگر ان کی بھاوج نے معنی خیز انداز

میں سر ہلایا جیسے انہیں واقعی سب کچھ پتہ تھا۔ اور یہ سب ان ہی کے مشورے اور اشارے پر ہوا تھا۔ گلشن کی اطلاع پر نادرہ بھی آگئیں خط پڑھ کر وہ بھی سر تھام کر بیٹھ گئیں۔ یا اللہ اتنا بڑا دھوکہ، اتنی بڑی ذلالت۔ پھر ضرورت ہی کیا تھی ایک بھولی بھالی معصوم زندگی کو تباہ و برباد کرنے کی۔ کس نے حق دیا تھا انہیں بے کسی کی آرزوئیں پامال کرنے کا۔ نادرہ نے دیکھا اس کی عزیز ترین سہیلی کی حالت بڑی نازک ہے زردی بڑھتی چلی جا رہی ہے۔ پیشانی پر پسینہ کے ننھے ننھے قطرے چمک رہے ہیں۔ اس نے اور شمہ وغیرہ نے اسے ہوش میں لانے کی تدابیر کیں۔ اور دو گھنٹہ کی جدوجہد کے بعد آخر کار اس حرماں نصیب نے آنکھیں کھولیں اور کھوئی کھوئی نظروں سے چاروں طرف دیکھنے لگی ۔۔۔ کچھ سوچنے لگی جیسے کسی واقعہ کو یاد کر رہی ہو۔ نادرہ نے جھک کر پوچھا پیاری طلعت کیسی طبیعت ہے، اور طلعت اپنی سب سے بڑی ہمدرد کو پا کر ایکدم چیخ مار کر اس سے لپٹ گئی۔ "نادرہ میری بہن تمہاری طلعت کی آرزوؤں کا چمن لٹ گیا۔ آہ وہ بڑی بد نصیب ہے۔ ماں باپ کی طرح قسمت کی ہر خوشی مجھ سے جدا ہو گئی ہے نادرہ خدا کے لئے اس مکار دنیا سے مجھے لے چلو جہاں سکون ہو امن ہو چین ہو۔ میرا دل پھٹ جائے گا میری نادرہ" ۔۔۔ اور پھر وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔ حمیدہ بیگم بھی رونے لگیں۔ اسے تسلی دیتی رہیں۔ مگر اس کے دل کو قرار کہاں تھا۔ اس کی تمناؤں کے گلستان آگ جو

لگ چکی تھی۔ اور اس صدمے نے طلعت کو بُری طرح بیمار ڈال دیا۔ نادرہ آنٹی کی علالت کے باعث اپنا گھر بار اور بچہ تک فراموش کر بیٹھی۔ دن رات طلعت کی تیمار داری میں مصروف رہتی۔

طلعت کی عجیب حالت تھی، چپ چاپ رہتی اور پھر خود ہی خود بیہوش ہوتی تو پہروں تک ہوش نہ آتا، وہ کافی کمزور ہو چکی تھی، آخر ڈاکٹر کے مشورے پر اسے ان کے پرائیویٹ اسپتال میں داخل کرا دیا۔ ایک نرس دن بھر اس کی دیکھ بھال کرتی۔ نادرہ بھی زیادہ سے زیادہ وقت اس کے پاس اسپتال رہ کر گذارتی تھی۔ صفدر صاحب نے اپنا تیر نشانہ پر بیٹھے دیکھا تو بہت خوش ہوا۔ وہ بھی ہر دم طلعت کے قریب رہنے کی کوشش کرتا، بہت تندہی سے اس کی تیمارداری میں مصروف رہتا تھا۔ وہ اپنی کامیابی پر پھولا نہ سماتا تھا۔ وہ اکثر اس حادثے کا اظہار کیا کرتا تھا۔ اور طلعت کو یہ باور کرا دینا چاہتا تھا کہ ظفر واقعی بہت نامعقول اور ذلیل انسان ہے، وہ اس قابل نہیں کہ تم جیسی لڑکی کے شوہر بن سکیں۔ یہ سن کر طلعت منھ سکوڑ کر رہ جاتی، دل مسوس کر خاموش ہو جاتی۔ اس کے پاس آہ اور آنسوؤں کے سوا رکھا ہی کیا تھا۔ ظفر نے حرکت ہی ایسی کی تھی وہ اس کی حمایت میں زبان کھول ہی نہیں سکتی تھی، مگر صفدر سے اسے آج بھی اسی طرح نفرت تھی۔ قلبی نفرت۔ مگر وہ ہر طرح اس کو اپنانے پر تلا ہوا تھا۔ نرس بھی پرائیویٹ طور پر اس کی دیکھ بھال کیا کرتی تھی۔

طلعت صفدر کو قریب آنے کا بہت کم موقع دیتی تھی۔ اس سے صفدر کی جہالت بھری باتیں اور

فحش مذاق برداشت نہیں ہوتا تھا۔ حالانکہ وہ اب بہت کچھ لئے دیئے رہتا تھا۔ مگر بازاری پن اکثر جھلک ہی پڑتا تھا۔

طلعت، ابھی تک بھی یقین کرنے کو تیار نہیں تھی کہ اسے طلاق مل چکی ہے، ظفر کو وہ ایک دیوتا جان کر پوجتی رہتی تھی، اور آج اسی دیوتا نے اپنی پجارن کے ایک ایسی زبردست ٹھوکر لگائی تھی کہ اب اس سے سنبھلا نہیں جا رہا تھا، وہ اکثر خیالوں میں غرق رہتی وہ اکثر سوچا کرتی۔ کیا واقعی ظفر مجھ سے نفرت کرتے تھے، اور انھوں نے ابا جان کی حالت پر ترس کھا کر یہ قدم اٹھالیا تھا۔ کیا وہ فرزانہ پھوپھی کے مجبور کرنے سے تیار ہو گئے تھے، بیشک انھیں مجھ سے نفرت ہے۔ شدید نفرت ورنہ ایسا خوفناک قدم نہ اٹھاتے، اور یہ اچھا ہی ہوا خواہ مخواہ میری بدولت میری ایک بہن کی زندگی تباہ و برباد ہوتی، میرے باعث میری ایک بہن کی ارمان بھری زندگی کچل جاتی جو سات سمندر پار سے اپنا سب کچھ قربان کر کے آئی ہے، میرا کیا قصور ہے۔ میں تو ازل کی بد قسمت ہوں، اور رو دھو کر یہ زندگی بسر کرلوں گی۔ مگر اصل حقدار کا حق میں کس طرح مار سکتی ہوں، ظفر..... تم قابل مبارک باد ہو، تمہارا وقار میرے دل میں کچھ اور زیادہ ہی بڑھ گیا ہے، تم نے بہت اچھا کیا، مجھے دھوکہ میں نہیں رکھا۔ اور فلورا کے حق میں وہی فیصلہ کیا جس کی وہ مستحق ہے، مجھے

تم سے کوئی گلہ نہیں ہے، کوئی شکوہ نہیں البتہ اپنی قسمت سے
ضرور شکایت ہے کہ میری زندگی کی کشتی ساحل کے قریب
پہنچ کر پھر بھنور میں پھنس گئی، منزل پر پہنچکر پھر طوفان کی
لپیٹ میں آ گئی.......   آہ میرے خدا، یہ پہاڑ سی زندگی اور
پھر یہ ہولناک تنہائی، کیونکر بسر کروں گی، تنِ تنہا، اور پھر اس
کے دل کے کسی گوشے سے مدھم سی سرگوشی ابھرتی...... نہیں
ظفر ایسے نہیں ہو سکتے..... میں نے ان کی آنکھوں میں اپنے
واسطے پیار کی جھلک دیکھی ہے.... ضرور یہ کسی دشمن کی حرکت
ہے.... صفدر.......   کیا یہ صفدر کی ہو سکتی ہے.....
یہ حرکت..... نہیں.....   شاید ان کا کوئی دشمن ہو مگر.....
ان کا تو کوئی دشمن بھی نہیں........   تو کیا صفدر ہی کی چال
ہے یہ.... مگر آہ...... اپنی ان آنکھوں کو کیونکر جھٹلا دوں......
جنھوں نے اپنی قسمت پر ثبت ہوئی سیاہ مہر کو دیکھا ہے، اس
تحریر کو کس طرح بھلا دوں جس میں میری سیاہ بختی کی تمام تاریکیاں
اجاگر ہیں۔ نہیں..... نہیں.....   ظفر نے واقعی طلاق دے دی ہے۔
سچ مچ، انھیں یہ رشتہ پسند نہ تھا، اور پھوپھی فرزانہ و ابا میاں کی
خواہش سے مجبور ہو کر اس وقت یہ طوق گلے میں ڈال لیا، مگر اتار پھینکا ــ
کیا ــ میری زندگی کی ہر روش پامال کر کے...... اُف کیا پا لیا تم
نے ظفر میری آرزوؤں اور تمناؤں کو مسمار کر کے خدا تمہیں خوش

رکھے، جہاں بھی رہو شاد و آباد رہو یہی میری التجا ہے..... اُف اب تو نگار کو بھی خط لکھنا بار ہے.... تین ماہ ہو گئے کہ خیریت تک سے ترس گئی..... مگر اب کیا ضرورت ہے مجھے ان کی خیریت..... انھیں میری خیریت کی.... اف خُدایا.... میں کہاں جاؤں.... کیا کروں اور کس طرح یہ وقت گذاروں میرے معبود.... ظفر تمہیں خدا خوش رکھے کہ مجھ ناشاد کو اور بھی ناشاد کر دیا...... مجھ برباد کو اور بھی برباد کر دیا۔ آہ مجھ بدنصیب کو اور بدنصیب کر کے تمہیں کیا مل گیا، مجھ پامال آرزو کو پامال کر کے تم نے کیا پا لیا۔ اف بھائی جان کا پتہ نہیں، امی جان و ابا جان داغ مفارقت دے چکے، صفدر اور ان کی اماں پھوپھی بیگم نے گھر میں رہنا مشکل کر دیا ہے..... اور نہ کوئی ہمدرد نہ غم گسار غریب نادرہ کہاں تک میرے غم میں گھلے.... بس..... اب نشاط باجی کا سہارا نظر آتا ہے مگر۔ بدقسمتی میں ان کے پاس نہیں رہ سکتی وہاں بار بار ظفر سے سامنے کا امکان ہے تو پھر کہاں جاؤں۔ کیا کروں کس طرح جیوں، وہ بے اختیار خدا کے حضور متوجہ ہو گئی، میرے رب اب تو ہی میرا مددگار ہے تو ہی میرا سہارا ہے، مجھے ثابت قدم رکھ کر اپنے حبیب پاک کے صدقے میں مجھے صبر و ضبط کی توفیق عطا فرما۔ مجھے ہمت و استقلال بخش دے۔ وہ بہت پریشان تھی اور بے حد اداس بھی.... کتنی ہی دیر تک آنکھیں بند کئے کچھ سوچتی رہتی، پھر

جیسے اس نے کوئی فیصلہ کرلیا ہو، ہاں بس یہی ٹھیک رہے گا، کیونکہ بس ڈاکٹری میں داخلہ لے لوں، اپنی تعلیم مکمل کر لوں، پھر بقیہ زندگی خدمت میں گذار دوں، وہ اپنے آپ سے کہنے لگی، بس یہی ٹھیک ہے۔ روپیہ کی کمی نہیں ہے، پھر کیوں نہ فائدہ اٹھاؤں اس طرح ذہنی کلفت سے تو نجات ملے گی، پھر باقی ماندہ زندگی اسی نیک مقصد میں گذار دوں گی، شاید خدا اسی طرح میرے گناہوں کا کفارہ ادا کروا دے،

لیکن رہ رہ کر دل میں ہوک اٹھتی ہے۔ دماغ میں خیالات کا ہجوم ہے، اف ان آرزوؤں اور تمناؤں کا کیا کروں جو دل میں ہلچل مچائے ہوئے ہیں، اس طوفان کا کیا کروں جو اُبل پڑنے کو بیتاب ہے۔ اس سیلاب کو کیونکر روکوں جو بہنے کے لئے تیار ہے، اس دل کو کیا کروں کہ نفرت کرنے پر بھی اس ہستی کی یاد میں بے قرار ہے جو بھولنے پر بھی بھلائی نہیں جا رہی۔ جو اس کے ہر تصور کو مٹانے پر بھی نہیں مٹا پاتی۔ کاش آج اباجان زندہ ہوتے تو دیکھتے کہ ان کی معصوم طلعت کے ساتھ اس ظالم دنیا نے کیسا بھیانک ناٹک کھیلا ہے۔ اف کتنے معصوم اور بھولے بھالے تھے میرے اباجان کہ ہمیشہ فریب ہی کھاتے رہے، اور دم آخر بھی اس مکار دنیا نے انہیں دھوکا دیا، آہ ان کی روح میرے لئے کیسی تڑپتی ہوگی، خدایا یہ بھولی شکل والے کتنے جلاد ہوتے ہیں، ظفر بھی شکل سے کتنے بھولے، کتنے معصوم نظر آتے

ہیں۔ ان کی باتیں کتنی پاکیزہ اور دل موہ لینے والی ہوتی ہیں۔ ان کی نگاہیں کس قدر مقدس جذبوں سے معمور نظر آتی ہیں۔ ان کی آواز کتنی شیریں اور پرکشش لگتی ہے۔ ان کی شخصیت کیسی جاذب نظر اور پُر وقار محسوس ہوتی ہے، ان کے خیالات کتنے بلند اور اچھوتے لگتے ہیں، مگر اب آہ اب تو سب کچھ فنا ہو گیا، اف جس ہستی کو میں نے دل و جان سے چاہا تھا، اس کا لباس منظر کتنا گندہ ہے۔ کاش یہ سب کچھ مجھے پہلے ہی معلوم ہو جاتا تو اس بے وفا کی یاد اتنا تو نہ تڑپاتی۔ اس بے مہر کو دل کی گہرائیوں میں تو نہ بساتی، مگر بس خدا کو کچھ یوں ہی منظور تھا۔

نادرہ غریب حیران تھی کہ وہ کیا کرے، اور اس پگلی کو کس طرح سمجھائے بے چاری نے بے حد کوشش کی۔ ضیاء کو بھیجے تمام حالات معلوم ہو جائیں گے مگر ہر بار طلعت نے اپنے قسم کھلا کر مجبور کر دیا، طلعت، کہتی تھی کہ بس رہنے دو، میں نے صبر کر لیا، تم بھی صبر کرو، میں اب قطعی وہاں کوئی تعلق رکھنا نہیں چاہتی جو ہونا تھا ہو چکا۔

انھیں سب تفکرات میں ایک ماہ کا عرصہ بیت گیا۔ اسپتال میں رہتے رہتے طلعت کا دل بھی گھبرا گیا تھا، اور اب صحت بھی بہتر تھی، لہٰذا نادرہ اور حمیدہ بیگم گھر لے آئیں، صفدر کی والدہ محترمہ بدستور مسلط تھی، حمیدہ بیگم سخت پریشان تھیں کہ کیا، اپنی بھاوج

کو کیونکر ٹالیں، جواب دن رات ان کی جان کھاتی تھی کہ اب تو وہ آزاد ہے اور تمہارے قبضہ میں ہے پھر تاخیر کیوں، مگر وہ ۔ طلعت کے ساتھ کئے ہوئے پہلے سلوک پر کافی شرمندہ اور نادم نظر آنے لگیں تھیں۔ طلعت کا نکاح اور پھر طلاق سب کچھ ایسی عجلت میں ہوا کہ ان کے کچھ پلے ہی نہیں پڑ رہا تھا، طلعت کی بیکسی کا اب انہیں رہ رہ کر خیال آتا تھا، اور دل سے چاہتی تھیں کہ کسی طرح گذشتہ سلوک کا طلعت کے ساتھ ازالہ کر سکوں' بھاوج کی بار بار باتوں سے دل الجھتا تھا' ان کا بار بار یہی تقاضہ تھا کہ جلد از جلد نکاح کر دیا جائے' وہ اس سونے کی چڑیا کو کسی قیمت پر کھونے کو تیار نہیں تھیں۔ حمیدہ بیگم کہتی تھیں کہ خدا کے غضب سے ڈرو بھابی ابھی عدت تو پوری ہولے۔ مگر ان کی بھاوج ان بکھیڑوں میں پڑنے کو تیار نہیں تھی۔ انہیں ڈر تھا کہ کہیں ان کا بچھایا ہوا جال ٹوٹ نہ جائے۔ وہ کہتی تھیں۔ اے حمیدہ عدت ودت کیا ر خصتی ہو جاتی تو ٹھیک تھا اب تو بس نکاح جلد از جلد کر دینا ہی بہتر ہے' مگر حمیدہ بیگم اب کیسر بدل چکی تھیں' اب وہ طلعت کا بے حد خیال رکھتی تھیں۔ گو صفدر ان کا اپنا سگا بھتیجہ تھا' اور خود ان کی دیرینہ آرزو بھی یہی تھی' مگر اب وہ زمانہ بدل چکا تھا' وہ بہت زیادہ بدل گئی تھیں' اور کسی صورت بھی طلعت کا دل دکھانا نہیں چاہتی تھیں۔

تمام روپیہ پیسہ اور جائداد کے کاغذات سب طلعت کے

پاس تھے ۔ مگر اپنی بیماری اور پریشانیوں میں ابھی تک اسے سیف کھولنے کی نوبت نہیں آئی تھی، نہ باپ کا وصیت نامہ دیکھا تھا، حالات ہی کچھ اس قسم کے رہے اسے اپنا ہوش بھی نہ رہا، گو اب وہ صحت مند تھی مگر پریشانیوں نے بے حد نڈھال کر دیا تھا، نازرہ ہر دم اس کا دل بہلایا کرتی، مگر تاہم جب بھی تنہائی ملتی طلعت خیالوں میں اپنے سے باتیں کرنے لگتی، اور اپنے مستقبل کے بارے میں سوچنے لگتی، جلد از جلد کچھ فیصلہ کرنا ضروری تھا، کیونکہ صفدر کی والدہ کے تیور وہ بھی دیکھ رہی تھی اور ماں کے ساتھ کی جانے والی باتیں بھی کچھ نہ کچھ کانوں تک پہنچ ہی گئی تھیں، لہذا اسپتال سے آنے کے ایک ہفتہ بھر بعد اس نے سیف کھولی. کافی زیورات اور پانچ ہزار روپیہ نقد معہ وصیت نامہ کے تھا، باپ کے آخری تحریر دیکھ کر اسے بڑا دکھ ہوا، اور بے اختیار آنکھوں میں آنسو بھر آئے وہ لفافہ لے کر اور سیف بند کر کے اپنے کمرے میں آگئی، اطمینان سے مسہری پر بیٹھ کر پڑھنے لگی.

جان پدر — !

خدا تم کو شاد و آباد رکھے.

جب سے تم آگئی ہو، میرے ویرانے گھر میں بہار آگئی ہے، میری بیٹی تم نے اپنے باپ کے ہاتھوں کیا کیا دکھ نہ اٹھائے، ان سب کا احساس مجھے تمہارے جانے کے بعد ہوا، کاش میں دوسری

شادی نہ کرنا اور میری معصوم بچی کو سوتیلی ماں کے مظالم سے نجات ملتی، میری پیاری بیٹی، تمہارا باپ بہت گناہگار ہے امید ہے کہ تم اس کے گناہوں کو بخش دوگی، تمہاری ماں اور فرزانہ بیگم ماموں زاد بہن تھیں اور بعد عزیز ترین سہیلیاں بھی، تمہاری ماں کی وفات پر فرزانہ بیگم نے تمہیں اپنے ہمراہ لے جانا چاہا تھا، کیونکہ وہ پیدائش کے وقت ہی تمہیں اپنے بیٹے ظفر کے لئے مانگ چکی تھیں... مگر ہم نے انھیں نہیں دیا، اور اسی بات پر وہ ناراض ہوگئیں، پھر میری دوسری شادی کی خبر سن کر تو وہ مجھے بالکل ہی بھول گئیں، بہرحال میں خوش ہوں یہ سن کر تم اتنے عرصہ کسی غیر کے گھر نہیں اپنی عزیز ترین پھوپھی کے گھر رہی ہو۔ بیٹی مجھ سے زیادہ بیٹھا نہیں جا رہا۔ بہرحال خدا مجھے توفیق دے کہ ان کی امانت اپنی زندگی میں ان کے سپرد کرسکوں۔۔۔ آمین۔

بینک میں ایک لاکھ روپیہ ہے جو مساوی تم چار پر تقسیم کرتا ہوں جس میں تم، تمہارا بھائی سلیم اور دوسرا بھائی نعیم اور تمہاری ماں شریک ہیں یہ مکان تمہاری ماں اور نعیم کے نام ہے۔ دوسری دو کوٹھیاں ایک، تمہاری ماں اور ایک سلیم کی۔ آہ کاش میں اپنے عزیز بیٹے کو دیکھ سکتا، خدا جانے وہ کہاں ہو بہرحال وہ جب بھی آئے یہ اس کی امانت تمہارے پاس رہیگی۔

باقی زیورات اور نقدیہ پانچ ہزار ہے تمہارا ہے جو تمہاری شادی کے نام جمع کیا گیا تھا، اور میری چھوٹی آبنوسی صندوقچی میں ایک اور تحفہ ہے جو تمہاری ماں کی طرف سے تمہارے شوہر کیلئے ہے وہ بھی تمہارے سپرد کرتا ہوں۔ اپنی ماں کا خیال رکھنا گو اس نے تم پر ہر وہ ستم توڑا ہے جو اس سے توڑا جا سکا پھر بھی وہ تمہاری ماں ہے، میری بچی تم خود سمجھدار ہو، اب رخصت ہوتا ہوں... اور تم سب کو خدا کے سپرد کرتا ہوں۔

قریب المرگ تمہارا باپ جمال الدین

طلعت روتی جاتی تھی اور ایک ایک سطر کو پڑھتی جاتی تھی آخر اس کی روتے روتے ہچکی بندھ گئی۔ اسی کیفیت میں کافی دیر گزر گئی آخر اس نے اٹھ کر پانی پیا دل کو ذرا تسکین محسوس ہوئی اور پھر ایک بار وصیت نامہ پڑھ کر اس نے فیصلہ کر لیا کہ تقسیم ابا جان کی خواہش کے مطابق جلد از جلد کی جائے گی تاکہ ادھر سے یکسوئی ہو تو جلد از جلد ڈاکٹری میں داخلہ لے لیا جائے پھر تعلیم ختم کرنے پر اپنے حصّہ کے روپیہ سے ایک اسپتال قائم کر کے خدمت خلق میں دل و جان سے لگ جائے تاکہ دل کی اس خلش سے نجات ملے وہ اسی سوچ میں غرق تھی کہ اچانک حمیدہ بیگم اس کمرے میں آگئیں، طلعت کی سوجی آنکھیں اور اداس چہرہ دیکھ کر انہیں بڑا قلق ہوا اور بے حد محبت سے پوچھنے لگیں کہ کیا بات ہے تم اتنی اداس کیوں ہو۔ کاغذات کیسے ہیں۔ کیا ظفر نے پھر کوئی خط وغیرہ بھیجا ہے۔

طلعت نے نفی میں گردن ہلاتے ہوئے کہا کہ آپ بیٹھے میں خود آپ کے پاس آنے والی تھی، مجھے آپ سے بہت ضروری باتیں عرض کرنی ہیں۔ حمیدہ بیگم کچھ شاکی سی کرسی پر بیٹھ گئیں اور طلعت کی جانب استفہامیہ نظروں سے دیکھنے لگیں۔

طلعت نے کہا "یہ ابا جان کا وصیت نامہ ہے جو آج ہی میں نے سیف سے نکالا ہے۔ ان کی ہدایت کے مطابق ہم چار ان کی جائداد روپیہ پیسہ کے حقدار ہیں۔

چار کون۔" حمیدہ بیگم نے قدرے تعجب سے پوچھا۔

میں سلیم بھائی، نعیم اور آپ" طلعت بولی۔

مجھے بھی انھوں نے حصہ دیا ہے۔ حمیدہ بیگم نے آبدیدہ ہو کر پوچھا۔

"جی ہاں۔ کیا آپ ان کی بیوی نہیں ہیں۔ شرع کی رو سے انھوں نے ہر حقدار کو دے دیا۔ ہر فریق ۲۵ ہزار کا حقدار ہے، یہ مکان آپ کے اور نعیم کے نام ہے باقی دو کوٹھیاں میرے اور بھائی جان کے نام ہیں۔ سیف میں نقد پانچ ہزار روپے اور یہ میری امی مرحومہ کے زیورات ہیں جو انھوں نے سب مجھے دیا ہے۔ میں چاہتی ہوں کہ سب تقسیم جلد از جلد ہو جائے تاکہ پھر میں سکون کے ساتھ اپنی تعلیم جاری کروں۔"

حمیدہ حیران و پریشان بیٹھی تھیں اور سوچ رہی تھیں کہ یا اللہ یہ وہی طلعت ہے جس پر میرے ہاتھوں بے شمار مظالم ٹوٹے مگر اس نے

اُف، نہیں کیا جس کو میں نے ہر طرح ستایا مگر کبھی آہ نہیں کی' آج اس کا سلوک میرے ساتھ کیا ہے' یہ سب سوچ کر ان کا دل بھر آیا اور وہ بے اختیار رونے لگیں، طلعت ان کے رونے سے گھبرا گئی' اور پوچھنے لگی' کیوں کیا بات ہے امی جان کیا مجھ سے کوئی غلطی سرزد ہو گئی۔

"نہیں میری بچی" حمیدہ بیگم نے بے اختیار اسے گلے سے لگاتے ہوئے محبت سے کہا " تم حقیقت میں فرشتہ صفت ہو۔ میں اندھی ہو گئی تھی کہ تم جیسے بیش بہا ہیرے کی قدر نہیں کی۔ کاش میں تم سے اتنی بد سلوکی نہ کرتی، کاش میں تمہاری قدر کرتی' کیا تم اپنی مجرم ماں کو معاف کر دوگی بیٹی افسوس تم نے میری بدولت کتنی ٹھوکریں کھائیں۔ گھر سے بے گھر ہوئیں باپ کو چھوڑ کر پریشانیاں اٹھائیں' ہائے اب ان سب باتوں کا خیال آتا ہے تو جگر چھلنی ہو جاتا ہے' آہ تم نہیں جانتیں کہ اپنے سلوک کو یاد کر کے میں اب کتنا بے چین ہوتی ہوں' کاش میں ان سب کا ازالہ کر سکوں انھوں نے بے اختیار طلعت کی پیشانی چوم لی۔

طلعت اس بے ساختہ محبت اور اقرار جرم پر حیران رہ گئی۔ اس کے دکھے دل سے بھی آہیں نکل گئیں اور آنکھوں میں آنسو بھر آئے، مگر جو ہونا تھا ہو چکا، حمیدہ بیگم سے کہنے لگیں' آپ یہ سب سوچنا چھوڑ دیجئے' ماضی کو یاد کرنے سے کیا فائدہ' خدا کے لئے مجھے شرمندہ نہ کیجئے آپ میری ماں ہیں۔

"نہیں بیٹی" حمیدہ بیگم نے آزردگی سے کہا' جب تک تم معاف نہ کر

دوگی، میرے دل کو قرار نہیں آئے گا۔

چلیئے آپ کی خوشی کے لئے میں زبان سے کہتی ہوں کہ میں نے سب کچھ معاف کر دیا، خدا بھی معاف کرے۔ طلعت بولی۔ اب تو یہ اپنی امانت سنبھالیئے، میں خوش ہوں کہ میں نے اپنے والد مرحوم کی وصیت پر عمل کیا۔ ۵ ہزار روپیہ اور اس مکان کے کاغذات جلد از جلد آپ کو دے دونگی۔ میرا اور بھائی جان کا روپیہ بنک میں رہے گا۔ نقد پانچ ہزار روپیہ سیف سے مجھے ملے ہیں، اس میں اپنے اخراجات پورے کروں گی۔

خدا تمہیں خوش رکھے، حمیدہ بیگم بولیں۔ "تم نے اس وقت میرے دل میں سے ایک بہت بڑا بوجھ اتار دیا ہے، میں اس سب کا لے کر کیا کرونگی نعیم بھی تمہارا بھائی ہے، اور اس کی تعلیم و تربیت تمہارا فرض ہے۔ میں تو جاہل عورت ہوں اس روپیہ میں سے تم بھی خرچ کرو، تمہارے اخراجات ہی کہاں کون سے ہوں گے۔"

طلعت ٹھنڈی سانس بھر کر بولی۔ "امی نعیم ماشاءاللہ خود سمجھدار ہے۔ خدا اسے نیک صالح بنائے، بیشک میں بڑی خوشی سے اس کی تعلیم پر دھیان دوں گی، میرے اخراجات پانچ سال کے ہیں، میں ڈاکٹری میں داخلہ لوں گی اور ہوسٹل میں رہا کروں گی، ہر ہفتہ آیا کروں گی تاکہ نعیم کی مناسب نگہداشت کرسکوں۔

حمیدہ بیگم طلعت کے ان خیالات پر چونک پڑیں، اور بڑی اداسی سے کہنے لگیں، کیوں بیٹی کیا اپنی گنہگار ماں کو معاف نہیں کیا ہے جو ہوسٹل

جانے کا ارادہ ہے۔ میری بچی کیا تم مجھے تنہا چھوڑ دوگی، یہ گھر بھی
تمہارا ہی ہے، خدا کے لئے ایسا ارادہ نہ کرو، اب تم اور نعیم میری زندگی
کا آسرا ہو۔ اور بیٹی بُرا مت ماننا تم لڑکی ذات ہو، ظفر نے جو
کچھ کیا اسے بھلایا نہیں جا سکتا، تمام تر ذمہ داریاں مجھ پر عائد ہوتی ہیں،
میری خوشی تو یہی تھی کہ تمہاری شادی ہو، پھولو پھلو اور سکھ سے رہو۔
امّی خدا کے لئے اس کا ذکر نہ کیجئے۔ طلعت بڑے کرب سے بولی۔
"بیٹی وہ بھی بھلا کوئی شادی تھی، خدا کے لئے تم اپنے فیصلہ پر غور
کرو۔ حمیدہ بیگم نے کہا۔
طلعت ان کی باتوں سے بہت متاثر ہوئی" مگر شادی کے نام سے
اسے وحشت آنے لگی، آپ میری ماں کی جگہ ہیں، آپ کا حکم بجالانا میرا فرض
ہے مگر جو رشتہ ابا جان مرحوم نے جوڑا تھا، وہ نامساعد حالات سے ٹوٹ گیا۔
بس وہی کافی ہے، خدا کے لئے اب مجھے اس قسم کی رائے نہ دیجئے" آپ
کی ذمہ داری کا مجھے خود احساس ہے مگر پھر بھی اب میں نہ اس قسم کا کوئی قدم
اٹھانا چاہتی ہوں نہ ان لوگوں سے کوئی تعلق رکھنا چاہتی ہوں، بس میں
نے اپنی زندگی کا نصب العین چن لیا ہے۔ خدا مجھے صراط مستقیم عطا
فرمائے۔ آپ میری جانب سے متفکر نہ ہوں، اخبار کے لئے پھر اشتہارات
بھجوا رہی ہوں، شاید بھائی جان کا پتہ لگ جائے۔ اور میں یہ آپ
کو یقین دلاتی ہوں کہ میرا کوئی کام آپ کے مشورے کے بغیر
انجام نہیں پائے گا، اور نہ کوئی ایسا غلط قدم اٹھے گا جس سے

میرے ماں باپ اور خاندان کی عزت پر حرف آئے۔

میرا کام تمہیں سمجھانا تھا۔ حمیدہ بیگم بولیں"۔ ادھر بھابی اور صفدر نے مجھے تنگ کر رکھا ہے۔ ان لوگوں سے مجھے بڑا خوف ہے۔ ذرا تم کو محفوظ رکھے۔ اس لئے میں اور بھی چاہتی تھی کہ جلد از جلد کہیں اچھا رشتہ ہو جاتا تو اچھا تھا۔

نہیں امی" طلعت انتہائی کرب سے بولی۔

میں نے اپنا راستہ منتخب کر لیا ہے' اور ادھر اپنا فرض بھی ادا کر دیا ہے میں جلد انشاءاللہ ہوسٹل میں داخلہ لے لوں گی۔

حمیدہ بیگم نے بہت کوشش کی کہ طلعت گھر نہ چھوڑے' اور یہیں رہ کر اپنی تعلیم مکمل کرے' مگر طلعت اس پر راضی نہیں ہوئی' اور نرمی کے ساتھ یہ کہہ کر ' یہاں رہ کر مجھے ہر وقت ابا جان کی یاد آتی رہتی ہے' جو پڑھائی میں حارج ہو گی' اگلے ہفتہ ہوسٹل میں منتقل ہو گئی۔

حمیدہ بیگم طلعت کے جانے سے بہت زیادہ اداس ہو گئیں' ان کی بھاوج کو بڑا رنج ہوا کہ ہاتھ آئی سونے کی چڑیا ہاتھ سے تقریباً نکل ہی گئی' اور صفدر غصہ میں نہ جانے کیا کیا اسکیمیں ترتیب کرتا رہا' جب ان کی بھاوج مایوس ہو گئیں تو جانے کی تیاری کرنے لگیں' اور سمجھا بجھا کر صفدر کو بھی ساتھ لے گئیں۔

یہاں تو اب حمیدہ بیگم آڑے آنے لگیں

تھیں، کوئی اسکیم تکمیل نہیں پا سکتی تھی۔ طلعت بظاہر اپنی جگہ پُر سکون نظر آنے لگی تھی، اور بڑی دلچسپی سے تعلیم..... شروع کردی تھی، دل کا حال تو بس خدا کو معلوم تھا۔

(۱۵)

کیا گذرتی ہے کوئی پوچھے دلِ ناکام سے
حسرتیں سب یاس و حسرت ہی بدل جانیکے بعد

عرصہ تین ماہ سے نگار اماں کے گھر تھیں اور خدا نے انھیں ایک ماہ ہوا ایک ننھے منے بیٹے سے نوازا تھا، سارا گھر مسرتوں میں غرق تھا۔ ان کی نند اور ساس سب ہی آئی ہوئی تھیں، نشاط اور غزالہ بھی مقیم تھیں، گھر بھر مسرور و شادماں تھا، اور اس شادمانی میں نگار کو بار بار طلعت یاد آ رہی تھی، مگر کچھ حالات ایکدم ایسے بن گئے تھے کہ نہ طلعت کا خط آ سکا تھا نہ نگار ہی لکھ سکی تھیں۔

ایک دن ظفر بھی قدرے مضمحل نظر آ رہے تھے، اپنے کمرے میں کرسی پر لیٹے تصورات میں غرق تھے کہ نگار ان کے کمرے میں آ گئیں، اور بڑی محبت سے بھائی کے گلے میں بانہیں ڈال کر پوچھنے لگیں۔

"نصیب دشمناں آج آپ کی طبیعت تو ناساز نہیں کہ گھر میں کسی سے ہنس بول نہیں رہے ہیں، اور نہ بستیاں جانے کا کچھ ارادہ معلوم ہوتا ہے۔

ظفر نے گہری سانس لے کر نظریں بہن پر گاڑ دیں، اور بڑی افسردگی سے کہنے لگے۔

" نگار تم نہیں جانتیں، میں آج کل بڑی الجھن میں گرفتار ہوں۔ کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا کہ کیا کروں۔

" کیا بات ہے آخر بھائی جان کیا مجھے نہیں بتائیں گے"،

نگار نے قدرے فکرمند ہو کر کہا۔

" آؤ بیٹھو تم سے ہی مشورہ کرنا بھی تھا۔ ظفر بولے۔

نگار قریب پڑی ہوئی کرسی پر بیٹھ گئیں، اور ظفر نے کہا کیا تمہارے نام بھی طلعت کے خطوط آنا بند ہو گئے ہیں۔

ہاں بھیا۔" نگار بولی" مجھے خود اس خاموشی پر حیرت ہے۔ ننھے کی پیدائش کی امی جان نے اطلاع کرائی تھی، اس کا بھی کوئی جواب نہیں آیا، میں بھی عرصہ ہوا خط نہیں لکھ پائی۔

" نگار" ظفر نے بیزاری سے کہا۔ " میں نے پہلے تم لوگوں کو ہدایت کی تھی کہ اسے وہاں چھوڑ کر مت آنا مگر تم لوگوں نے میرا کہا نہ مانا، اب پتہ نہیں کہ وہ کس حال میں ہو، تم لوگوں کو سب حالات معلوم تھے پھر بھی چشم پوشی کی۔

" بھائی جان ـــ" نگار نے کہا۔ " اس وقت حالات ایسے ہی تھے کہ طلعت کو لانا ممکن نہیں تھا، ان کے والد کے انتقال کو ۱۵ ـ ۲۰ دن ہی گذرے تھے۔ اتنی جلد وہ خود بھی اس گھر

کو چھوڑنے پر راضی نہیں تھیں میں نے تو بہت کوشش کی مگر وہ فی الحال تیار ہی نہیں ہوئیں، ادھر ان کی امی نے اصرار کیا تو مجبوراً چھوڑنا ہی پڑا۔

"ظفر نے الجھ کر کہا" مجھے تو ایک شبہ ہوتا ہے کہ وہ شاید اس شادی سے خوش نہیں، اور اس وقت محض اپنے والد کے باعث خاموش ہو گئیں۔

"نہیں نہیں بھائی جان طلعت کے بارے میں ایسا نہ سوچئے"! نگار تڑپ کر بولی، وہ ایسی لڑکی نہیں۔

پھر آخر اس خاموشی کا باعث کیا ہے"

ظفر نے استفسار کیا"۔

"مجھے تو خدشہ ان کی والدہ محترمہ اور صفدر صاحب سے ہے"!

نگار نے اندیشہ ظاہر کیا، "یہی سوچ سوچ کر تو میرا خون خشک ہو رہا ہے، کہیں صفدر نے تو کوئی چال نہیں چلی ہے' وہ بڑے حضرت معلوم ہوتے تھے۔" ظفر نے کہا"

"تو پھر ایسا کیجئے تاکہ آپ خود ہو آیئے تاکہ اطمینان بخش حالات معلوم ہو سکیں۔" نگار نے کہا۔

"تعجب تو یہ ہے کہ نادرہ بہن نے بھی چپ سادھی ہے۔"

ظفر بولے۔

"ہاں واقعی ان کی خاموشی نے مجھے بھی شک میں مبتلا کر دیا ہے، اللہ اس

کی حفاظت کرے، وہ تو سیدھی سی لڑکی ہے" نگار نے پر تشویش لہجہ میں کہا۔

ظفر سر جھکائے خیالوں میں غرق بیٹھے تھے، اور نگار انھیں افسوس بھری نظروں سے دیکھ رہی تھیں، کافی عرصہ اس طرح گذر گیا، آخر پھر ظفر نے سرد آہ کھینچکر سر اٹھایا اور کہا نگار میری سمجھ میں نہیں آتا کہ اب کیا کروں، فی الحال دو ہفتے تک میں اسپتال سے غیر حاضری نہیں کرسکتا، کیونکہ کئی ضروری آپریشن کرنے ہیں، اور دو ہفتوں کا وقفہ پتہ نہیں کونسی کروٹ بدلے اللہ ہی بہتر کرنے والا ہے" اب میں تو چلا، ظفر اٹھ کر باتھ روم میں چلے گئے، اور نگار اپنے کمرے میں آکر مسہری پر لیٹ کر سوچ میں غرق ہو گئی۔ کہ آخر کیا وجہ ہے جو نہ طلعت ہی نے کوئی خط لکھا نہ نادرہ نے۔ ہم لوگ اتنے خط لکھ چکے ہیں، ان کا بھی جواب ندارد۔ کہیں واقعی بھائی جان کا ہی تو خیال درست نہیں کہ طلعت اس شادی سے خوش نہ ہوں ۔۔۔ مگر نادرہ ۔۔۔ پھر نادرہ کیوں خاموش ہیں وہ تو خط لکھ سکتی تھیں، نہیں۔ کوئی نہ کوئی وجہ ضرور ہے... شاید طلعت تک ہمارے خطوط پہنچتے ہی نہ ہوں، یا اللہ کیا کیا جائے، بھائی جان بے چارے کتنے پریشان رہنے لگے ہیں اس طرح تو ان کی صحت پر برا اثر پڑے گا، وہ انھیں خیالات میں غرق تھیں کہ بچہ اٹھ گیا، وہ اس کی دیکھ بھال میں مصروف ہو گئیں، اور ذرا دیر کے لئے طلعت کا خیال فراموش کر بیٹھیں۔

ظفر تیار ہو کر اپنی گاڑی لے کر ہسپتال چلے گئے، مریض بے چینی سے ، اور ظفر ان میں گھر کر سب کچھ بھول بیٹھے.. پھر بھی ذہن میں

یکسوئی نہیں تھی کہ اتنے میں چپراسی نے اطلاع دی کہ کوئی صاحب آپ سے ملنا چاہتے ہیں۔

ظفر نے کہا "کون صاحب ہیں۔ تم نے کہا نہیں کہ میں اس وقت مریض دیکھ رہا ہوں۔ پھر ملوں گا۔

چپراسی بولا "حضور کہا تو وہ ملاقات کے کمرے میں بیٹھے ہیں، اور کہتے ہیں کہ فرصت پاتے ہی میرے پاس آئیں۔

"اچھا ـــ" ظفر بولے، اور پھر مریضوں میں غرق ہو گئے، ایک بجے گھڑی پر نظر پڑی تو چونک کر کھڑے ہو گئے، انھیں یاد آ گیا کہ کوئی ملاقاتی ان کا منتظر تھا، وہ سیدھے اسی کمرہ میں چلے گئے، اور یہ دیکھ کر دنگ رہ گئے کہ سلیم بڑے مزے میں صوفہ پر اوندھے منہ پڑے اخبار پڑھ رہے ہیں۔ ظفر بے اختیار آگے بڑھے سلیم ایکدم کھڑے ہو گئے، اور دونوں ملنے لگے۔ بچھڑے دوست بڑی گرم جوشی کے ساتھ ایک دوسرے کے گلے لپٹ گئے۔ سلیم کی آنکھوں میں بے اختیار مسرت کے آنسو امڈے چلے آ رہے تھے، چند منٹ بعد دونوں الگ ہو کر صوفے پر بیٹھ گئے اور ظفر نے ایکدم ڈھیر سارے سوالات کر ڈالے "اتنے دن کہاں غائب رہے۔ خط کیوں نہ لکھا۔ اب کہاں سے آ رہے ہو اور آتے ہی ادھر کیوں نہ چلے آئے؟

صبر ـــ ذرا ـــ صبر ـــ" سلیم نے مسکرا کر کہا تم نے تو ایک دم ایسے سوال کر ڈالے کہ جیسے پہلے سے لکھ کر رٹ لئے ہوں، سب کچھ ابھی بتاتا ہوں۔

اوہ — معاف کرنا —" ظفر نے ندامت سے کہا" مجھے تمہیں دیکھ کر یہ ہوش ہی نہیں رہا کہ ہم کہاں پر ہیں چلو گھر چلو پھر سب باتیں مفصّل ہوں گی، سامان کہاں ہے۔"

"ہوٹل میں —"

سلیم نے جواب دیا۔

"ارے واہ عجیب ہو جب پتہ تھا کہ میں یہاں ہوں تو ہوٹل میں کیوں ٹھہرے" ظفر نے بگڑ کر کہا۔

اماں یار تم بالکل لوگرم ہی ہو بھئی تمہارا پتہ لگانا تھا تو کیا سامان ساتھ ساتھ لئے پھرتا۔ وہ تو بھلا ہو ٹیکسی والے کا کہ تمہارا نام لیتے ہی بولا اچھا وہ ظفر جمال جن کا ہسپتال ہے۔ میں نے کہا، ہاں وہی تو بس فوراً پھر یہیں چھوڑ گیا۔"

سلیم نے جواب دیا۔

"اچھا اب اٹھو"! ظفر کھڑے ہوتے ہوئے بولے۔

دونوں کار میں بیٹھ کر ہوٹل میں پہنچے اور سلیم کا سامان لے کر اپنی کوٹھی جا اترے ظفر نے باہر کا مہمان خانہ سلیم کو دکھایا اور نوکر کو سامان رکھنے کی ہدایت کر کے اندر اماں کو اطلاع دینے چلے گئے۔ اور فرزانہ بیگم نے بے وقت بیٹے کو آتے دیکھا تو پریشان ہو گئیں، مگر ظفر نے سب کچھ بتا دیا تو اطمینان ہوا۔ چائے بھیجنے کا کہہ کر باہر آئے دیکھا تو سلیم جوں کے توں بیٹھے ہیں۔ نہ منہ دھلانہ کپڑے بدلے۔

کیا بات ہے سلیم تم کچھ پریشان نظر آتے ہو۔ ظفر نے ان کے شانے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔

" ظفر کیا تم نے ہی وہ اشتہار اخبار میں شائع کروادیا تھا جو جمال صاحب کی جانب سے تھا۔" سلیم نے بیتابانہ پوچھا۔

ظفر نے قدرے تعجب سے دیکھا اور کہا " ہاں ہاں کیا تمہارا اس سے تعلق ہے۔ ظفر میں ہی تو وہ سلیم ہوں سچ بتاؤ ابا جان کیسے ہیں ۔۔"

سلیم نے کھڑے ہو کر کہا ۔" تم آرام سے تو بیٹھو۔ ارے تم نے آتے ہی کیوں نہ بتایا تھا کہ تم وہ سلیم ہو۔ ظفر نے بات کا رخ موڑنا چاہا، تاکہ سلیم کو اچانک صدمہ پاگل نہ کردے۔"

تم میری بات کا جواب دو ظفر میں بڑا بیتاب ہوں۔ میرا دل یہی چاہتا تھا کہ پہلے میں اپنے گھر جاؤں، مگر اماں جان کے خوف نے مجھے ادھر آنے پر مجبور کر دیا، خدا کے واسطے بتاؤ میں سب کچھ سننے کی ہمت رکھتا ہوں سلیم بیقراری سے بولے۔ ظفر نے ایک گہرا سانس لیا، اور کہا کہ خدا کی مرضی کے آگے بندوں کو سر تسلیم خم کرنا ہی پڑتا ہے، میرے دوست پریشان نہ ہو۔

" آہ ۔ ابا جان ۔" سلیم کے منہ سے نکلا .... اور وہ نڈھال سا ہو کر صوفے پر گر گیا۔ ہر چند ضبط کیا، مگر آنکھوں سے گنگا جمنا بہہ نکلی ، ظفر نے سوچا کہ ان کو تنہائی میں اچھی طرح رو لینے کا موقع ملنا چاہیئے، وہ سیدھے اٹھ کر اندر پہنچے اور ماں سے تمام ماجرا کہہ سنایا

وہ تڑپ اٹھیں آخر تو سلیم ان کا بھتیجہ اور عزیز ترین سہیلی کا بیٹا تھا۔ ظفر سے
کہہ کر مردانے میں پردہ کرا دیا اور کمرے میں جا پہنچیں، جہاں سلیم بیٹھے ابھی
تک بیتاب ہو ہو کر رو رہے تھے، فرزانہ بیگم نے جو یہ حال دیکھا تو بیقرار ہو
کر آگے بڑھیں، سلیم گھبرا کر آنسو پونچھتے ہوئے کھڑے ہو گئے، فرزانہ بیگم
نے بے اختیار انہیں گلے لگا لیا۔ سلیم حیران تھے کہ کیا ماجرہ ہے، اور فرزانہ
بیگم کا ذرا دل ہلکا ہوا تو پھر ہٹ کر صوفے پر بیٹھ گئیں، ساتھ ہی سلیم اور
ظفر بھی بیٹھ گئے، سلیم نے استفسارانہ ظفر کی طرف دیکھا، فرزانہ بیگم نے
ان کا مدعا محسوس کر کے آنسو پونچھتے ہوئے کہا بیٹا تم ہمارے لئے کوئی
غیر نہیں ہو، میں تمہاری پھوپھی ہوں، نگار کی طرف اشارہ کر کے یہ
تمہاری بہن نگار ہے اور ظفر کی طرف دیکھ کر یہ تمہارا بھائی ظفر ہے۔
سلیم بے اختیار کھڑے ہو گئے اور بیٹھ کر پھوپھی کی گود میں منہ چھپا کر
پھر رونے لگے، فرزانہ بیگم نے بڑے پیار سے ان کے سر پر ہاتھ پھیر کر
کہا، اب نہ رو میرے چاند خدا کو جو منظور ہوتا ہے، ہمارے حق میں بہتر ہی
ہوتا ہے، جمال بھائی تمہاری یاد میں کیسے کیسے تڑپے، آخری وقت تک
نگاہیں دروازے پر جمی رہیں، زبان سے آخری وقت بھی تمہارے
ہی بارے میں نکلی تھی، مگر خدا کو یہ منظور نہ تھا کہ وہ تمہیں اور تم انہیں
دیکھ پاتے، صبر سے کام لو، دعائے مغفرت کرو کہ اب یہی ان کی اعلیٰ ترین
خدمت ہے بہن کی دلجوئی کرو جو نہ جانے کتنی بے قرار
ہو گی۔

"طلعت اسے ہاں وہ کہاں ہوگی سلیم نے چونکتے ہوئے کہا۔ فرزانہ بیگم نے شفقت سے اس کی کمر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے بتلایا کہ اس کا نکاح ظفر کے ساتھ جمال بھائی نے خود کر دیا تھا۔ وہ اپنی ماں کے پاس ہے اور بہت دن سے کوئی اطلاع نہیں ملی کہ کس حال میں ہے، نگار نے چائے کی پیالی دیتے ہوئے کہا کہ میں نے کتنے ہی خط لکھ ڈالے مگر ایک کا بھی جواب نہیں آیا، سلیم بیقرار تھے، ظفر خود پریشان تھے۔

بہت دیر تک یہ لوگ بیٹھے باتیں کرتے رہے، پھر فرزانہ بیگم اور نگار زنانخانے میں چلی گئیں، ظفر بھی اٹھ کر گھر میں آ گئے۔ سلیم نے نہا دھو کر کپڑے بدلے، اور بالوں میں کنگھا کر رہے تھے کہ ظفر پھر آن کر انھیں اندر لے گئے نگار نے باقاعدہ دوبارہ استقبال کیا آخر تو وہ بھائی تھے، اور سلیم سر جھکائے متفکر سے پھوپھی کے پہلو میں جا بیٹھے، اب انھوں نے کہا کہ مجھے پوری بات تفصیل سے بتائیے، میں آج ہی طلعت کے پاس جانا چاہتا ہوں، فرزانہ بیگم نے طلعت کی ملازمت سے لے کر نکاح تک کے تمام واقعات اسے تفصیل سے بتائے، سلیم بار بار پہلو بدلتے تھے، آخر یہ طے پایا کہ اسی دن کھانے کے بعد سب لوگ بریلی چلیں۔

نگار نے جلدی جلدی مختصر سی تیاری کی۔ فرزانہ بیگم نے لُوا آبادی خانم کو جوان کے گھر کی پرانی ملازمہ تھیں ہدایات دیں، اور کھانے کے بعد یہ لوگ ظفر کی کار کے ذریعہ عازم سفر ہو گئے۔

راستہ میں عجیب عجیب خیالات آتے رہے۔ ہر شخص اپنی

جگہ متفکر تھا اور ظفر و سلیم، ان کی پریشانیاں تو سب سے ہی جدا تھیں
سلیم کو جہاں اپنے گھر جانے اور بہن سے ملنے کی خوشی تھی، وہاں باپ
کے گذر جانے کا بھی غم تھا۔ ظفر طلعت کے تصور میں محو گاڑی چلا
رہے تھے۔

(۱۶)

حمیدہ بیگم باورچی خانے میں تھیں، طلعت کل ہی واپس ہوسٹل گئی تھیں، حمیدہ بیگم تنہا تھیں۔ کھانا پکانے کے لئے نوکرانی کو ہدایات دے رہی تھیں کہ باہر سے ملازم لڑکا بھاگا ہوا آیا کہ موٹر میں بہت سے مہمان آئے ہیں۔ حمیدہ بیگم حیران ہوئیں کہ کون آیا ہے کہ اتنے میں دیکھا کہ نگار اور فرزانہ بیگم آگے آگے اور ظفر و سلیم پیچھے آرہے تھے۔ حمیدہ بیگم بھونچکا ہوگئیں، مگر ایک غیر لڑکے پر نظر پڑتے ہی آنچل سے منہ چھپانے کی کوشش کرنے لگیں، سلیم کی اس وقت عجیب حالت تھی، فرزانہ بیگم بڑھ کر حمیدہ بیگم سے گلے ملیں، نگار نے آداب کیا، ظفر نے تسلیم عرض کی اور سلیم نے بھی سلام کیا، وہ سب کو لیکر برآمدے میں آئیں اور تخت پر بٹھایا، نگار نے ایک دم سوال کر ڈالا۔ طلعت نظر نہیں آرہی ہیں۔ وہ کہاں پر ہیں؟"

طلعت اب گھر پر نہیں ہوسٹل میں رہتی ہیں، حمیدہ بیگم نے استفسارانہ نگاہ سلیم پر ڈالتے ہوئے جواب دیا۔

فرزانہ بیگم نے ان کا مطلب سمجھ لیا، کہنے لگیں، یہ سلیم میاں ہیں جمال

بھائی کیسے کیسے اس بچے کے لئے بیتاب ہوئے مگر خدا کو منظور نہ تھا کہ زندگی
میں اپنے بیٹے کی شکل دیکھ سکتے۔
حمیدہ بیگم بے اختیار کھڑی ہو گئیں اور سلیم کا سر اپنے سینے سے لگا کر
پھوٹ پھوٹ کر رونے لگیں، سلیم بھی اس وقت سب کچھ بھول کر ان کی
آغوش میں ماں کی شفقت سی محسوس کر رہے تھے، نادرہ کو بھی ان سب کے آنے
کی اطلاع مل گئی، وہ فوراً بھاگی چلی آئیں نگار بڑی گرم جوشی سے ملیں، مگر
نادرہ کچھ کھچی کھچی سی تھیں۔ نگار نے شکایتوں کے دفتر کھول ڈالے کہ بہن
جب تم نے بھی لوٹ کر ہماری خبر نہ لی، کتنے خط لکھے مگر جواب ندارد۔
نادرہ بڑی حیرانی سے کہنے لگیں قسم لے لو ایک بھی خط ملا ہو پھر وہ نگار کو
اٹھا کر اپنے گھر لے گئیں، اور وہاں بیٹھ کر تمام قصہ اول تا آخر سنا ڈالا، نگار یہ سب
سن کر بھونچکا رہ گئی، یا اللہ یہ کس دشمن کی سازش ہے، ہائے میرے بھائی جان تو
ایسے معصوم اور فرشتہ سیرت ہیں، وہ اب بھی طلعت کیلئے بیقرار ہیں۔ پھر دوڑ کر ان کے
پاس پہنچی تو وہاں بھی یہی قصہ چھڑا ہوا تھا، سب لوگ حیران تھے، حمیدہ بیگم جان گئی
تھیں، یہ سب ان کے بھتیجہ اور بھاوج کے کرتوت ہیں، کافی دیر اسی قصے میں گذر
گئی، آخر پھوپھی پایا کہ طلعت کے آنے تک بات ختم کر دی جائے اور نادرہ
انھیں جا کر لائیں۔ حمیدہ بیگم نے ان سب کو کمروں میں پہنچا دیا کہ طلعت کے
آنے تک نہا دھو کر فارغ ہو جائیں، اور نادرہ اپنی کار لیکر طلعت کو
لینے چلی گئیں، طلعت اس وقت کلاس میں تھیں، مگر نادرہ کی فوراً طلبی
پر لیکچرار سے اجازت لیکر آگئیں، طلعت کے دل کا گھبراہٹ سے برا حال تھا

اور نادرہ خوشی سے دیوانی ہو رہی تھی، کیوں کیا بات ہے طلعت نے نادرہ کو مسرور دیکھا تو جلدی سے پوچھ ڈالا۔

"چلو جلدی گھر ۔" نادرہ مسکراتے ہوئے بولیں۔ "وہاں بڑے بڑے مہمان آئے بیٹھے ہیں، چچی نے تمہیں فوراً بلایا ہے۔

آخر کچھ پتہ بھی چلے طلعت نے الجھ کر کہا۔ کون ہے؟

"تمہاری شادی کیلئے آئے ہیں۔" نادرہ شوخی سے بولی۔

"تمہارا کچھ دماغ چل گیا ہے، کیا آج طلعت نے غصہ سے اسے دیکھ کر کتابیں ایک طرف پھینکیں اور ہاتھ پاؤں پھیلا کر مسہری پر بیٹھ گئی۔

ارے تو چلو بھی جلدی میں زیادہ نہیں رک سکتی۔" نادرہ نے طلعت کو گھسیٹتے ہوئے کہا۔

جبتک پوری بات نہ بتاؤ گی بندی تو ہلے گی نہیں طلعت نے کہا۔"

"ارے بے وقوف کیا سلیم بھیا سے نہیں ملوگی۔" آخر نادرہ کے ضبط کا بندھن ٹوٹ ہی گیا۔ طلعت ایکدم کھڑی ہو گئیں۔" کیا سچ تمہیں خدا کی قسم سچ بتاؤ کہاں ہیں، بھیا خدا کیلئے جلدی پوری بات بتا دو۔ طلعت کا مارے خوشی کے بُرا حال ہو گیا۔

گھر میں چلو تو، نادرہ اسے گھسیٹتی ہوئی کار تک لے گئی، طلعت کی عجیب کیفیت تھی، حالانکہ ابھی بھائی سے ملاقات نہیں ہوئی تھی، مگر خوشی سے کبھی آنسو نکل پڑتے تھے اور کبھی مسکرانے لگتی تھیں "کب آئے بھیا بڑی بیتابی سے نادرہ سے پوچھا، نادرہ نے مختصر سا جواب دیدیا، کوئی گھنٹہ بھر ہو گیا ہے، طلعت نے یہ سن کر سر کار کی پشت پر ٹکا دیا اور آنکھیں بند کر لیں، نادرہ کھیا خاموش بیٹھی اس کے چہرے کے آثار چڑھاؤ دیکھ

جائزہ لے رہی تھی، طلعت بے ہوش ہو چکی تھیں مگر نادرہ کو جلدی میں اس کا اندازہ نہ ہو سکا، جب کار طلعت کے مکان پر رکی، اور انھوں نے طلعت کا ہاتھ پکڑ کر اسے بیدار کرنا چاہا تو یہ دیکھ کر اس کی چیخ نکل گئی کہ طلعت کے ہاتھ برف کے مانند سرد تھے اور سانس تیز تیز آ رہی تھی، گھبرا کر طلعت کو کئی آوازیں دے ڈالیں، مگر وہ نازک سی کمزور دل کی خوشی کی تاب نہ لاکر بے ہوش ہو چکی تھی، کار کی آواز پر سلیم اور نگار باہر آ گئے تھے، دونوں طلعت کو اس حال میں دیکھ کر بدحواس ہو گئے نگار دوڑی کہ ظفر کو بلا لائے اور سلیم و نادرہ نے مل کر طلعت کو کار سے نکالا اور لاکر اندر کمرے میں لٹا دیا، بجلی کا پنکھا کھول دیا، ظفر گھبرا کر نبض ٹٹولتے تھے اور کبھی دل کی حرکت دیکھتے تھے، گھبراہٹ کے مارے ان کا برا حال تھا، جلدی سے اپنی کار سے ڈاکٹری بیگ جو ہر دم ساتھ رہتا تھا نکال کر لائے، اسے طاقت کا انجکشن دیا۔ سلیم سخت مضطرب تھے حمیدہ بیگم اور فرزانہ بیگم الگ سخت پریشان تھیں، نادرہ اپنی جگہ شرمندہ تھیں کہ اتنی بڑی خوشی کی خبر وہاں سنا ہی کیوں دی، نگار کبھی سر سہلاتی تھیں، اور کبھی پیر کے تلوے، ظفر کو ڈر تھا کہ اگر ہوش میں آکر سب کو پہچانا ہی نہیں تو کیا ہو گا کیونکہ وہ دیکھ رہے تھے کہ ان چھ سات ماہ کے عرصہ میں آدھی نہیں رہی تھی، فکر و پریشانی سے سب کا برا تھا، آخر دو گھنٹہ کی جد و جہد کے بعد طلعت نے آنکھیں کھولیں، اور وہ کھوئی کھوئی نظروں سے چاروں جانب دیکھنے لگیں، ظفر پر نگاہ پڑتے ہی چند لمحوں کو وہ ساکت رہ گئیں اور پھر بے ہوش ہو گئیں سلیم کا برا حال تھا، بہن سے بات کرنے کو بیتاب تھے آخر ظفر نے کہا کہ ہم سب کو اس کمرے سے چلنا چاہئیے صرف نادرہ بہن کو رہنے

دیں، جب یہ ہوش میں آجائیں گی تو مطلع کر دیں گی، نگار سا دل جانے کو نہیں چاہ رہا تھا مگر ظفر کے کہنے پر وہ سب لوگ دوسرے کمرے میں جا بیٹھے، فرزانہ بیگم خدا سے دعائیں کرنے لگیں۔ حمیدہ بیگم سخت مضطرب تھیں، ظفر بار بار جا کر دیکھ رہے تھے آخر پھر ایک گھنٹہ بعد طلعت نے آنکھیں کھولیں۔ چاروں طرف نگاہ ڈالی، نادرہ پر نگاہیں مرکوز ہو کر رہ گئیں۔ کافی دیر تک ٹکٹکی باندھے دیکھتی رہیں، نادرہ نے محبت سے پیشانی پر ہاتھ رکھ کر پوچھا کیا دیکھ رہی ہو طلعت۔ طلعت نے پھر غور سے دیکھا، اور بڑبڑائی، کیا میں نے کوئی خواب دیکھا تھا، نادرہ میں کیا گھر آگئی ہوں۔ نادرہ نے محبت سے ان کے بال سہلاتے ہوئے کہا، ہاں ہم لوگ گھر آگئے ہیں، تم راستہ میں بے ہوش ہو گئی تھیں بمشکل اب ہوش آیا ہے، سلیم بھائی سخت پریشان ہیں، اٹھو ان سے ملو وہ تمہارے لئے کتنے بیتاب ہیں۔

کہاں ہیں بھیا" طلعت نے ایکدم اٹھ کر بیٹھتے ہوئے کہا "میں ابھی بلا کر لاتی ہوں تم مت اٹھنا، نادرہ یہ کہہ کر باہر کی جانب لپکیں، مگر طلعت کو اب اتنا قرار کہاں تھا، وہ جلدی سے اٹھ کر کھڑی ہو گئیں اور دروازے تک جاتے جاتے بری طرح چکرا گئیں وہ لڑکھڑا کر گرنے ہی والی تھیں کہ سامنے سے آتے ہوئے سلیم نے اپنے بازوؤں میں سنبھال لیا، طلعت کی آنکھوں کے آگے اندھیرا چھا گیا۔ وہ مدہوش سی سلیم کے گلے لگ گئیں۔ سلیم نے آہستگی سے پھر مسہری پر لٹا دیا، طلعت کی آنکھیں پھر بند تھیں اور سانس گہری گہری آرہی تھی، نادرہ دوڑ کر ظفر کو بلا کر لائیں، ظفر سخت پریشان تھے، کیونکہ طلعت کا دل بہت کمزور ہو گیا تھا، اور یہی

وجہ تھی کہ وہ بار بار بے ہوش ہو جاتی تھیں، اتنی بڑی خوشی ناقابل برداشت ہوتی جاتی تھی، فرزانہ اور حمیدہ بیگم سب پلنگ کے گرد کھڑے تھے، ظفر نے پھر انجکشن دیا اور سب کو دور ہٹ کر بیٹھنے کی ہدایت کی، تھوڑی دیر کے بعد طلعت کی آنکھوں میں حرکت محسوس ہوئی اور پھر آنکھیں کھول کر سلیم کو دیکھنے لگیں۔

"کیا بات ہے میری اچھی بہنا ــ" سلیم نے کمال محبت سے اس کی پیشانی پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔

"بھیا میرے بھیا کہہ کر بے اختیار سلیم کو لپٹ گئیں، انھیں کچھ ہوش نہ تھا کہ کمرے میں اور کون ہے۔ ظفر نے بھی اشارہ کیا کہ رو لینے دو تاکہ غبار دھل کر طبیعت صاف ہو جائے، فرزانہ بیگم اور حمیدہ بیگم بھی اس کی حالت پر بے اختیار رونے لگیں، سلیم کے بھی اشک جاری تھے، اور وہ بڑی محبت سے بہن کا سر کاندھے سے لگائے بالوں پر ہاتھ پھیر کر اسے تسلی دینے کی کوشش کر رہے تھے۔ آخر بڑی دیر کے بعد طلعت کی طبیعت کو سکون ملا، اور وہ بھائی سے جدا ہو کر بیٹھ گئیں، پھر ان کی نظر اچانک نگار، پھوپھی پر سے ہوتی ہوئی ظفر پر جا ٹھہری اور پھر فوراً جھک گئی، ان کے دل میں عجیب سی ہلچل تھی، فرزانہ بیگم نے آگے بڑھ کر طلعت کا سر اپنے سینے سے لگا لیا اور کمر پر ہاتھ پھیرنے لگیں، نگار بھی قریب جا بیٹھیں اور ظفر اٹھ کر دوسرے کمرے میں چلے گئے، اب ان کا دل مطمئن تھا کہ خطرہ ٹل چکا ہے۔

کافی دیر تک یہ لوگ بیٹھے رہے، سلیم بہن سے باتیں کرتے رہے طلعت کو ایک فکر لاحق تھی، اور تعجب بھی تھا کہ یہ لوگ کیسے آ گئے، پھر سلیم اٹھ کر ظفر کے پاس چلے گئے۔

فرزانہ بیگم اور حمیدہ بیگم بھی کھڑی ہو گئیں اور اپنے اپنے کمروں میں چلی گئیں اب
نادرہ و نگار، طلعت کے پاس رہ گئیں۔ نگار نے شکایت بھرے لہجہ میں کہا تم نے
تو ہم لوگوں کو بالکل ہی فراموش کر دیا۔ طلعت۔
طلعت آہ سرد بھر کر بولی۔ "میں بھلا تم جیسی مخلص دوست اور
پیاری بہن کو کیونکر بھول سکتی ہوں، یہ نادرہ گواہ ہیں کہ میں نے کتنے
خطوط لکھے مگر وہاں ایک خاموشی سب کے جواب میں"
"یہ سچ ہے نگار بہن۔" نادرہ نے کہا "طلعت نے واقعی کئی
خط لکھے، مگر تمہاری بھی یہی شکایت ہے اور ہماری بھی، سجانے کیا ہوا
کہ نہ تو تمہارا کوئی خط ہمیں ملا نہ ہمارا تمہیں ملا۔
نگار نے حیرت سے کہا، اللہ گواہ ہے میں تو خیر جتنی خود پریشان
تھی، نادرہ بہن سے مجھے تمام واقعات معلوم ہوئے ہیں حیران ہوں کہ یہ کیا ماجرہ
ہے اور کون ایسا دشمن ہے جس نے ہمارے درمیان یہ جدائی ڈلوائی۔
صد فی صد یہ کام صفدر کا ہے۔" نادرہ نے کہا "کیونکہ اور کون ہے
جس کو طلعت کی خوشی عزیز نہ ہو ہائے اس کمبخت نے کیا ہمیں ایک دوسرے سے
دور کر دیا تھا۔ یہ بھی غنیمت ہوا کہ بوقت سلیم بھیا آ گئے اور سارا عقدہ کھل گیا
ورنہ نوبت کہاں پہنچتی، اور ہماری طلعت تو بس سمجھو راہبہ بن ہی گئی تھی، طلعت
نے مسکرا کر کہا۔ کیوں جھوٹی تہمت لگاتی ہو میں تو اپنی تعلیم پوری کرنے
کی فکر میں تھی
بس بس رہنے دو نادرہ چہک کر بولیں! ~~میں نے تمہاری ہر ہر کیفیت~~

دیکھی ہے، مردوں سے بدتر ہو کر رہ گئیں تھیں مگر ظفر بھیا کے نام پر بھی گالوں پر سُرخی آ ہی جاتی ہے....

"رہنے دو نادرہ — کیوں اوٹ پٹانگ ہانگ رہی ہو —"

طلعت نے شرماتے ہوئے کہا — "مجھے کیا ضرورت تھی کہ کسی کے نام پر گال سرخ ہوتے"!

"اے قربان جاؤں" نادرہ نے پھر شوخی سے جواب دیا "کیا "کسی" کی گردان کی ہے۔ کاش اس وقت رعنا بھی ہوتیں — کتنا لطف آتا پھر وہ تو بڑی ہی شریر ہے۔

ادھر ان لوگوں میں یہ ہنسی مذاق جاری تھا، اُدھر بزرگوں میں بات جاری تھی۔ فرزانہ بیگم کا اصرار تھا کہ خدا نے خیر کے ساتھ تمام پریشانیاں دور کر دیں لہٰذا اب اگلے ہفتہ رخصتی ہو جانی چاہیئے، مگر سلیم اور حمیدہ بیگم بضد تھے کہ کم از کم ایک ماہ کی مہلت دی جائے، سلیم کی بات بھی ٹھیک تھی کہ میں دل بھر کر اپنی بہن کو دیکھ تو لوں، فرزانہ بیگم کہتی تھیں، وہ کون سے غیر گھر جا رہی ہے ہم شوق سے میرے پاس رہو۔

ظفر سر جھکائے خاموش بیٹھے یہ تکرار سن رہے تھے۔ آخر کافی تکرار کے بعد یہ طے پایا کہ سلیم کی خوشی کی جائے، اور اگلے ماہ کی پندرہ تاریخ کو رخصتی کی رسم ادا کی جائے اس عرصہ میں ذرا طلعت کی صحت بحال ہو جائے گی جو کافی حد تک کمزور ہو چکی ہے۔ اور حمیدہ بیگم جیسا یہ دل و جان سے طلعت کو چاہنے لگیں تھیں، ویسے شادی کی تیاری بھی ضروری ہے، نگار اور نادرہ نے بھی یہ سب باتیں

سین تو طلعت کو خوب خوب چھیڑا۔ طلعت نے مارے شرم کے کمرے سے نکلنا چھوڑ دیا تھا۔ کیونکہ ظفر بھی موجود تھے، تین چار دن یہ ٹھہر کر واپس لکھنؤ چلے گئے، طلعت نے پھر ہوسٹل جانا چاہا، مگر سلیم نے منع کر دیا کہ بس کرو تمہاری صحت پہلے ہی خراب ہے'

غرض سلیم کے اصرار پر طلعت نے پڑھائی ترک کر دی اور بھائی کی لازوال محبتوں میں گم ہو کر اپنی تمام گذشتہ پریشانیوں کو بھول کر ہر دم خوش و خرم رہنے لگیں۔

÷ ــــ ÷ ــــ ÷ ــــ ÷

(۱۷)

فرزانہ بیگم لکھنؤ واپس آکر شادی کی تیاریوں میں مصروف ہوگئیں۔ نگار مال کا ہاتھ بٹاتیں، سلطانہ بڑی خوش تھی کہ بھابی آنے کو ہے، فرزانہ بیگم نے تار سے بھائی کو بھی مطلع کردیا۔ اور نشاط و غزالہ کو بھی، ان کی بھاوج اور رعنا تو اگلے دن ہی جا اُتریں۔ بھلا اس خوشی کے موقعہ پر کیونکر دور رہ سکتی تھیں، نشاط نے شادی سے پندرہ دن قبل آنے کا وعدہ کیا کیونکہ ڈسپنسری بھی سنبھالنی تھی، غزالہ ان کے بغیر کیونکر آسکتی تھی، نگار نے اپنی ساس کو تمام روئداد سنائی اور وہ سن کر حیرت میں پڑگئیں۔ سلیم کے آنے کی خبر سے سب ہی بےحد مسرور ہوئے، نگار نے رعنا کے کان میں چپکے سے کہہ دیا کہ طلعت کو اب تمہاری بڑی فکر ہے، ان کے بھائی جان جو آگئے، رعنا یہ سن کر بیر بہوٹی کی طرح سرخ ہوگئیں، اور پھر مسکرا کر کہا۔

"بس منہ دھو رکھیں طلعت باجی ــ واہ بڑی آئیں میری فکر کرنے والی، نگار نے ہنس کر کہا۔ خیر دیکھا جائے گا۔

اب تمہاری چوپنچ بند کرنی ہی پڑے گی، دن رات جوڑوں کی تیاری ہوئی نگار و رعنا پیش پیش تھیں۔ فرزانہ بیگم بے حد خوش تھیں اور ظفران کا تو کچھ ٹھیک ہی نہیں تھا، دن عید، اور رات شب برات تھی، اگلے دن نشاط اور غزالہ بھی آنے والی تھیں کیونکہ شادی میں پندرہ دن ہی تو باقی رہ گئے تھے، مسرور احمد بھی دوسرے تیسرے دن آکر رائے مشورہ دے جاتے فخر اور اختر بھی آرہے تھے، ان کیلئے دو دو کمرے آراستہ کئے جارہے تھے، اوپر کی منزل میں دلہن کے لئے سجاوٹ کی جارہی تھی، فرزانہ بیگم نے ایک دن بریاں اور بڑے اعلی درجہ کا زیور تیار کرایا تھا، گیارہ چیزیں سونے کی تھیں، اور ایک انگوٹھی اور جھالے ہیرے کے تھے جو ان کی ساس نے اپنی بہو کو دیئے تھے اب وہ اپنی بہو کو دینے والی تھیں۔

دوسرے دن نشاط فخر اور غزالہ و اختر بھی معہ بچوں کے پہنچ گئے۔ کوٹھی میں خوب رونق تھی بڑی چہل پہل تھی، نشاط اور غزالہ نے تمام زیور کپڑے انتہائی پسند کئے۔ اور نگار و رعنا کے انتخاب پر خوب خوب داد دی کیونکہ انہی دونوں کی پسند کی ہر چیز بنی ہوئی تھی۔ یہ لوگ بھی باقاعدہ تیاریوں میں مصروف ہوگئیں۔

نگار اور رعنا ظفر کو ہر دم خوب بناتیں۔ ظہیر بھی آگئے تھے، خوب لطف کے ساتھ دن گذر رہے تھے نگار اور ظہیر کا اصرار تھا کہ اب وہ ہسپتال جانا بند کردیں، کیونکہ اب تو دس ہی روز باقی رہ گئے ہیں، مگر ظفر اتنے دن قبل سے چھٹی کرنے پر آمادہ نہیں تھے اس وقت بھی الا سب ہیں یہی

مسئلہ زیر بحث تھا۔

نگار بھائی کے گلے میں بانہیں ڈالے بیٹھی تھی، اور کہتی تھیں کہ آج نہ جائیے۔" رعنا بولیں ــ "سچ تو یہ ہے بھیّا اب تو ذرا گھر میں دل لگا ہے۔"

ظہیر کہنے لگے ــ "آ جانے دو ذرا طلعت کو، پھر دیکھنا کہ تم لوگ دھکّے مار کر بھی نکالوگی یہ تو حضرت نکلنے کا نام نہیں لیں گے" آخر کافی بحث کے بعد یہ طے پایا کہ تین چار دن انھیں اور جانے دیا جائے پھر چھٹّی کریں گے۔
صبح ناشتہ کے بعد ظفر جلدی جلدی تیار ہو کر ہسپتال پہنچے۔ جیسے ہی کار سے اترے چپراسی نے اطلاع کیا کہ ایک صاحب ملاقات کے کمرے میں منتظر ہیں، کہتے تھے کہ ان کو آتے ہی فوراً، میرے پاس بھیجنا۔

"تم نے انھیں کوٹھی کیوں نہ بھیج دیا ــ" ظفر بولے۔

"صاحب میں نے تو کہا تھا کہ آپ کوٹھی ہی چلے جائیے، وہ اس وقت سوائے مریضوں کے اور کسی سے نہیں ملیں گے۔ مگر وہ کہنے لگے بس تم کہدینا کہ بریلی سے ایک ضروری پیغام لے کر آئے ہیں، ہمیں کوٹھی جانا نہیں چاہتا۔

بریلی سے ــ؟"

ظفر نے چونک کر کہا۔

اور پھر کسی گہری سوچ میں کھڑے رہے کافی دیر کے بعد آہستہ آہستہ قدموں سے ملاقاتی کمرے میں پہنچے۔ اور یہ دیکھ کر حیران رہ گئے کہ صفدر بڑی بے تکلفی سے ایک صوفے پر نیم دراز ہیں، کمرے میں قدم رکھتے ہی صفدر کی

نگاہ بھی ان پر پڑ گئی، اور وہ گھبرا کر ایک دم کھڑا ہو گیا، ظفر حیران تھے کہ یہ بہاں کیوں آیا ہے بہر حال مہمان تھا، خوش اخلاقی سے مصافحہ کیا اور وہ لوگ آمنے سامنے بیٹھ گئے۔ "کہیے کیسے آنا ہوا —"

ظفر نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

"ایک اطلاع دینے —"

صفدر بولا۔

"کیسی اطلاع۔"

ظفر بولے۔

"سنا ہے اسی ہفتہ آپ کی شادی ہو رہی ہے"

صفدر نے ظفر کو گھورتے ہوئے کہا۔

"جی ہاں —" ظفر نے مختصراً کہا۔

"مگر طلعت کے بارے میں آپ کو دھوکے میں رکھا گیا ہے —" صفدر نے تیر پھینکا "کیسا دھوکہ —" ظفر نے اچانک کہا۔

صفدر نے ٹھنڈا سانس بھرا اور کہا "کہ وہ تو بچپن سے کسی اور کی ہو"

"کیا کہا آپ نے —" ظفر نے قدرے تیز لہجہ میں سوال کیا۔

"یہی کہ اس کا جسم آپ کا ہو گا مگر دل کسی اور کی امانت ہے —"

صفدر نے پھر زہر فشانی کی۔

"کیا ثبوت ہے آپ کے پاس ان باتوں کا —"

ظفر قدرے جز بز ہوتے ہوئے کہا

صفدر نے مسکرا کر کہا۔ "اگر ثبوت پیش کروں تو آپ کو یقین آجائے گا۔" "پہلے دکھایئے تو سہی۔" ظفر نے جواب دیا۔

"یہ لیجئے۔ صفدر نے ایک لفافہ بڑھاتے ہوئے کہا۔" اس سے زیادہ اور کیا ثبوت ہوگا۔

ظفر نے لفافہ لیکر کھولا اور نگاہیں فوٹو پر جم کر رہ گئیں، انھیں ہنسی آتے آتے رہ گئی، کیونکہ وہ صفدر کے سامنے یہ عقدہ کھولنا نہیں چاہتے تھے کہ جس لڑکے کے پہلو سے لگی بیٹھی طلعت بیساختہ مسکرا مسکرا کر اس کی جانب دیکھ رہی ہے، وہ کوئی غیر نہیں ان کا اپنا بھائی سلیم ہے۔ اب ظفر کو بنانے کی سوجھی اور بڑی فکرمندی سے پوچھا

"کہاں سے ملا یہ فوٹو آپ کو ۔"

"ارے یہ لڑکا میرا بچپن کا دوست ہے اسی نے مجھے دیا تھا۔

صفدر نے دلیرانہ جھوٹ بولا۔

خوب خوب بھئی واہ تم نے تو واقعی بڑے دھوکے بازی کا پول کھولدیا ہیں کیا جانتا تھا کہ یہ معاملات ہیں، آیئے کوٹھی چلتے ہیں، وہاں اطمینان سے ساری باتیں ہوں گی۔

"ارے جناب اس نے تو مجھے طلعت کے لکھے کئی خطوط بھی دکھائے تھے"۔

صفدر نے کھڑے ہوتے ہوئے مزید جھوٹ بولا۔

کوئی خط ہے آپ کے پاس ۔" ظفر دل ہی دل ہیں لطف لیتے

ہوئے بولے"

"نہیں خط تو کوئی نہیں مل سکا" صفدر نے ساتھ چلتے ہوئے کہا بس یہ فوٹو ہی ہاتھ لگ سکا جس کو آپ کے لئے پار کر لایا مجھے آپ سے دلی ہمدردی تھی، لہٰذا میں نے خیال کیا کہ آپ دھوکہ میں نہ آجائیں۔

"بڑا کرم ہے آپ کا ۔"

ظفر نے طنزیہ کہا۔ مگر صفدر جیسے کوڑھ مغز بھلا اس طنز لطیف کو کیوں کر سمجھ سکتے تھے۔ ظفر انھیں لئے ہوئے کار کے پاس پہنچے اور چپراسی سے کہلا دیا کہ آج مریضوں کو ڈاکٹر افتخار دیکھ لیں میں ضروری کام کے باعث فوراً کوٹھی واپس جا رہا ہوں، کار فراٹے بھرتی کوٹھی کے کمپاونڈ میں جا ٹھہری، ظہیر باہر کے کمرے ہی میں بیٹھے تھے، کار کی آواز پر باہر نکل آئے اور ظفر کو بے وقت آتا دیکھ کر سخت حیران ہوئے، اور پھر ساتھ ہی صفدر کو دیکھ کر تو حیرت کی انتہا نہ رہی، صفدر بھی انھیں دیکھ کر قدرے گھبرایا، مگر ظفر نے اس کا ہاتھ تھام کر آگے بڑھا لیا، صفدر نے گھبراہٹ پر قابو پاتے ہوئے بڑے بے ڈھنگے انداز میں ظہیر کو سلام کیا۔ اور جا کر کمرے میں بیٹھ گئے۔ آخر ظہیر سے ضبط نہ ہو سکا تو پوچھ ہی لیا۔ خیر باشد۔ آپ لوگ اس وقت کہاں؟

تم لوگوں کو ایک زبردست دھوکے سے آگاہ کرنے آیا ہوں، ظفر نے چہرے پر غصہ کے آثار پیدا کرتے ہوئے جواب دیا۔

"دھوکہ ۔۔۔ کیا دھوکہ ۔۔۔"

ظہیر نے کچھ نہ سمجھتے ہوئے حیرانی سے پوچھا۔

یہ ہمارے صفدر بھائی کی نظر کرم کا نتیجہ ہے کہ میں ایک چکر میں پڑنے سے بال بال بچ گیا ہوں۔ ظفر نے پر تشویش لہجہ میں کہا۔

"آخر کچھ بھی پتہ چلے۔"

ظہیر نے پریشانی سے پوچھا۔

صفدر سے معلوم کیجیے۔"

ظفر نے صفدر کی جانب اشارہ کیا۔

"آپ ہی کچھ بتائیے — میں تو بڑا حیران ہوں۔ ظہیر نے صفدر کی جانب رُخ کرتے ہوئے سوال کیا۔

"میں تمام بات مع ثبوت کے ظفر صاحب کے حوالے کر چکا ہوں۔"

صفدر نے تھوک نگلتے ہوئے اور گھبراہٹ پر قابو پاتے ہوئے کہا۔

"میں ابھی آتا ہوں —"

کہہ کر ظفر اندر چلے گئے، اور ظہیر سے کہنے لگے کہ تم بیٹھو میں ابھی ایک منٹ میں آتا ہوں، اتنی دیر ان سے باتیں کرو پھر سب عقدہ کھل جائے گا۔ ذرا چائے کیلئے کہدوں۔

صفدر نے ہر چند انکار کیا، ظہیر آواز دیتے ہی رہ گئے، مگر ظفر سیدھے اندر چلے گئے اور نگار کو آوازیں دینے لگے، نگار اپنے کمرے میں بچے کو سلا رہی تھیں، بھائی کی آواز پر حیران ہو کر باہر آ گئیں — ظفر نے بھی انھیں ... بھی دیکھ لیا تھا، وہ سیدھی کمرے میں جا کر کرسی پہ بیٹھ گئیں۔

"خیریت تو ہے بھائی جان نگار نے پریشانی سے کہا۔

"اب خیر کہاں ظفر نے قدرے ہنستے ہوئے جواب دیا ذرا فوٹو دے کر غور سے دیکھو اور بتاؤ کہ کس کا ہے" نگار نے جھپٹ کر فوٹو لے لیا، اور پھر دیکھ کر ہنسنے لگی' ارے یہ تو طلعت اور بھائی سلیم ہیں' پھر اس میں حیران ہونے کی کیا بات ہے"!

تم یہ بھی تو پوچھو ملا کہاں سے"!

ظفر نے تمسخرانہ جواب دیا "یہ سلیم بھائی نے بھیجا ہوگا۔" نگار بولی۔

"ارے نہیں بھئی۔ یہ صفدر صاحب لائے ہیں کہ طلعت بچپن سے اس لڑکے کی عاشق زار ہے۔ میں نے اس کے لکھے خطوط بھی دیکھے ہیں' یہ فوٹو آپ کے لئے پار کر کے لایا ہوں' تاکہ آپ کو دھوکے سے آگاہ کردوں۔

ظفر نے ہنس ہنس کر ساری داستان سنائی' رعنا بھی آکر حیرت سے یہ سب باتیں سن رہی تھیں' نگار کا مارے غصّہ کے برا حال تھا' اس کا بس نہ تھا کہ صفدر ہاتھ آجائے تو اس کی بوٹیاں نوچ کر چیل کوؤں کو کھلا دے' آخر اس نے دانت پیستے ہوئے کہا، کہاں ہے وہ ملعون۔

"باہر بیٹھے ظہیر سے مصروف گل افشانی ہیں۔"

ظفر نے اٹھتے ہوئے کہا۔

"میرے اچھے بھیا۔" نگار بولیں۔ اس منحوس کو ابھی پولیس کے حوالے کرد یجئے۔..... کم بخت خود جال میں آپھنسا ہے۔

نہیں نگار وہ تو بے وقوف ہے بس اس کے لئے اتنی سزا مناسب

ہے کہ اس کو تنبیہ کر کے چلتا کر دیا جائے، ظفر نے چلتے ہوئے کہا۔

"نہیں بھیا، سانپ کو مار دینا ہی اچھا ہوتا ہے"۔ رعنا بھی بولی

"بس تم چپ رہو، امی سے کچھ ذکر نہ کرنا"۔

ظفر یہ کہہ کر باہر چلے گئے، دیکھا تو صفدر جانے کے لئے تیار نظر آتے تھے، ظہیر ابھی تک حیران سے بیٹھے تھے کہ کیا ماجرہ ہے، ظفر نے جاتے ہی ظہیر سے یہ کہا صفدر صاحب مجھے ایک فوٹو دیئے آئے تھے، جس میں طلعت اس لڑکے سے محو گفتگو ہیں، یہ یہی آگاہ کرنا چاہتے ہیں کہ مجھے دھوکہ دیا گیا ہے، یہاں

"کہاں ہے وہ فوٹو" ظہیر نے بے تابی سے پوچھا۔

"یہ رہا"

ظفر نے فوٹو ظہیر کے ہاتھ پر رکھتے ہوئے کہا۔

ظہیر نے بے تابی سے فوٹو پر نظر جمائی، اور بیساختہ اچھل پڑے

"ارے یہ تو اپنا سلیم ہے"۔

"کون سلیم؟"

صفدر نے گھبرا کر پوچھا۔

"ظفر کا سالا"

ظہیر نے شوخی سے جواب دیا۔

"کیا کہہ رہے ہیں آپ" صفدر نے حیرانی سے جواب دیا۔

"یہ تو میرا بچپن کا دوست شکیل ہے"۔

"ابے ایسی تیسی تیرے دوست کی" ظفر اتنے ہاں میں ہاں ہی ملاتے

رہ گئے ظہیر نے گردن پکڑ کر تین چار گھونسے رسید بھی کر دیئے۔

صفدر اس ہنگامے کے لئے تیار نہ تھا ظفر بھی ایک منٹ کو حیران رہ گئے، بہر حال انھوں نے بمشکل صفدر کی گردن چھڑائی، ظہیر کو الگ بٹھایا، اور پھر صفدر سے گویا ہوئے۔

میاں مجھے تمہارے بارے میں پوری معلومات ہیں، اگر میں چاہوں تو ابھی تم کو پولیس کے حوالے کر دوں۔ مگر میں ایسا نہیں کروں گا، شاید تم اس واقعہ سے سبق لو اور سنبھل جاؤ۔ یہ لڑکا طلعت کا سگا بھائی سلیم ہے جو ابھی دس روز ہوئے امریکہ سے آیا ہے، اسی کے ہمراہ یہ فوٹو تم نہ جانے کہاں سے اڑا لائے ہو بہرحال خدا کا شکر ہے کہ معاملہ الجھا نہیں آئندہ توبہ کرو، اور ان برائیوں کو چھوڑ کر شریفانہ زندگی بسر کرو۔

صفدر اس انکشاف سے ندامت کے مارے زمین میں گڑ گیا، اور گڑگڑا کر کہنے لگا۔ کہ واقعی میرا قصور ہوا، یہ فوٹو میں نے طلعت کے گھر کی نئی ملازمہ گلبدن کے ذریعہ حاصل کیا تھا اس نے مجھے یہ نہیں بتایا تھا کہ آپ لوگ سلیم سے واقف ہیں۔ افسوس میں نے کیسی بُری بُری حرکتیں کی ہیں۔

خیر ابھی کچھ نہیں گیا جو گذر گیا، گذر گیا، اب تم بری باتوں سے توبہ کرو اور نیک زندگی گذارنے کا وعدہ کرو۔"

ظفر نے ہمدردانہ کہا۔

"میں آپ سے سب سے پہلے معافی مانگتا ہوں، صفدر نے سر جھکا کر اور ہاتھ جوڑ کر کہا

"بس بس، ایسی حماقت نہ کرو اور اب جاؤ پھر کسی دن ملاقات ہوگی۔

ظفر بولے"

صفدر اٹھ کر چلا گیا تو ظہیر جو اب تک خاموش تماشائی بنے بیٹھے تھے

ایک دم برس پڑے، تم نے کیوں جانے دیا اس مردود کو۔"

" اچھا بھئی ختم کرو، اندر چلو۔ نگار منتظر ہوں گی، وہاں سے اٹھ

کر یہ لوگ اندر آئے، نگار اور رعنا نے یہ واقعہ اتنی دیر میں سب کو سنا دیا

تھا۔ پھر ظفر نے ساری بات بتائی، نگار اور رعنا سے چھوڑ دینے پر بہت

برہم ہوئیں۔ مگر فرزانہ بیگم نے کہا نہیں تم نے بہت اچھا کیا شاید

خدا اسے نیک ہدایت عطا فرما دے۔

انہی ہنگاموں میں اور تیاریوں میں آخر شادی کا دن آن پہنچا، آج

کوٹھی مہمانوں سے بھری پڑی تھی۔ بارات روانہ ہونے والی تھی۔

ظفر کو دولہا بنایا جا چکا تھا، نگار اور سلطانہ بھائی کو دولہا بنا دیکھ

کر پھولی نہ سماتی تھی۔ فرزانہ بیگم کو آج پھر رہ رہ کر شوہر کی یاد ستا رہی

تھی، مگر بچوں کے باعث ضبط کیے ہوئے تھیں۔

چھ کاروں پر بارات روانہ ہوئی، ایک بس کے ذریعہ تمام

لڑکیاں اور بری کا سامان گیا، وہاں بھی بڑے زوروں کی تیاریاں

تھیں، نادرہ نے نگار اور رعنا کی خوب خوب خبر لی، اور نشاط اور

غزالہ کی بھی خوب خاطر تواضع ہوئی۔

اگلے دن صبح ۹ بجے واپسی ہونی تھی، لہذا تمام رات ظہیر

وغیرہ بند کر کے رکھا جاتا رہا۔ سلیم اور حمیدہ بیگم نے دل کھول کر سامان دیا تھا، .... سلیم نے کوٹھی کے کاغذات بھی ظفر کو دیئے جو جمال صاحب نے اسی مقصد کے لئے الگ طلعت کے نام سے بنوائی تھی، صبح کو بہن کو رخصت کرتے وقت سلیم کا برا حال تھا۔ بڑی دیر تک گلے لگائے سسکیاں بھرتے طلعت کو محبت سے سمجھاتے رہے اور پھر اللہ کا نام لیکر انھیں سوار کرا دیا گیا، آج طلعت چلی گئیں تو حمیدہ بیگم کو حقیقی معنوں میں بیٹی کی جدائی کا احساس ہوا۔ نادرہ ساتھ گئی تھیں۔

چار گھنٹے بعد ۲ بجے یہ لوگ لکھنؤ جا پہنچے، خوب دھوم دھام تھی۔ فرزانہ بیگم انتہائی خوش تھیں، دلہن کو لا کر بڑے کمرے میں مسند پر بٹھایا گیا اور پھر رونمائی ہونے لگی،

فرزانہ بیگم نے ہیرے کا گلوبند پہنایا، نشاط نے ایک جوڑا اور سونے کا سیٹ دیا، غزالہ نے بھی ایک جوڑا کنگن دیئے، نگار نے سرن پھول جھمکے پہنائے۔

آج طلعت کا حسن کچھ دو بالا ہی تھا، نگاہ ہی نہیں ٹھہرتی تھی، پھر نشاط نے لیجا کر اوپر کے کمرے میں نئے سرے سے دلہن بنایا، نگار اور رعنا بار بار بلائیں لیتی تھیں، آخر رفتہ رفتہ تنہائی ہو گئی۔ نادرہ بھی پیروں کی آہٹ سن کر دوسرے دروازے سے چلی گئیں۔

ظفر نے کمرے میں قدم رکھا تو طلعت مارے شرم کے اور جھجک

گئیں. ظفر نے آہستہ آہستہ مسہری پر بیٹھتے ہوئے اور طلعت کا گھونگھٹ اٹھاتے ہوئے کہا.

میرے شوقِ دید کی ہے اب انتہا
یہ نقاب رخ سے اٹھا بھی دو!

ختم شد